

فَقُلْ لِلْعَيْنِ الرَّهْمِ يَا لَكَ انْتَهَى سَنَا الشَّمْسُ فَاسْتَفْشَى ظِلَامَ اللَّيَالِيَا
 گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر ڈھکی

مقامِ حیات

المُسْتَبْعَث

مَدَارِكُ الْأَذْكَيَا فِي حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

مکین گنبدِ خضر اہل حیاتِ برزخی کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ سید محمود
 ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ناچپٹر



دارالمعارف
 افضل ہارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حقوق التألیف کاتما محفوظۃ للمؤلف

نام کتاب _____ مقام حیات _____
 مصنف _____ ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر
 کتابت _____ محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
 صفحات _____ ۷۵۲
 ایڈیشن ہذا _____ ۱۴۱۴ھ / ۲۰۹۳ء
 ناشر _____ جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور
 دارالمعارف اردو بازار لاہور
 تعداد _____ گیارہ سو
 قیمت اعلیٰ مجلد _____ ۱۶۰ روپے
 ممالک یورپ _____ ۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف پراڈیو سماج روڈ سنت نگر
 جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
 پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست مضامین

<p>۳۲ مخالفین کا علمائے دیوبند کو ۳۳ حیات فی الدنیا کا لازم قرار دینا۔ ۳۴ وقت کا موضوع حیات ہے مہمات نہیں ۳۵ حیات الانبیاء پر فریقین کا اتفاق ۳۶ مخالفین کا اپنا اقرار ۳۷ حیاتِ جہدی کے انکار کے ۳۸ خطرناک نتائج۔ ۳۹ معتزلہ و دروافض اور اہل سنت کا ۴۰ فطریہ آخرت میں اختلاف۔ ۴۱ اہل سنت حیاتِ جہدی کے قائل ہیں ۴۲ وفات کے بعد روح و بدن میں علاقہ ۴۳ یہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ ۴۴ حضور روح و بدن کے مجموعہ سے رسول ہیں ۴۵ حیاتِ جسمانی کے انکار کا دوسرا نتیجہ ۴۶ حضور عہدہ و رسول نہ رہیں گے ۴۷ کرامیہ کا عقیدہ کہ حضور اب صرف ۴۸ حکمی طور پر رسول ہیں۔ ۴۹ علامہ ابن حزم کرامیہ کے رد میں</p>	<p>تعارف و اعتذار لادینیت کا محاذ اندرونی اتحاد کی ضرورت دین محمدی کا اہم ترین موضوع <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; text-align: center; margin: 10px 0;"> اسلام کا عقیدہ معاد </div> ارکان ایمان کا رکن خامس ایمان بالآخرت منکرین معاد کے استبعادات قرآن کریم کے جوابات جو بدن گناہ کرے وہی سزا پائے سوادِ اعظم اہل سنت کا عقیدہ عالم برزخ میں حیاتِ نبویہ نفوذ روح ہو یا اشرف روح روح پاک کا مقراصلی حیات دنیا والے جہد میں حیات کا مدار رزق مادی پر نہیں حیات میں کبھی اختلاف نہیں رہا</p>
---	--

- ۶۲ حضرت نساء علیؑ حضرت علیؑ کی حمایت میں
- ۶۲ مجتہد اور مناظر میں فرق
- ۶۴ مجتہد اور متقلد میں فرق
- ۶۵ کیا مسئلہ حیات النبیؐ یا وفات النبیؐ {
مراحت سے قرآن میں مذکور ہے؟
- ۶۶ آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال
- ۶۶ کیا آیت اموات غیر احوالہ مماتی {
عقیدے پر قطعی الدلالة ہے؟
- ۶۹ آیت اموات غیر احوالہ کا موضوع بیان
- ۷۱ انکار حیات کا تاریخی پس منظر
- ۷۱ کرامیہ کے خلاف علامہ سبکیؒ کا بیان
- ۷۱ علامہ سبکیؒ کے ہاں صحیح سنی عقیدہ
- ۷۲ امام ابو القاسم قشیریؒ کا سنی عقیدہ
- ۷۲ علامہ ابن عابدین الشامیؒ کا سنی عقیدہ
- ۷۳ انبیاء رسالت سے معزول نہیں ہوتے
- ۷۵ اس غلط عقیدہ سے متاثر ہونے والے دوسرے مسئلے {
- ۷۵ کیا اثبات عقائد کے لیے دلائل ظنیہ سے {
استشہاد ہو سکتا ہے؟
- ۷۶ علامہ شاطبیؒ کا بیان
- ۷۶ ملا علی قاریؒ کا بیان
- ۷۶ استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ
- ۷۶ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی
- ۷۶ حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت {
- ۷۶ قرآن عزیز کا موت انسانی میں {
ذہن جاہلیت سے اختلاف {

موت کی حقیقت

- ۸۸ عربی میں موت کے مختلف نام
- ۸۸ قرآن کا استعمال لفظ توفی
- ۸۸ ابانہ الروح عن الجسد اور {
- ۸۸ زوال قربت حیوانیہ۔ {
- ۸۸ موت کے لیے سبق حیات ضروری نہیں
- ۸۸ مسبقیت حیات موت کے لیے لازم نہیں
- ۸۹ آنحضرتؐ کی موت طیبہ کی شان
- ۹۰ حشر کی حیات بھی طیبہ موت بھی طیبہ
- ۹۰ موت کے باوجود بعض آثار حیات کا تسلسل
- ۹۰ آثار حیات جو اجتماعاً قائم ہو رہے ہیں
- ۹۰ آپ کے احوال آپ کی ملک پر باقی ہے
- ۹۰ موت ایک صفت ہے جو صفت حیات {
- ۹۲ کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ {
- ۹۳ روح اور حیات میں ملازمہ نہیں
- ۹۳ موت کا شرعی مفہوم
- ۹۳ اختلاف دارین کا تحقق ہو جائے
- ۹۴ موت عدم محض اور فنا ہے خالص نہیں
- ۹۵ عالم آخرت کی مختصری حیات
- ۹۶ حشر آخرت ذرات منتشرہ سے کیے
- ۹۶ انبیاء کے ابدان ریزہ ریزہ نہیں ہوتے
- ۹۶ صورتحال سے بے خبری عدم حیات کی دلیل نہیں
- ۹۶ عزیر علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام {
- ۹۶ کے ابدان موت کے باوجود محفوظ رہے {
- ۸۹ قرآن کی رو سے موت کی حقیقت
- ۸۰ موت اور نیند میں عمل مشترک
- ۸۰ آثار حیات کا کچھ دیر باقی رہنا
- ۸۰ آنحضرتؐ کے آثار حیات اب تک باقی
- ۸۰ صاحب ہدایہ کا موقف عدم تغیر
- ۸۱ آیت اللہ توفی الا نفس کو {
- ۸۱ متشابہات میں شامل کرنا۔ {
- ۸۱ حدیث صحیح بخاری سے اس کا رد
- ۸۲ نیند والے کے لیے ارسال روح {
- ۸۲ کے علاوہ احیاء کا لفظ بھی وارد ہے {
- ۸۲ ارسال احیاء کے ساتھ رد روح کے {
- ۸۲ الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں۔ {
- ۸۳ قرآن کی رو سے موت ایک وجودی پیغمبر ہے
- ۸۴ امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ کے بیانات
- ۸۴ موت کا وجود حدیث کی روشنی میں
- ۸۴ موت کے ذبح ہونے کی روایات
- ۸۴ گنہگار جہنمیوں پر ایک اور موت

- ۹۹ حشر کے دن پہلے آنحضرت قبر سے نکلیں گے
 ۱۰۰ اور دل کے لیے لفظ بعثت اور آپ کے لیے لفظ خروج
 ۱۰۰ رویت میں اعتماد اور اسناد کے دو دور
 ۱۰۱ صحیح حدیث معلوم کرنے کی دو راہیں
 ۱۰۱ اعتماد علی السلف کو قائم رکھنے کی ضرورت

تہیہ

- ۱۰۳ عالم برزخ کی کبھی کبھی جھکیاں
 ۱۰۳ حیات النسانی کے چار دور
 ۱۰۳ ① عالم ارواح
 ۱۰۳ عالم ارواح میں ارسال و اسل کی خبر
 ۱۰۳ عالم ارواح کو عالم ارواح کیوں کہتے ہیں

- ۱۰۳ ② عالم دنیا
 ۱۰۴ عالم دنیا میں بدن کے احکام و مرجع غالب
 ۱۰۴ تغذیہ و تنمید اس زندگی کے لازم ہیں
 ۱۰۴ یہ دنیا دار تکلیف اور دار العمل ہے
 ۱۰۴ عالم دنیا میں برزخ کی جھکیاں
 ۱۰۴ جنت اور جہنم کا اس دنیا میں مشاہدہ
 ۱۰۸ اجراء امت اور ذنوب امت کا مشاہدہ
 ۱۰۸ پہلی امتوں اور پہلے انبیاء کو دیکھنا
 ۱۰۹ فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھنا

- ۱۱۰ دنیا کا مثل ہو کر آپ کے سامنے آنا
 ۱۱۰ آپ کا بچا دو دور حضرت عمر کی نعمت میں
 ۱۱۰ علم کی ایک برزخی صورت — دو دور
 ۱۱۱ دین کی ایک برزخی صورت — تیس
 ۱۱۱ کنوئیں سے نکلتے ڈول — خلافت
 ۱۱۱ دیا بکھرے بالوں والی عورت کی صورت میں
 ۱۱۳ ③ عالم برزخ
 ۱۱۳ قرآن کریم میں اس جہان کی خبر
 ۱۱۳ برزخی زندگی میں روح و حیات میں تلازم نہیں
 ۱۱۴ برزخ میں روح و بدن کا تعلق بھی ہو سکتا ہے
 ۱۱۴ عالم برزخ ایک حبیبہ مومنین میں
 ۱۱۴ ہے اور اس میں ارتقاء عمل ہے۔
 ۱۱۴ مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف
 ۱۱۴ ۱۔ عام اموات کا برزخ
 ۱۱۴ ۲۔ شہداء کا برزخ
 ۱۱۴ ۳۔ انبیاء کا برزخ
 ۱۱۵ عالم برزخ کو سمجھنے کے لیے ایک دنیوی تجربہ
 ۱۱۵ نیند برزخ کی قریب ترین منزل ہے
 ۱۱۵ قبر کی واردات شرعی حقیقت میں مجاز نہیں
 ۱۱۶ توفی میں موت اور نیند دونوں جمع
 ۱۱۶ حدیث کی رو سے موت نیند کی بہن

④ عالم آخرت

- ۱۱۸ چار جہانوں میں کوئی دو متوازی نہیں
۱۱۸ ہر دوسرا جہاں پہلے سے وسیع ہے
۱۱۸ چاروں جہانوں کا آپس میں ایک لطیف ربط
۱۱۹ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان
۱۱۹ کہ عالم قبر اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے
۱۲۰ عالم برزخ اور عالم آخرت میں ایک کھلا فرق
۱۲۱ حکیم الاسلام قاری محمد طیب کا بیان
۱۲۱ تین جہانوں میں صمد بدن کے تعلق کی نوعیت
۱۲۱ عالم برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق
۱۲۲ اہل برزخ کی اہل دنیا سے دلچسپی
۱۲۲ اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت
۱۲۲ باہمی واقفیت کے پانچ طریقے
۱۲۴ پانچ طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عندانیات
۱۲۵ استدلال کا شخصیتی درجہ
۱۲۶ استدلال کا طبقاتی درجہ
۱۲۷ استدلال کا کلیاتی درجہ
۱۲۸ کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح
۱۲۸ ہر سہ استدلال سے برزخ کا اندازہ
۱۲۹ انسان کا مستقل دارالقرار
۱۲۹ صوف آخرت ہے۔
- ۱۱۸ اسلام کا عقیدہ برزخ
۱۱۸ حضرت علامہ قرطبی کا بیان
۱۱۸ حضرت علامہ سیوطی کا بیان
۱۱۹ حضرت مولانا محاذی کا بیان
۱۱۹ ① قرآن کریم میں تین زندگیاں کا ثبوت
۱۲۰ یہ صرف ایام ثلاثہ ہیں یا موطن ثلاثہ
۱۲۱ ۱۔ علامہ نسفی کی شہادت
۱۲۱ ۲۔ ابن الجوزی کی شہادت
۱۲۱ ۳۔ علامہ قرطبی کی شہادت
۱۲۲ ۴۔ امام رازی کی شہادت
۱۲۲ ۵۔ قاضی شہار اللہ کی شہادت
۱۲۲ ۶۔ تفسیر خازن کی شہادت
۱۲۴ قبر میں سلام سے سلام تحیہ مراد ہو سکتا ہے
۱۲۵ علامہ ابن عطیہ کی شہادت
۱۲۶ صلوٰۃ و سلام اسی دنیوی بدن پر
۱۲۷ ② قرآن کریم میں قیامت سے پہلے
۱۲۸ آل فرعون کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے
۱۲۸ حافظ ابن کثیر کی شہادت
۱۲۹ ③ قوم نوح پر ڈوبنے سے متصل لوگ
۱۲۹ کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے

۱۵۶ ۴۰ قرآن کی رو سے انسانی زندگی کے تین دور ۱۲۱ صاحبِ شکوہ کی شہادت

۱۵۱ ۴۱ عذابِ قبر احادیث کی روشنی میں ۱۲۲ قبر کے اندر کے چھپے معاملات
۱۲۲ روایت برابر پر قرآن کی تلاوت

۱۵۷ ۴۲ ۵۰ قرآن کریم میں سوالاتِ اخروی پر ثابت قدمی کی شہادت۔ {

۱۵۸ ۴۲ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ۱۲۳ بزرخ کا شمار ادھر بھی ادھر بھی

۱۶۰ ۴۳ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ۱۲۴ چالیس صحابہ کرامؓ سے قبر میں کئے جانے والے سوالات کا ثبوت۔ {

۱۶۲ ۴۳ حضرت بلال بن عازبؓ کی روایت ۱۲۴ عذابِ قبر کے انکار سے انسان کفر کی سرحد پر ۱۲۴

۱۶۲ ۴۴ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ۱۲۵ عذابِ قبر کے منکر کے چھپے نمازِ جائز نہیں ۱۲۵

۱۶۳ ۴۴ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ۱۲۵ عذابِ قبر کی احادیث تو اثر کے درجہ میں ۱۲۵

۱۶۴ ۴۴ حضرت جابرؓ کی روایت ۱۲۶ مرنے کے ساتھ عذابِ الہی کا سامنا ۱۲۶

۱۶۴ ۴۴ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ۱۲۷ مرنے کی ضربیں اور عذابِ الحرق کا سامنا ۱۲۷

۱۶۵ ۴۵ حضرت ام المومنینؓ کی روایت ۱۲۸ قیامت سے پہلے ایک بزرخی زندگی ۱۵۰

۱۶۶ ۴۶ ۸۰ قیامت سے پہلے ایک بزرخی زندگی ۱۵۱ حضرت تعالیٰؐ کا ایمان افروز بیان

قبر کی واردات

۱۶۶ ۴۷ اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد ۱۵۲ عذابِ قبر محدثین کی نظر میں

۱۶۶ ۴۷ نو حلیل القدر صحابہؓ کی گواہی ۱۵۳ امام ابو داؤدؒ کی شہادت

۱۶۶ ۴۷ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی گواہی ۱۵۳ امام مسلمؒ کی شہادت

۱۶۸ ۴۸ ابن جریر الطبریؒ کی گواہی ۱۵۳ امام بخاریؒ کی شہادت

۱۶۹ ۴۹ امام طحاویؒ کی گواہی ۱۵۳ امام ترمذیؒ کی شہادت

۱۶۹ ۴۹ ماقط ابو بکر حباصؒ کی گواہی ۱۵۵

امام بیہقیؒ اسفرائینیؒ قشیریؒ
ابن عساکرؒ اور امام غزالیؒ
صاحب ہدایہ کی گراہی

ساتویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ قطبیؒ

۲۔ امام نوویؒ

۳۔ علامہ نسفیؒ

آٹھویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ صدر الدین القدوسیؒ

۲۔ علامہ سبکی شافعیؒ

۳۔ قاضی محمد الدین الہامیؒ

۴۔ حافظ ابن تیمیہؒ

۵۔ حافظ ابن قیمؒ

نویں صدی کی شہادت

علامہ سید شریف البحرانیؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

علامہ بدر الدین العینیؒ

حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ

دسویں صدی کی شہادت

علامہ سید علی کا بیان

علامہ ودائیؒ

علامہ شعرانیؒ

علامہ قہستانیؒ

علامہ القاریؒ

گیارہویں صدی کی شہادت

۱۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

بارہویں اور تیرہویں صدی

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

۲۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

۳۔ قاضی شتار اللہ پانی پتیؒ

۴۔ علامہ شامیؒ

۵۔ قاضی شوکانیؒ

۶۔ علامہ آلوسیؒ

چودھویں صدی کی شہادت

دنوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

- ۲۰۹ امام العصر مولانا انور شاہؒ
- ۲۱۰ مفتی عزیز الرحمنؒ
- ۲۱۰ مولانا حسین علی مرحومؒ
- ۲۱۰ نواب صدیق حسن خانؒ
- ۲۱۰ مسک محدثین اور مسک متکلمین
- ۲۱۱ اعادہ روح اور اشراق روح
- ۲۱۳ صحت روایت کا مدار و اعتبار
- ۲۱۴ علامہ ذہبیؒ کی شہادت
- ۲۱۵ امام عبدالرحمن بن المہدیؒ
- ۲۱۵ علامہ سیوطیؒ کی شہادت
- ۲۱۶ حدیث اعادہ روح
- ۲۱۷ راویوں پر کلام
- ۲۱۹ حدیث کی تصحیح کرنے والے
- ۲۱۹ پہلی پانچ صدیوں کی شہادت
- ۲۱۹ چھٹی صدی کی شہادت
- ۲۲۰ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شہادت
- ۲۲۱ نویں اور دسویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ گیارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ بارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۳ تیرہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۵ ایک سوال اور اس کا جواب
- ۲۲۸ دنوی زندگی کی تعریف
- ۲۲۸ وفات کے بعد اس دنوی زندگی میں {
- ۲۲۸ انہماشیوں کا عقیدہ رجعت ہے۔
- ۲۲۹ حضورؐ کی برزخی زندگی کو دنوی کہنے کی جہت
- ۲۲۹ نیند کے حالات اور برزخ کی واردات
- ۲۲۹ حضورؐ کا جسد اطہر بالکل تروتازہ
- ۲۳۰ برزخ میں روح کا عود کرنا دنیا کی طرح سے نہیں
- ۲۳۱ علامہ تقی زانیؒ کی شہادت
- ۲۳۱ علامہ عبدالغفریہؒ پر پاڑ مئی
- ۲۳۱ حافظ ابن حجرؒ کی تائید
- ۲۳۲ قاسم بن قطلوبغا کی شہادت
- ۲۳۲ ملا علی قاریؒ کی شہادت
- ۲۳۳ حضرت شاہ عبدالغفریہؒ کی شہادت
- ۲۳۳ اس دور کے معتزلہ کی اہل حق سے استہزاء
- ۲۳۴ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
- ۲۳۴ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
- ۲۳۴ قبر کی زندگی کس پہلو سے دنوی زندگی ہے؟
- ۲۳۴ حاکم ابن ابی حازمؒ قبر کی زندگی کو قرآن کے {
- ۲۳۴ حوالے سے دنوی زندگی مانتے ہیں۔

- ۲۵۲ علامہ الدین ابو الحسن الخازنؒ کی شہادت ۲۳۹ انبیائے سابقین کے آنے کی صورت
- ۲۵۳ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت ۲۳۹ ملاقات انبیاء پر قرآن کی شہادت
- ۲۵۳ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۲۳۹ علامہ قرطبی کی شہادت
- ۲۵۳ برسر مطلب آدمیم ۳۳۰ تفسیر جلالین کا بیان
- ۲۵۵ حیات برزخی کا دینی پہلو ۲۴۱ امام فخر الدین رازیؒ کا تفسیری ضابطہ
- ۲۵۶ برزخ کی نفی اور حیات دینی کا امتداد ۲۴۲ علامہ لغوی کی شہادت
- ۲۵۶ مجھے قیامت تک رہنے کا اختیار دیا گیا ۲۴۲ حضرت سعید بن جبیر (۹۵ھ) کی شہادت
- ۲۵۷ دینی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق ۲۴۴ قاضی شتار الشرح صاحب پانی پتیؒ
- ۲۵۷ برزخی زندگی کی آہٹ کہاں تک سنی جا سکتی ہے ۲۴۵ قاضی شہ کانیؒ کی شہادت
- ۲۵۷ انبیاء کا سلسلہ عمل رکھا نہیں ہے ۲۴۶ علامہ محمود آلوسیؒ کی شہادت
- ۲۵۹ انبیاء کا برزخی پرچے میں یہاں آنا ۲۴۶ حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کی شہادت
- ۲۶۰ حضرت کا حضورؐ کی ملاقات کرنا ۲۴۶ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت
- ۲۶۱ یہ ملاقات ابدان سے تھی صرف ارواح سے نہ ۲۴۷ ملا علی قادریؒ کی عبارات
- ۲۶۲ پہلے انبیاء یہاں آکر حج بھی کر سکتے ہیں ۲۴۷ حضرت عیسیٰ کی پہلے انبیاء سے ملاقات
- ۲۶۳ حضرت ہود اور حضرت صالح کے گزرنے کی خبر ۲۴۸ حضرت عیسیٰ کی روحہ اطہرہ پر حاضری اور سلام
- ۲۶۳ حضرت لوق اور حضرت ابراہیم کے گزرنے کی خبر ۲۴۹ حضرت عیسیٰ فوج روحانہ سے احرام باندھیں گے
- ۲۶۵ قرآن کی خبر کہ آپ موسیٰ سے ضرور ملیں گے ۲۴۹ حضرت عیسیٰ بعد نزول اللہ کے رسول ہوں گے
- ۲۶۵ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا ۲۴۹ حضرت عیسیٰ پر انتظامی امور میں وحی آنے لگی
- ۲۶۵ قبر کے اعمال کا احادیث سے ثبوت ۲۵۰ لیکن وحی شریعت نہیں۔
- ۲۶۵ انبیاء کی برزخ میں حیات ارتقاء عمل سے ہے ۲۵۰ عالم برزخ سے سنی بات پر عمل ضروری نہیں
- ۲۶۶ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے ملاقات ۲۵۱ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں

- ۲۶۳ { برزخ میں گئے اعمال دینی اعمال کے حکم میں ۲۶۲ آثار حیات اگر گھٹنوں منتفی نہ ہوں تو
 عبادت صرف مرت تک کے لیے ہے ۲۶۶ گویا یہ ایک جدی نوع کی موت نہ ہوگی
 ۲۶۳ عالم برزخ کی عبادت تکلیفی نہیں ۲۶۶ معتزلہ کا امساک کا موقف
 ۲۶۴ جنت میں یاد الہی مکلف کے طور پر نہ ہوگی ۲۶۶ اہل اسنتہ والجماعہ کا جواب
 ۲۶۴ قرآن پاک کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۶ ۱. علامہ آدوسی کی شہادت
 ۲۶۵ حدیث کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۸ ۲. مولانا مٹھانی کی شہادت
 ۲۶۵ حضور کا برزخ میں زندگی میں اس کے لیے استغفار ۲۶۸ ۳. حافظ ابن قیم کی شہادت
 ۲۶۶ حضور پر زمرین کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ۲۶۸ روح و بدن کا ہر تعلق دنیا کا نہیں
 ۲۶۶ انبیاء کے وفات کے باوجود ان کے اعمال باقی رہے ۲۶۹ ریاض الجنۃ سرزمین مدینہ میں ہے

قبر کی حقیقت

- ۲۶۹ { انبیاء کے وفات کے باوجود انکی اطاک باقی ہیں ۲۶۹
 ۲۶۰ { عدت وفات سے اہمات المؤمنین
 کا نکاح ختم نہیں ہوا۔
 ۲۶۰ احوال شہداء کی سیر کیا کبھی دنیا میں بھی ہو سکتی ہے
 ۲۶۱ اشاعرہ حیات اور اعادہ روح میں
 ۲۶۲ { تلامذہ کے قائل نہیں۔
 ۲۶۰ قبر کا مفہوم اسکی دلالت دعویٰ کلیۃً نہیں
 ۲۶۱ قبر کی وسعت وضحت پردہ غیب میں ہے
 ۲۶۰ { صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج کے نفلی اور اصطلاحی معنی
 ۲۶۱ ہیں مگر قبر کی کوئی علیحدہ شرعی حقیقت نہیں۔
 ۲۶۱ قبر — قرآن کریم کی روشنی میں
 ۲۶۲ قرآن اس ظاہری قبر کو ہی قبر کہتا ہے

آیت اللہ یتوفی الانفس حین موتہا پر بحث

- ۲۶۲ موت کے لیے دو چیزیں لازم ہیں
 ۲۶۲ روح کا نکلنا اور آثار حیات کا خاتمہ
 ۲۶۳ قبر — احادیث کی روشنی میں
 ۲۶۸ میں احادیث کی شہادت
 ۲۶۹ قبر — صحابہ کرام کے ہاں
 ۲۶۳ { نیند میں روح بچکنے کے باوجود روح کا
 ایک خاص تعلق بدن سے قائم رہتا ہے۔

- حضرت ابن عباسؓ کی شہادت ۲۸۹ عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو ۳۰۲
- حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۸۹ معنی قبر پر سعودی پیشوا کی شہادت ۳۰۴
- حضرت بریدہؓ کی شہادت ۲۹۰ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے بیٹے کی شہادت ۳۰۵
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہادت ۲۹۰ سرخیل علماء سجد محمد بن عبد اللطیف ۳۰۵
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت ۲۹۰ آپ قبر مبارک پر سلام سنتے ہیں ۳۰۵
- حضرت جابرؓ کی شہادت ۲۹۱ برزخ کے حالات مشاہدہ میں نہیں آتے ۳۰۶
- ای زمین پر حکم ہو بلکہ میت پر تنگ ہو جا ۲۹۱ فرشتوں کا مرنے والوں کو چختنا ۳۰۶
- معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت ۲۹۲ ہم نہیں دیکھتے مگر یہ ہوتا ہے ۳۰۶
- مخالفین کا اپنا اقرار کہ قبر یہی ہے ۲۹۲ بعض کا ملین پر انکشاف حق ہے ۳۰۶
- شہداء احمد کی انہی زمینی قبروں پر حضورؐ گزے ۲۹۲ کبرۃ ارضی اور عالم بالا کے ارتباطات ۳۰۷
- حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ۲۹۲ فرشتوں کا حضورؐ کے پاس آنا جانا ۳۰۷
- معنی قبر پر فرشتین کا اتفاق ۲۹۵ فرشتوں کا میدان جنگ میں نزول ۳۰۸
- قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟ ۲۹۵ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۳۰۹
- سیدنا حضرت عثمانؓ کی روایت ۲۹۶ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بیان ۳۰۹
- حضرت عبداللہ بن سعودؓ کی شہادت ۲۹۷ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ۳۰۹
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۲۹۸ فرشتے کے اصلی صورت میں نہ آنے کی حکمت ۳۰۹
- سوال و جواب اسی قبر میں ۲۹۸ آنحضرتؐ کا برزخ عالم درجے کا نہیں ۳۱۰
- علامہ قاریؒ کی شہادت ۲۹۸ آنحضرتؐ کا طرف طبعی عام درجے کا نہیں ۳۱۰
- قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۹۹ آنحضرتؐ کا برزخ عام لوگوں کی طرح کا نہیں ۳۱۰
- مقرر اموات یہی زمین ہے ۳۰۰ کیا ان چار جہانوں کے سوا ۳۱۱
- مرنے کے بعد ٹھکانہ اسی زمین میں ہے ۳۰۰ کوئی اور جہان بھی ہے ۳۱۱

عالم مثال

۳۱۷ { اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر کے لیے کسی اور بدن کی تلاش میں۔

۳۱۷ عذابِ قبر کے لیے مثالی بدنوں کا کیا کوئی ثبوت؟

۳۱۷ { پرندوں کو شہداء کے اجساد مثالیہ قرار دینے والوں کا ذوقِ علم۔

۳۱۸ عقائد کی اساس صوفیہ کے مشاہد پر نہ ہونی چاہیے

۳۱۸ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد

۳۱۸ { عقائد کی بناء صوفیوں کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا کونسی شانِ علم ہے؟

۳۱۸ صوفیہ نے جو دیکھا فہمیری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو

۳۱۹ مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

۳۲۰ انکارِ عذابِ قبر کی ضرورت کیوں پڑی؟

۳۲۲ عذابِ قبر پر علماء حق کے بیانات

۳۱۱ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا بیان

۳۱۱ معانی کی تصویریں مختلف اشکال میں

۳۱۲ حقائق کی تصویریں مختلف صورتوں میں

۳۱۲ عالم غیب اور عالم شہادت کے مابین کی منزل

۳۱۳ عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں تیسری منزل

۳۱۳ برزخِ دنیا اور آخرت کے مابین

۳۱۳ عالم غیب اور شہادت کے مابین

۳۱۳ { برزخ اس دوسرے مفہوم میں مستقل وجود رکھتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف

۳۱۳ { معراج کی رات عالمِ برزخ کے مسافر حضورؐ کو عالمِ مثال میں دکھائے گئے۔

۳۱۳ قاضی بیضاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی دوراہیں

۳۱۳ رانی اس جہان کا اور مرنی اس جہان کے

۳۱۳ اجسادِ اصلیہ اور مثالیہ کے دو احتمال

۳۱۴ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسکد ربانہ معراج

۳۱۵ علماءِ شریع کے ہاں عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد ہی ہیں شاید صوفیہ نے برزخ کو مثال کہہ دیا ہو

۳۱۵ اسلام میں عالمِ مثال کا تصور

۳۱۶ مقامِ بدن کے تعیین سے مقامِ روح کا تعیین

۳۱۶ مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحث مطلق حیات

۳۱۶ { مقامِ بدن کے تعیین سے مقامِ روح کا تعیین نہیں حیات بعد الوفا ہے۔

تنفیح المبحث

۳۲۴ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اقرار و فتا

۳۲۵ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں بڑا فرق ہے

۳۲۵ { حضورؐ کی حیاتِ جسمانی بھی ہے روحانی بھی اور برزخی بھی۔

۳۲۵ مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحث مطلق حیات

۳۲۵ { مقامِ بدن کے تعیین سے مقامِ روح کا تعیین نہیں حیات بعد الوفا ہے۔

ثبوت وفات کے دلائل ہمارے خلاف نہیں ۲۲۵ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے ۲۲۲

وفات کا مرقع پھر زندہ ہونے کے منافی نہیں ۲۲۵ روح کی حقیقت پر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ { ۲۳۲ }
بھی وفات آپ کے لیے مقدم تھی وہ واقع ہوئی ۲۲۵ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا بیان

طریاں موت اور اعادہ حیات کے احتمالات ثلثہ { ۲۲۲ }
کے بعد پھر روح بدن میں یا بدن پر ۲۲۵
۲۳۵ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بیان ۲۳۵

۱۔ ابانۃ الروح عن الجسد ۲۲۶ حیات شہداء کا ثبوت حیات انبیاء { ۲۳۵ }
۲۔ ابانۃ الروح عن الجسد کے بعد پھر بدن سے تعلق ۲۲۶ ثابت کرنے کے لیے بمنزلہ زینہ ہے۔

۳۔ انقباض الروح فی القلب سے { ۲۲۶ }
پورے جسد اطہر میں آثار حیات باقی

حضرت مولانا نانوتویؒ کا کسی ایک پر اظہار نہیں ۲۲۸ عامہ امور کی زندگی بذراستمرار ایک روحانی زندگی ہے ۲۲۶
اصل مبحث حیات البنی قائم ہونا ہے ۲۳۰ شہداء کرام کی زندگی بغیر قرآن ایک جسمانی زندگی ہے ۲۳۱

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کا بیان ۲۳۶
علامہ ابن الہادیؒ کا تحقیق افرز بیان ۲۳۷

۲۳۸ حیات اور موت دونوں کی اپنی اوارع ہیں ۲۳۸
۲۳۹ حیات انسانی کے پانچ انداز ۲۳۹

۲۴۱ قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے ۲۴۱
۲۴۲ علامہ تفتازانیؒ "حافظ ابن قیمؒ حافظ ابن حجرؒ { ۲۴۲ }
۲۴۲ علامہ ابن الہادیؒ اور علامہ آلوسیؒ کی شہادتیں

۲۴۲ حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں ۲۴۲
۲۴۳ ایک اہم سوال اور اس کا جواب ۲۴۳

۲۴۴ حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۲۴۴ یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟ ۲۴۴

حیات جسمانی

حیات کا عمل جسم ہی ہے

۱۔ شہداء کی جسمانی حیات

۲۔ پرندوں کی جسمانی حیات

۳۔ امتداد موت سو سال تک

۴۔ بستیوں کی زندگی آبادیوں سے

حیات برزخی

حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۲۴۴

- بل دفعہ اللہ الیہ رفع جماعی کے لیے ۳۴۵ غدا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟ ۳۵۸
- یُؤْتِرُ قُوْنَ کی دلالت حیات جماعی پر ۳۴۵ علامہ ابو عبد اللہ القرطبی کا بیان ۳۵۹
- روح کا دائرہ میر کرنے کے بعد بڑھ جاتا ہے ۳۴۶ شہداء کی حیات مختزلہ بھی مانتے ہیں ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مدینہ کا ایک مشاہدہ ۳۴۶ یرزقون۔ شہداء سے خاص نہیں ۳۵۹
- جبراطہر کی شان عالم برزخ میں ۳۴۸ صاحبزادہ ابراہیم کے لیے جنت میں خود دھڑلا نیوالی ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر معراج پر ایک بیان ۳۴۸ حضورؐ کا اگلے جہان کی غذا سے صوم وصال رکھنا ۳۶۰
- ارواح شہداء میں ملکہ تجدد ۳۵۱ آیت حیات شہداء کے تقاضے ۳۶۱
- ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکل میں ۳۵۱ اس میں حیات جماعی کا بیان ہے ۳۶۱
- دو بدنوں سے تعلق ہوا اس میں قتل ۳۵۲ آیت لا تنفذوا زمرہ کو قبر میں لے جانا ۳۶۲
- و نفقتا کوئی مانع شرعی نہیں۔ ۳۵۲ شہداء کی حیات روح و جسد سے ہے ۳۶۲
- شہداء کی تمنا دنیا میں لمٹنے کی ہوگی تاہم ۳۵۳ علامہ نسفیؒ کی شہادت ۳۶۳
- پھر ایک دفعہ لطف شہادت پائیں۔ ۳۵۳ علامہ سفارینیؒ کی شہادت ۳۶۴
- پرندوں کی شکل میں آنا آیت کی تفسیر ۳۵۴ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۳۶۴
- نہیں صرف ارواح کا تجدد ہے۔ ۳۵۴ علامہ آلوسیؒ کی شہادت ۳۶۶
- بائیں سہ روح کا تعلق کسی اور جسد ہو سکتا ہے ۳۵۵ روح کسی صورت میں تجدد ہو بائیں ہمہ ۳۶۶
- ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ نئی زندگی کا بیان؟ ۳۵۵ دینی جسد سے تعلق رہ سکتا ہے۔ ۳۶۶
- جہنمی سیاہ پرندوں کے قالب میں ۳۵۶ یرزخ سے پردہ اٹھنے کی مثالیں ۳۶۶
- شہداء سبز پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ شہداء اور انبیاء کو عالم مردہ کہنے کا انکار ۳۶۰
- کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ علامہ آلوسیؒ کا ایمان افروز بیان ۳۶۱
- امام اوزاعیؒ کا بیان ۳۵۸ ابدان برزخیہ کا اجسام اصلہ سے تعلق ۳۶۲
- علامہ نسفیؒ کا حوالہ بحر الکلام سے ۳۵۸ شہداء کے علاوہ رزق پانیا لے برزخی افراد ۳۶۳

یہ عام اہمات نہیں باہل میں مرتبہ ہے ۲۷۲ جب سب سرفے قبروں سے اٹھیں گے تو
 ۲۸۳ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہیں ۲۷۳ انبیاء کا حیدر ہو گا یا ان کا بے ہوشی سے افتاد ہو گا
 ۲۸۴ احادیث کی رو سے طبی موت پانیوالے شہداء ۲۷۴ صور موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا
 ۲۸۴ روق من عند اللہ ضروری نہیں کہ روحانی ہو ۲۷۴ الا من شاء اللہ کا استثنا۔

حیات شہداء کے شواہد

۲۸۵ پہلا اور دوسرا صفحہ
 ۲۸۵ حضرت موسیٰ کا خند سے پہلے ہوش میں آنا
 ۲۸۵ سب سے پہلے حضور سر مٹائیں گے
 ۲۸۶ حافظ ابن کثیر کی شہادت
 ۲۸۷ حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
 ۲۸۷ اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر دو دنوں سالم
 ۲۸۷ سید الشہداء حضرت حمزہ کا بدن سالم
 ۲۸۷ حضرت عبداللہ بن تائمر کا جسد تازہ غرن سے
 ۲۸۷ حضرت عمر کا قدم محفوظ دیکھا گیا
 ۲۸۷ حضرت عذیقہ اور حضرت عبداللہ بن جابر
 ۲۸۷ ۱۹۳۰ء کا واقعہ صدق ۱۹۳۲ء سے
 ۲۸۷ ماہنامہ تعلیم القرآن کی خبر ناقابل انکار صداقت
 ۲۸۷ ایک جرمن فلم ساز کمپنی کی کارروائی
 ۲۸۷ یہاں منارات سے کون سی قبریں ملا ہیں؟
 ۲۸۷ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی عظمتوں کے حق ہونے کا نشان
 ۲۸۷ طاعنین صحابہؓ مکن صورتوں میں اٹھائے جائیں گے
 ۲۸۷ جب صورتوں کا جائے اور انبیاء اٹھائے جائیں گے

۲۸۲ ۲- حضرت ابو بکر شہادت پلے کے بھی زندہ
 ۲۸۲ ہیں کیونکہ قرآن شہداء کو زندہ کہتا ہے۔
 ۲۸۲ حضرت ابو بکرؓ کو بھی مرتبہ شہادت ملا
 ۲۸۲ ۲- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ شہادت
 ۲۸۲ مسند حیات النبی کا تعارف

حیات بعد الوفات لیسہ الکائنات

اباب الاول و فیہ خمسہ فصول

الفصل الاول و فیہ حدیث اوس بن اوس {
فی حدیث اجساد الانبیاء

۳۹۷ قطعات روایت میں ربط مطالب ۳۹۸

صحابہ کا سوال اُمت اور حضور کا جواب {
۳۹۹ خط اجساد اسی جسد عنفری سے متعلق ہیں۔

منکرین حیات کی کثافت فکر ۴۰۰

منائید مزید من روایت ابی الدرداء ۴۰۱

روایت ابی الدرداء کی تصحیح کرنے والے ۴۰۲

حدیث الفصل الاول و فیہ ثلثہ من الحبش

مبحث اول در احوال روایات ۴۰۴

و توثیق رجال حدیث اوس بن اوس ۴۰۶

مبحث ثانی بتیس محدثین نے تصحیح کی ۴۰۷

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۰۸

مبحث ثالث حدیث کا مفہوم حیات النبی ۴۱۳

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۱۳

مبحث رابع حدیث ابی الدرداء ۴۲۲

و توثیق روایات

مبحث خامس تدقیق الکلام فی عرض {
۴۲۸ الصلوة والسلام علی سید الانام۔

۴۲۸ حضور پر درود برزخی کیفیت کے ارتقا تھا

۴۲۸ معراج کی رات دنیوی جسد اور برزخی نظارے

عام حالات میں بھی آپ نے اعمال امت {
۴۲۹ کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے۔

۴۲۹ حدیث عرض اعمال از روایت عبد اللہ بن مسعود

۴۲۰ حضور پر درود پیش کرنے کے خاص اوقات

۴۳۱ عرض صلوة و سلام دنیائے برزخ تک مسلسل

۴۳۱ رد اللہ علی روحی کا معنی رد اللہ علی لفظی

۴۳۲ طبرانی کی روایت الا بلغنی صلاتہ

۴۳۲ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث

۴۳۳ حضرت مولانا محمد منظر نعمانی کی شرح حدیث

۴۳۳ آٹھویں صدی کے محدث ابن الملقن کی شہادت

۴۳۳ نویں صدی کے محدث حافظ ابن حجر کی شہادت

۴۳۴ نویں صدی کے محدث حافظ سخاوی کی شہادت

۴۳۵ دسویں صدی کے محدث حافظ سیوطی کی شہادت

۴۳۵ گیارہویں صدی کے محدث علامہ خاکی کی شہادت

۴۳۶ بارہویں صدی کے محدث شاہ ولی اللہ کی شہادت

۴۳۶ تیرہویں صدی کے محدث مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شرح

۴۳۷ چودہویں صدی کے محدث سہارنپوری

۲۲۵ فاذا صرفت رھین رھس (مروات) ۲۲۵
 ۲۲۶ مولانا شہیدؒ کا عقیدہ خفہ جسد پاک ۲۲۶

الفصل الثانی و فیہ شہس احادیث

۲۲۷ حدیث ابی ہریرہؓ مامن لحد یسلم علی ۲۲۷
 ۲۲۸ مجتہد اعلیٰ چہ بنیادی سوالات ۲۲۸
 ۲۲۸ جہاں بدن الطہر ہے وہیں عرض سلام ہے ۲۲۸
 ۲۲۸ ایک روایت میں یسلم علی عند قبری کے الفاظ ۲۲۸
 ۲۲۹ علامہ زین الدین ابو بکر المرغیہ کی شہادت ۲۲۹
 ۲۲۹ علامہ غزنیؒ شارح جامع صغیر کی شہادت ۲۲۹
 ۲۲۹ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۲۲۹
 ۲۳۰ مجتہد ثانی در تحقیق روات حدیث ۲۳۰
 ۲۳۱ تصحیح محدثین دس حوالے ۲۳۱
 ۲۳۱ کیا زید بن عبد اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا زمانہ پایا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ کا جواب ۲۳۱
 ۲۳۲ مجتہد ثالث کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب ۲۳۲
 ۲۳۲ درود روز پیش ہوتا ہے یا صرف جمعہ کے دن ۲۳۲
 ۲۳۸ جلاء الافہام کی ایک حدیث میں تعجیف ۲۳۸
 ۲۳۸ بلغنی صلوٰۃ یا بلغنی صلوٰۃ ۲۳۸
 ۲۳۹ مجتہد رابع فی تصحیح المتقدمین ۲۳۹
 ۲۴۰ امام احمدؒ کی تصحیح امام ابو داؤدؒ کی تصحیح ۲۴۰

۲۲۷ علامہ عثمانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث کی تصدیق ۲۲۷
 ۲۲۸ دوسری صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ کا بیان کہ آپ کا جسد طہر عام ابدان سے مختلف تھا۔ ۲۲۸
 ۲۲۸ درود و سلام حضورؐ پر پیش ہونا اس پر ۲۲۸
 ۲۲۸ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۲۲۸
 ۲۲۸ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تعلیم درود ۲۲۸
 ۲۲۹ درود پہنچانے والے کا کمان الہی ۲۲۹
 ۲۳۰ حضرت ابوالدرداءؓ کی تصدیق ۲۳۰
 ۲۳۱ سیامین فی الارض کا دائرہ کار ۲۳۱
 ۲۳۱ محدث کبیر ملا علی قاریؒ کی شہادت ۲۳۱
 ۲۳۱ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۲۳۱
 ۲۳۱ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۳۱
 ۲۳۱ اس شبہے کا جواب کہ حدیث کے موقع پر ۲۳۱
 ۲۳۲ حضرت عثمانؓ کا درود آپ پر کیسے نہ آیا۔ ۲۳۲
 ۲۳۲ مجتہد سادس ۲۳۲
 ۲۳۲ التحقیق المفید فی الذب عن الشہید ۲۳۲
 ۲۳۲ ملنے کے متعدد معنی ۲۳۲
 ۲۳۲ ۱. ملحق ہونا۔ ۲. ایک ذات ہونا۔ ۳. دفن ہونا۔ ۲۳۲
 ۲۳۲ میں کبھی سے کے معنی میں (در اللغات) ۲۳۲
 ۲۳۵ حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے وضاحت ۲۳۵

فی تصحیح المتأخرین

۴۹۰

مبحث ثانی

۴۶۹

مولانا عبد الجبار غزنوی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ۴۹۰ حضرت موسیٰ سے ملاقات کوئی ایک واقعہ حال نہیں ۴۶۹

شیخ عبدالعزیز بن باز

۴۹۰

آپ نے معراج کی رات اپنے کو پوری
جماعت انبیاء میں دیکھا۔

۴۶۹

مبحث خامس فی معنی رد الروح

۴۹۱

رئیس المحدثین مولانا الدمشقی کی شرح حدیث ۴۹۱ معراج کے علامہ بھی بعض دوسرے انبیاء کو دیکھا ۴۶۹

محدث سہارنپوری مولانا خلیل احمد کی شرح حدیث

۴۹۲

مبحث ثالث

۴۷۰

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث

۴۹۳

انبیاء کا اجما و نصیریہ سے آسمان پر
جانا کیا قبروں کے کھلنے سے ہوا۔

۴۷۱

حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی کی شرح حدیث

۴۹۲

قبروں کے کھلنے کا وقت تو مومن قیامت ہے

۴۷۱

شرح حدیث ان لله ملئکت تسبیحین فی الارض

۴۹۴

قبروں سے کچھ وقت علیحدہ رہنے کا استبعاد

۴۷۱

۲ حضرت کا سماع عند القبر ایک یقینی

۴۹۵

انبیاء کی بیت المقدس حاضری کے لیے

۴۷۲

اور متفق علیہ مستحب ہے

۴۹۵

جواب عمل میں آئے معدود حافی تھے

۴۷۲

ملائے سجد کی دو جلی شہادتیں

۴۹۵

الفصل الثالث فیہ ترتیب من المباحث

۴۹۶

بیت المقدس کی ملاقات اگر ابدان مثالیہ سے ہو

۴۷۳

تو لازم نہیں کہ مومن کو قبر میں بدن مثالی سے دیکھا ہو

۴۷۳

حدیث صلوة موسیٰ فی القبر

۴۹۶

ارواح قدسیہ متماثل ہیں تو بھی حیات فی القبر کی نفی نہیں

۴۷۴

حضرت موسیٰ سے ملاقات کی قرآنی خبر

۴۹۶

مبحث رابع

۴۷۴

مبحث اول

۴۹۷

حدیث صلوة موسیٰ کے خلاف قرآن ہونے کا دعویٰ ۴۷۳

۴۷۳

معراج کی رات آپ حضرت موسیٰ سے مختلف

۴۹۷

دار العمل کے بعد جو عمل کی نفی ہے

۴۷۳

مقامات میں مختلف اوقات میں ملے تھے

۴۹۷

نفس عمل کی نہیں

۴۷۳

حافظ ابن حجر رحمہ کی شہادت

۴۹۷

حضرت علامہ قرطبی کی شہادت

۴۷۴

امام بیہقی رحمہ کی شہادت

۴۹۸

مولانا الدمشقی کی شہادت

۴۷۵

- قرآن کریم سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۲۸۲ حدیث لا ینبایہ احدی فی قبورہم یدخلون ۲۸۲
- امادیت سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۲۸۵ سب راویوں کا مشترک سلسلہ روایت ۲۸۲
- جنور کا آخرت میں امت کے لیے استغفار ۲۸۶ حافظ ابوالعلی الموصلی کا سلسلہ استناد ۲۸۶
- حضرت تھانیؒ کا ایک نہایت جامع تبصرہ ۲۸۷ مبحث اہل فی معنی الحدیث ۲۸۸
- مبحث خامس ۲۸۷ انبیاء کے لیے وہی پیرایہ حیات ہے جو ۲۸۸
- حدیث کی سند پر اعتراضات ۲۸۷ قرآن کریم میں شہداء کا پیرایہ حیات ہے ۲۸۸
- مراکبیل مجاہدہ بخود حجت ہیں ۲۸۸ الانبیاء سے اجساد و ارواح دونوں مراد ہیں ۲۸۹
- مبحث سادس ۲۸۸ حضرت مولانا اندرشاہ کی شہادت ۲۸۹
- وادئی ازرق یا لیلۃ الاسرار کے ۲۸۹ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت ۲۹۰
- مشاہدات حقیقی تھے یا مثالی؟ ۲۸۸ حضرت علامہ سمہودئیؒ کی شہادت ۲۹۰
- اصل سے مراد اصل ہی ہے جب ۲۸۹ ایک اور جہت سے معنی پر غور ۲۹۱
- تک قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ۲۸۹ جو حیات مقصد حیات کے خالی سپردہ موت ہے ۲۹۱
- ابدان مثالی کے قائلین پر ایک الزام ۲۸۰ اس معنی مفہم پر قرآن پاک کی شہادت ۲۹۱
- حافظ ابن حجرؒ نے دو احتمالات کو جگہ دی ہے ۲۸۸ روح اور جسد کی نسبت سے تین کیفیتیں ۲۹۲
- حافظ نے خود اصل تشریف آوری کو ترجیح دی ہے ۲۸۰ روضہ منورہ کی حیات تیسری قسم کی ہے ۲۹۳
- اللہ کی قدرت کا اقرار کرنے سے ۲۸۱ حضورؐ کی حیات قبریہ کے دو جزو ہیں ۲۹۴
- کوئی مشکل نہیں رہتی۔ ۲۸۱ ۱۔ صرف روح کی زندگی نہیں ۲۹۴
- ۲۔ اشتغال بالاعمال ۲۹۴
- حدیث صلوٰۃ بنی النضر مرسلہ پر زہد الربی کا حاشیہ ۲۸۳ حضرت مولانا اندرشاہؒ کی شہادت ۲۹۴
- عالم برزخ کے حقائق اور کیفیات ۲۸۳
- قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۹۵
- حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۲۹۶

- علامہ سندھیؒ کی شہادت ۴۹۷ مجتہد سادس فی معنی القبر ۵۲۷
- علامہ شعرانیؒ کی شہادت ۴۹۸ ایک غلطی کا ازالہ ۵۲۸
- ما فطر ابن حجرؒ کی شہادت ۴۹۸ ۶ شخصیت کے عہد میں قبر کے عام اطلاقات ۵۲۸
- علامہ بدرالدینؒ کی شہادت ۴۹۸ صحابہ ائمہ تابعینؒ کے ہاں لفظ قبر ۵۲۸
- مبحث ثانی فی احوال الرواة ۴۹۹ حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی { ۵۳۱
- حجاج بن الاسودؒ ۵۰۰ قبر پر نور کے شعلے۔ {
- کشف الستار من وجہ الککارہ ۵۰۱
- اس حدیث کا شاید موجود ہے ۵۰۲
- مبحث ثالث ۵۰۳
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی اپنی دعا ۵۰۴
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی قبر میں زندگی ۵۰۵
- مبحث رابع ۵۰۶
- جن اکابر علماء نے اس حدیث کو قبول کیا ۵۰۶
- حدیث پر تواتر کا دعوئے ۵۰۷
- حوالجات ۲۳ حوالے ۵۰۷
- مبحث خامس الکلام علی عالم المثال ۵۱۳
- چار جہاں بالترتیب عالم مثال متوازی ۵۱۴
- حضرت نے جنت اور جہنم کو متوازی صورت میں دیکھا ۵۱۴
- عالم مثال کے مختلف ادا دم (آدم) ۵۱۵
- حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاں { ۵۱۷
- عالم مثال کی حقیقت۔ { ۵۱۷
- حدیث ابن سیرینؒ من صلی علی عنقبری ۵۲۲
- مبحث اول فی معنی الحدیث ۵۲۲
- منزل مٹی کے فاصلے سے سُنا ۵۲۲
- آپ کو دنیا میں بھی حاصل تھا۔ { ۵۲۲
- قبر میں قریب سے سننے کی ایک اور روایت ۵۲۳
- آپ کا حضرت عیسیٰ کو قبر مبارک سے جواب دینا ۵۲۳
- طبرانیؒ کی روایت کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے ۵۲۳
- حدیث۔ زمین پر سیاحت کرنے والے { ۵۲۳
- مگر مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں۔ { ۵۲۳
- انبیاء کے سماج میں کسی کو اختلاف نہیں ۵۲۵
- اس سلسلہ سماج حقیقی بلا واسطہ ہے ۵۲۵
- حضرت ابن عمرؒ کی روایت بحوالہ شیخ عبدالحق ۵۲۶
- حضرت مولانا مغانویؒ کی شہادت ۵۲۶

المبحث الثانی

۵۲۸ تحقیق رواتہ سند ابی الشیخ

۵۲۲

فی بیان الشاہدین الحدیث

۵۲۸ مبحث رابع

۵۲۳

روایت عبداللہ بن مسعودؓ ان للہ ملئکتہ سیاحین ۵۲۸ جن علمائے اعلام نے اسے تسلیم کیا ہے ۵۲۵

دونوں سندیں سفیان ثوریؒ تک

۵۲۸ بارہ علمائے کبار

۵۲۶

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں؟ ۵۲۸ جو الحجات از بعض عبارات

۵۲۶

قبر مبارک پر کیونکہ وہ سیاحین فی الارض ہیں ۵۳۸ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ماقط ابن حجرؒ، حافظ سخاویؒ ۵۲۶

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال ۵۳۹ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ خفاجیؒ، المناویؒ ۵۵۰

دوسری سند کے راوی محمود بن یکیع بن الجراحؒ ۵۳۹ علاء علی قادیؒ، علامہ طحطاویؒ، قاضی شہار اللہؒ ۵۵۳

یہ حدیث کن کن کتابوں میں پائی جاتی ہے؟ ۵۴۰ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوہاب سنجیؒ ۵۵۴

کن کن محدثین نے اسے معتقد کہا ہے؟ ۵۴۰ مولانا عبدالحی کھنڈیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ ۵۵۴

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تواتر کا دعویٰ ۵۴۱ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ۵۵۵

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شرح حدیث ۵۴۱ حضرت مولانا مہتاز دینیؒ، مولانا عبدالغفور امرتسریؒ ۵۵۶

مبحث ثالث

۵۴۱ مبحث خامس

۵۵۷

تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی

۵۴۱ علامہ ابن عبد الہادیؒ کا اسے معنی قبل کرنا ۵۵۷

ابو الشیخ اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں

۵۴۱ امام بیہقیؒ اس روایت کو دوسرے شواہد

۵۵۹

ابو الشیخ کی سند جید ہے

۵۴۱ سے منکر کرتے ہیں رد نہیں کرتے۔

۵۵۹

بیہقی کا راوی ابو عبدالرحمن محمد بن مروان

۵۴۲ فروغ کے اختلاف اور اصول کے اختلاف

۵۶۰

منکرین کا رد حدیث کے لیے دوسرے پتیرے

۵۴۲ کی دو حیثیتیں۔

۵۶۰

یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے

۵۴۲ جید اور صحیح میں فرق

۵۶۱

کیا کسی امام نے اسے قرآن کے خلاف کہا ہے؟

۵۴۲ دھوئے غرابت اور اس کی وضاحت

۵۶۱

مغالطے کا ایک اور انداز

۵۴۲ صحیح بخاری میں غریب کے الفاظ

۵۶۲

- اختصاصات الوفات لیلۃ الکائنات ۵۸۳ حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد ۵۹۶
- تنوع موت پر پہلی شہادت ۵۸۳ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مسئلے کی تائید ۵۹۸
- تنوع موت پر دوسری شہادت ۵۸۴ حضرت عثمان غنیؓ کا اعتقاد ۵۹۹
- بنی کی نیند اور دو رسول کی نیند میں فرق ۵۸۵ مجاورت قبر سے مجاورت رسول کا دعویٰ ۵۹۹
- محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ کی شہادت ۵۸۶ لا احقاں یجاء رسول اللہؐ سواہ ۶۰۰
- اعتقاد الصدیقؓ لحیات الرقیق ۵۸۷ حضرت علی المرتضیٰؓ کا اعتقاد ۶۰۱
- جو موت ہو عود محض وہ واقع ہو چکی ۵۸۷ جوار قبر رسولؐ سے جوار رسالت کا دعویٰ ۶۰۲
- آپؐ پر دوسری موت آئندہ نہ آئے گی ۵۸۷ حضورؐ کے روضہ کے پاس بھی شور نہ ہو ۶۰۲
- مفہوم موتین کی تعیین ۵۸۷ ایک اعرابی کی حضورؐ کے روضہ پر حاضری ۶۰۲
- علامہ عینیؒ کا ایمان افروز بیان ۵۹۰ اور روضہ سے آواز نہ روایت حضرت علیؓ ۶۰۲
- قبر میں حیات اور پھر موت دونوں ہیں ۵۹۰ اہیت جلاء و قبر پر حاضری کو بھی شامل ہے ۶۰۲
- حافظ ابن حجرؒ کا تائیدی بیان ۵۹۰ اس حکم کے باقی ہونے پر علماء دیوبند کی شہادتیں ۶۰۳
- شارح بخاری علامہ نور الحق دہلویؒ کی شہادت ۵۹۱ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۶۰۵
- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۵۹۲ (تمتہ الفصل)
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عقیدہ حیات النبیؐ ۵۹۲ بیان عقیدہ ازام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ۶۰۶
- مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا عقیدہ ۵۹۳ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل ۶۱۱
- ان شارحین حدیث نے جو کچھ بیان کیا ہے ۵۹۳ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے صیغہ ہائے سلام ۶۱۲
- اسے اہلسنت کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے ۵۹۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۲
- اعتقاد الفاروقؓ الاظمؓ لیلۃ النبیؐ الخاتم ۵۹۵ درود و سلام کی ادایں اخلاف کا موقف ۶۱۴
- حضورؐ کی آواز سے اونچی آواز کرنے کا حکم ۵۹۵ حضرت ابو یوسف انصاریؒ کی ۶۱۴
- کیا وفات کے بعد بھی اس آیت پر عمل لازم ہے؟ ۵۹۶ روضہ اطہر پر حاضری۔

۶۲۳

درود و سلام کی ادا میں اجناٹ کا موقف ۶۱۴ ملا علی قاریؒ کی عبارت

الفصل الثالث

حضرت ابو الیوب انصاریؒ کی مدفنہ اطہر پر حاضری ۶۱۴

حضرت ابو الیوب انصاریؒ کی اپنی قبر کی کرامت ۶۱۴

۶۲۳

اکابر فرقہ اہل حدیث

الفصل الثانی فی بیان المذہب الرابع

۶۲۳

قاضی شرف الدین عینیؒ کی عبارات

۶۲۴

شیخ محمد بن عبد الوہاب سجدیؒ

مالکی مذہب کا بیان

۶۲۴

نواب صدیق حسن خاںؒ کی شہادت

امام مالکؒ اور خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کی گفتگو

۶۲۵

حضرت مولانا ندیر حسین دہلویؒ

امام مالکؒ کا قتل کے کہ دیارت قبر نہ کہے

۶۲۵

مولانا وحید الزمان حمید آبادیؒ

شافعیؒ مذہب کا بیان

۶۲۵

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ

طبقات شافعیہ کی عبارت

۶۲۶

مولانا اعجاز اللہ عقیق

علامہ یوسف اردوبیلیؒ کی عبارت

۶۲۶

مولانا فضل الرحمن سہری پوری

حنبل مذہب کا بیان

۶۲۶

مولانا شمس الحق ملتانی

علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت

۶۲۶

علامہ حسان الہی ظہیرؒ

علمائے سجد کی تصریحات

تتمۃ الفضل

۶۲۶

علمائے آل شیخ کا متفقہ عقیدہ

حنفی مذہب کا بیان

۶۲۶

سعودی سفیر عبدالحمید الخلیب کا قصیدہ

درسی کتاب نور الایضاح کی عبارت

سراقی الفلاح کا بیان سماع عند القبر

علامہ خطاویؒ کا بیان سماع عند القبر

علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت

علامہ ابن عابدینؒ کی عبارات

حضرت علامہ عینیؒ کی عبارت

الفصل الرابع فی موقف المتکلمین

۶۲۸

عقیدہ علامہ توربشتیؒ

۶۲۹

عقیدہ الاستاذ ابو منصور البغدادیؒ

۶۲۷ ① مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شہادت

تمتہ الفصل

۶۲۷ { حیات حب جمع علیہ عقیدہ ہے تو
انکار حیات فی القبر کن کا عقیدہ ہے؟ }

۶۲۷ علامہ عینیؒ کی شہادت

۶۲۷ حافظ ابن حجرؒ کی شہادت

الفصل السابع

۶۲۸ مبحث اول

۶۲۸ حیات فی القبر کا تحقیق

۶۲۹ { طریق حیات فی القبر خواہ اعادہ روح
سے ہو یا اشرف روح بر بدن سے }

۶۲۹ { اعادہ روح کی روایت اور
اس کی تصحیح کرنے والے ائمہ }

مبحث ثانی

۶۳۱ ردالاشتبہات فی تحقیق الروات

۶۳۲ زاذان کا سماع حضرت برادر سے

۶۳۵ مبحث ثالث

۶۳۵ اعادہ روح کے متعلق مشکبہین کا موقف

۶۳۶ تحقیق المقام - تین مسلک

۶۵۰ مبحث رابع

۶۲۸ اشاعرہ اور ماترید یہ کا متفقہ فیصلہ

۶۲۹ عقائد علمائے دیوبند اور المہند

الفصل الخامس

۶۳۰ شواہد الحیات من بیان الوقعات

۶۳۱ ① واقعہ حرہ

۶۳۰ مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیبؓ

۶۳۱ روضۃ الطہر سے اذان و تکبیر کی آواز

۶۳۱ قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

۶۳۲ مولانا نور شاہ صاحبؒ کا بیان

۶۳۲ ② واقعہ سلطان نور الدین زنگیؒ

تمتہ الفصل

شیخینؒ کو گتہ خفزی سے نکالنے کی سازش ۶۳۳

الفصل السادس

شہادات اجماع

① محدث سخاویؒ کی شہادت

② علامہ عینیؒ کی شہادت

③ علامہ محمد عابد ندویؒ کی شہادت

④ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

⑤ نزاب قلوب الدین صاحب دہلویؒ

اعادۂ روح اور انقبال روح میں موازنہ ۶۵۰ حضرت کے ہاں درودِ موت کا عقیدہ { ضروریات میں سے۔ ۶۶۱

الفصل الثامن

بعض دوسرے مقبرین کے اجساد کا محفوظ رہنا ۶۵۳ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶۶۳
سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی حیاتِ جہدی ۶۵۳ حیاتِ انبیؑ کے باعث منع دراشت ۶۶۳
عمرو بن العجمہؓ کی حیاتِ جہدی ۶۵۳ حدیث بغی اللہ عجیبینِ نفاق کی تصدیق ۶۶۳
حضرت حذیفہ بن یمانؓ ۶۵۴ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے سوال کے { جواب میں حضرت گنگوہیؒ کا پُر انوار جواب۔ ۶۶۵
حضرت جابر بن عبد اللہؓ ۶۵۴ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ۶۶۶
قاضی شوکانیؒ کی شہادت کہ حیاتِ شہداء { روح اور جسد دونوں سے متعلق ہے۔ ۶۵۴
روح اور جسد دونوں سے متعلق ہے۔ ۶۶۶

الباب الرابع وفيه فصلان

الفصل الأول

علمائے دیوبند میں المہند کی سرکزی حیثیت ۶۵۵ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۶۶۱
علمائے دیوبند میں المہند کی سرکزی حیثیت ۶۵۶ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۶۶۶
المہند لکھنؤ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ۶۵۶ مفتی اقدس حضرت مفتی کفایت اللہ دیوبندیؒ ۶۶۶
مسک دیوبند ایک واضح اور { شخصی صورت میں۔ ۶۵۶

الفصل الثاني

دس موجود اکابر دیوبند کا عقیدہ حیاتِ انبیؑ

مسند حیاتِ انبیؑ کا مدار صرف آبِ حیات نہیں ۶۵۸
دس مرحوم اکابر دیوبند کے عقائد ۶۵۹
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم الصلیقی نانوتویؒ ۶۵۹ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۶۸۱
حضرت کاہلک میت و انعم میتون پر ایمان ۶۶۱ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ۶۸۴

- حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قاصد ذریعے سلام بھیجا ۶۸۵
 ۵۔ مجددوم العلماء مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور ۷۰۷
 قریب سے سنتے نہیں تو ایسا کیوں تھا؟ ۶۸۹
 ۶۔ مولانا مفتی محمد صادق جامعہ عباسیہ بہاولپور ۷۰۷
 حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے {
 مسک میں کئی فرق نہ تھا۔ ۶۸۹
 ۷۔ استاد العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان ۷۰۷
 ۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادیس کاندھلوی لاہور ۷۰۷
 ۹۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر راولپنڈی ۷۰۷
 ۱۰۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبدالقدیر خواستی فانی پور ۷۰۷
 المہند میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے ۶۸۹
 اردو اشتہارات میں یہ سببیں لانا درست نہیں ۶۹۰
 ۳۔ محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۶۹۱
 ۴۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ۶۹۱
 ۵۔ مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن شاہ بھابھریؒ ۶۹۳
 ۶۔ خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی نصیر الدین غفرشتویؒ ۶۹۶
 ۷۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ۶۹۷
 ۸۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر راپوٹیؒ ۶۹۸
 ۹۔ جانشین حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۶۹۸
 مولانا عبدالغنی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ۶۹۸
 ۱۰۔ بنابر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنؤی ۶۹۹

مربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد
 دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۴۰۵ھ

- کیا رومہ میں دنیا کی سی زندگی ہے؟ ۷۱۰
 حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور {
 شیخ القرآن مولانا غلام الشراخ کا تصفیہ ۷۱۱
 ۷۱۲۔ عقیدہ حیات الانبیاء قرآن کریم میں
 ۷۱۳۔ پانچ آیتوں سے مسئلے کا ثبوت
 ۷۱۳۔ حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں
 ۱۔ الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون ۷۱۴
 ۲۔ حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۴
 ۳۔ رد اللہ علی روحی فاروق علیہ ۷۱۶
 ۴۔ حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۶
 ۵۔ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۷۱۷
 ۶۔ حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۸

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متفقہ اعلان

- ۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد رفیع بڑی کراچی ۷۰۷
 ۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۰۷
 ۳۔ اتاد الاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷
 ۴۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صدیقی مدرسہ ۷۰۷
 ۵۔ شیخ الحدیث مولانا محمد رفیع بڑی کراچی ۷۰۷
 ۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۰۷
 ۷۔ اتاد الاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷
 ۸۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صدیقی مدرسہ ۷۰۷

۵. فہمشفکۃ سیاحین فی الارض ۴۲۰ بزرگان دیوبند اور اقرار اجماع ۴۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۲۰ اصحابِ طواہر کا اقرار اجماع ۴۴۲
۵. من صلی علی عند قبری سمعته ۴۲۱ قیاس صحیح اور حیات الانبیاء ۴۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۲۱ منکرین حیات کس فرقے کے لوگ ہیں؟ ۴۴۴
۱. مسئلہ حیات النبی اور محدثین غلام ۴۲۳ منکرین حیات کے پیچھے نماز پڑھنا ۴۴۵
۲. مسئلہ حیات النبی اور مشکلیں کرام ۴۲۸ حضور کے روضہ پر حاضری کی تاکید ۴۴۵
۳. مسئلہ حیات النبی اور فقہاء اسلام ۴۲۹ زیارۃ روضہ اطہر احادیث کی روشنی میں ۴۴۶
۱. محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۳۰ زیارۃ روضہ اطہر پر فقہاء کی تصریحات ۴۴۶
۲. تسکین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۳۳ منکرین عذاب قبر کا شرعی حکم ۴۵۰
- انبیاء کی نسبت موت کا اعتقاد ۴۲۵ { شفاعت، رویت باری کرام کا تبیین اور عذاب قبر کے منکرین کا ایک حکم ۴۵۰ }
- بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا محقق ۴۲۵
۳. فقہاء دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۳۵ زیارۃ روضہ اقدس پر اجماع امت ۴۴۹
- حیات انبیاء کرام اور اصحابِ طواہر ۴۳۴ منکرین حیات اہل سنت سے خارج ۴۴۶
- شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ۴۳۹ صاحب خلافت الفتاویٰ کی تصریح ۴۵۰
- اجماع امت اور مسئلہ حیات الانبیاء ۴۴۱ حافظ ابن ہمام کی شہادت ۴۵۱
- علامہ سخاوی کی شہادت ۴۴۱ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ۴۵۱
- علامہ سندھی کی شہادت ۴۴۱ علامہ قرطبی کی شہادت ۴۵۱
- شیخ عبدالحق کی شہادت ۴۴۴ علامہ سلمیٰ کی شہادت ۴۵۲
- قواب قطب الدین کی شہادت ۴۴۲ بحر العلوم عبدالحق کی شہادت ۴۵۲
- علامہ داؤد بغدادی کی شہادت ۴۴۲

مخدوم العلماء جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب

کامؤلف مقام حیات نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید محمد کلم السامی

سلام سنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ ”مقام حیات“ جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حقائقاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے طرز بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت و ارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۳۸۱ھ

منقول از ہفت روزہ دولت لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

سماتہ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کا فتویٰ

”نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت
کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور
دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے۔“

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا،
جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر ٹوٹا دیتا ہے یہاں تک
کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں
لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیمسک الّتی قضیٰ علیہا الموت کا مطلب یہ ہے کہ موت والے
کی روح اس دنیا میں اُس کے بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے
ٹوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے روکی
ہوتی ہے۔ شیخ عبد اللہ بن باز حنوز صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:-
اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیات برزخی کے
لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں۔

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضورؐ پر وفات آئی اور اِنَّکَ میتٌ وَاَنْھُمُ مَّیْتُوْنَ
کا وہ مدہ پورا ہوا۔ لیکن اس اہمیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے
عقیدہ حیات النبی کو رد کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیات شہداء
پر نفی وارد نہ ہوتی۔

تعارف و اعتذار

اس نازک دور میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔ تن آسانیاں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ — ضرورت تھی کہ احترام دین اور فکر آخرت رکھنے والا طبقہ — جسے کہ عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے، — اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد — دین و ملت کے اصلی مسائل کے تحفظ پر لگا دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترام دین کے احساس میں مشترک تھے، تفصیل فکر و عمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور یہ

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہر ادینے لگے

لادینیت کا محاذ

مالی قدروں اور حسی لذتوں کا آمیزہ — اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنا رہا ہے — زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں — مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا — تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے یہ

ہنوز وہی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسالک عمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظام وسعت اور ایک ہی جسمہ عمل کے مختلف کنارے تھے۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی پلا ریب نزاع لفظی کی حدود سے مجاوزہ نہیں لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ مقزله اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آگئے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تہہ ہوا میں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر روز دہندہ و حساس مسلمان کا دل ٹپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیے۔

یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض اُداب میں خودِ شریعت ہی مختلف طریقِ عمل پیش کر کے اسلام کے نظامِ وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن ہمارے عقیدے اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے نا جانہ فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائلِ متفقہ میں بھی کیرے بکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو، اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اُشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اُس سے پہلے کبھی عسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدِ باب کے لیے جملہ عواملِ بُروئے کار لائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا تدوینِ جذر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدتِ ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیشِ رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت — پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اُسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساسِ ملی کا یہ چشمہ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہ آباد رو کہ اس جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است
(اقبال)

اسلام کا عقیدہ معاد — دین محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع الثرب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ الثرب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سننا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت بھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ انس کے لوح قلب پر ملا۔ اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ اسر و گجہ ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اُسے

(حشر جہاد) بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری

Resurrection

کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے۔ مسئلہ اللہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت، اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ التوحید والرسالة والآخرۃ۔ ایمان مجمل میں اللہ تعالیٰ فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے :-

هذه اهل الـكن الحماص من اركان الایمان وهو الایمان بالیوم الآخر و جمہور

بنی آدم یؤمنون بالبعث بعد الموت وقد دل منه علی ذلك العقل والفطرة

كما صرح به جمیع الكتب السماویة وفادحی به الانبیاء والمرسلون

والناس فی البرزخ یفتنون ویؤمنون او یعذبون علی ذلك۔

ترجمہ۔ ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف ہتھائی کرتے ہیں تمام آسمانی کتابوں میں اسکی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آ رہے ہیں اور لوگ بزرخ میں (اس دنیائی زندگی میں) آگ آتش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

ہو لوگ منکرین مذہب atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی۔ وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے۔

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا۔ وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہاں spiritual world ہے مرنے پر بدن کی ریڑگاری اس جہاں سے متعلق ہے، روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے بدلہ ہے میں اس کی بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوگا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا۔ قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے۔
سوال یہ تھا:-

قال من یحیی العظام وہی رمیم۔ (پہلیں آیت ۷۸)

ترجمہ۔ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں۔

جواب میں فرمایا:-

قل یمیہا الذی انشاہا اول مرة وہو بکل خلق علیم۔ (پہلیں آیت ۷۹)

قبر منورہ کی اس حیاتِ جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے۔ حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبار تعلق بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزقِ حیاتِ روحانی ہو۔ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاہم یہ سچ کے مختلف ادوار میں، جس نے بھی اس سلسلہِ خامہ پر فرمائی کی، اُسے اس متواتر نظریے کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ احناف و شوافع، مالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدٰی میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی — باوجود تلاش و جستجو کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب اطہر روضہ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں — من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیتین سے لاکر پھر آپ کے جب اطہر میں لوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفات شریفہ کے وقت روح مبارک قبض ہو کر آپ کے قلب منورہ ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعد دفن پھر سارے جب اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضہ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روح کوٹانے سے قائم ہوئی، یا روح پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا — ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت وصولِ حیات کیا تھی، امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضہ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس نے اعلیٰ علیتین، رفیقِ اعلیٰ یا خلیفہ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضہ منورہ میں پڑے ہوئے جب اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جب اطہر میں حیات کوٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ روح اقدس اس خلیفہ قدسیہ یا اعلیٰ علیتین سے تعلق قائم کر کے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جب اطہر میں لوٹا دی گئی۔ یعنی روضہ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روح مبارک کوٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیر روح سے اس کا تقوّم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

ضرورت نہیں کہ اس دُورِ حیات کی کیفیت کیا تھی، ضرورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر ضرورت میں قدرِ مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں حیاتِ جہانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ عبد اطہر وہی ہے جو اس دُنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ قبرِ مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حد وہی رہتی کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روضہ شریف کی حیات ————— کا تقمُّم جبہ اطہر میں روحِ مبارک دوبارہ کوٹانے سے ہوا یا روحِ مبارک پھیلانے سے ————— آپ کی یہ حیاتِ جہانی دُورِ حیات سے قائم ہوئی یا یہ حیاتِ تاثیرِ روح سے عمل میں آئی ————— تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز جو اختلافاتِ عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے مہل، اُن پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں۔ ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دُنیا والے جبہ اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جہانی حیات ہے اور اُس کا مدار اس دُنیا کے برزخِ مادی پر نہیں، بلکہ عالمِ برزخ کے برزخِ روحانی پر ہے۔ دُنیوی حیات کے صرف اپنی کدِ لازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیلِ شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ اختلافِ دَرائِن متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دُنیا میں نہیں عالمِ برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو ٹکڑے و تنقید اور سبوت و تحمیس کی آماجگاہ بنالیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں ————— جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا غمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ————— وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی چکار اور ہر تردّد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی لٹکار رہا ہے۔

حیاتِ النبی کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیاتِ النبی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبارِ عالمِ برزخی کہنے والے بھی تھے۔ باعتبارِ جہدِ برزخ میں حیاتِ دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالمِ برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیاتِ حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبارِ رزق اُسے حیاتِ قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیاتِ روحانی کہنے والے بھی تھے۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سو اسے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیاتِ النبی کا سب میں اقرار ہے اور معنی یہ سب عنوانِ متقارب ہیں۔

اگر اختلافِ اپنی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیقِ مسئلہ کی بجائے تشغیبِ عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوانِ فریقین کے جدا جدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں۔ پھر کیا ہوا — شرافتِ سرپرست کو رہ گئی۔

اس پر تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خیمہ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔

ذرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دُنیا میں زندہ ہیں؟ — دُنوی جہد کی زندگی میں کیا عالمِ برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریریں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لیے مٹایا بات کو بڑھانے کے لیے تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی جدا جدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے۔ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہی انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کر اسے سلجایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گر جرنالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔
یہ بعد الوفاۃ حیاتہ الہی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احياء طعن لا تشعرونہ سے بطور دلالتہ النص سمجھیں آتا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں بلکہ

عزیزان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے کہ

اس میں وفات کو پُرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں

آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات الہی آج سے چودہ سو سال پہلے

کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا۔ سو

ممات الہی کا اختلاف محض ایک پُرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات الہی ہے ممات الہی نہیں

برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرو

لیکن خدا را ممات الہی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پُرانا واقعہ ہے، اس وقت آپ کے میت مہنے

کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے

ممات الہی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مہماتی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل

ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفاۃ زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور ممات الہی کو موضوع نہ بنائیں

تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم

انکار نہیں کرتے، اُسے تقریباً ۱۷۰۰ سال کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اُسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر اٹک میت و ائمہ میتوں سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضورؐ اس وقت میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضورؐ کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا، کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا — پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں — پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ — تو یہ کبھی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے۔ یہ وہ باعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سویہ صحیح ہے کہ یہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا، لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہداء اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہی اجداد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تضاد نہیں۔ سو اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدوناتِ مرکبہ میں تاویلات رکیکہ، تفسیر روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعد محمد ثمین سے استہزاء، شارحین حدیث و فقہاء اور سلف صالحین سے اعتماد اٹھنے کے صدے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی نہایت خطرناک مہم کو، محض اس لیے کہ ابتدائی سطح امورِ جہتہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں — یونہی چلنے دیا جائے۔

حیاتِ البنی کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا، تو اس شخمِ خنقل کے برگ و بار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آئے۔ راہِ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہل باطل کا کمونِ نشان ہے کہ کسی بات پر مجتہد نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمادی کا انگار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے جس و شعور پڑا ہے اور فقط جمادی حثیت میں ہے، روحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب و عقاب کا سارا معاملہ صرف روح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب و عقاب کا معاملہ صرف روح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت و اَلَم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی اُرداح، وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سچین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، اُن کا تعلق اجساد مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت و اَلَم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دُنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح و بدن میں کُلّی مفارقت رہتی ہے؟ یا روح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں اَلَم یا لذت کا ادراک کر سکے؟

اَدَل الذکر نظریہ معتزلہ و روافض کا ہے وہ عذابِ قبر کے قائل نہیں، اُن کے نزدیک جسد مدفون محض جمادی حثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ و الجماعۃ کا ہے۔ فرقہ گرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ میں تو محض جمادی حثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا موقف ایک وہم اور سفسطہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن و سنت کے چٹھے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في

له وجوز بعضهم تعذيب غير المحي ولا شك انه مفسطة (خیالی مثلاً) لان الجماد لا حق له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی)۔

القدر ما يتلذذ. (شرح فقہ اکبر ص ۳۱)

ترجمہ۔ جان لیجئے، سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ لذت و الم کا ادراک کرتی رہے۔
ایوبی علی الغیالی میں ہے:-

ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول الميت حق فی قبره فیعذب و
هذا مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد لا یعذب ولا یدرك
العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث انه جماد
یعذب۔

ترجمہ۔ اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ ۱۔ میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب
قبر برحق ہے، یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ ۲۔ میت قبر میں جماد
محض ہے، پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔
۳۔ میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب
کرامیہ کا ہے)۔

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام
کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روح منہ مطہرہ
میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیات جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجساد
دنوی کا تحفظ بھی اسی لیے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اُسی طرح روح منہ مطہرہ آپ کی حیات بھی اپنی رفعت و
شان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذ نمازیں بھی
پڑھتے ہیں اور روح منورہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو بھی سُنّتے ہیں۔

جہدِ اطہر اور روحِ انور میں کئی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب ہریت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، ایک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جہدِ مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت و انعم کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے اجسادِ مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں ان کے مقامات کے مطابق ادوارِ مظہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کئی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کئی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ اُن کے اجسادِ مدفونہ صرف اکرانہ محفوظ ہیں؟ ادوارِ مظہرہ سے انہیں کئی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کئی ہی کے قابل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا، کہ یہ مذہبِ اہل سنت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کیے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام اس کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہدِ اطہر کو مدفعہ منورہ میں محض بے جس و بے شعور اور جہادِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اُس پر اس اصل کئی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح و بدن میں کوئی تعلق نہیں رہتا، کئی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظریہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہل سنت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریاتِ اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اس کا قابل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتاویل قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں۔
اشہد ان محمداً عبداً ورسولہ۔

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کے کہتے ہیں، روح اور بدن کے مجموعہ کو — سبحن الذی اسریٰ بعبدہ میں اللہ تعالیٰ نے سیر معراج کے کرائی؟ عبدہ کو — اسریٰ کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے — علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراجِ جہانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ — صرف روح کہ عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کہ رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں، ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح و بدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ و رسولہ ہیں۔ حضورؐ کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں ہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اُسی بدن اطہر میں ہے۔ جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضہ مبارکہ میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پر دے میں ہو، لیکن آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جہانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہو گا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی عبدہ و رسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جہد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے رہے نہ رسول — رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے

کچھ اعمال رسالت بھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس
ماضی بھی ہوتی رہے گا درمیان میں برحق کا پردہ ہو، مگر سلام امت آپ پر ضرور پیش ہوتا رہے۔

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول
ہیں آپ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کہ کسی
سے علاوہ نہیں۔ اس عقیدے کے لیے ضروری تھا کہ وہ روضۂ اطہر میں دفن جسدِ اطہر کو بے جان کہیں۔
اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لیے انہوں نے روضہ منورہ کی حیاتِ جماعی کو تختہ مشق بنایا، اور
احادیث کی کیمز کذیب کر دی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لیے شعور لازم ہے علم و احساس کے بغیر اس کا تقوم نہیں۔ نبی سے نیند کی حالت
میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں، اسے کبھی احتلام نہیں
ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا انتخاب ہوگا نبوت منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی
تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پردہ قبر میں گئے تو وہاں جسدِ اطہر
جماد محض ہے، صرف اکراما محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حزم (۵۴۵ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف روح کے فذاب کا قائل
ہے انبیاء کے جسدِ اطہر کو وہ بھی جماد محض نہیں مانتا۔ ایسا کہنے کو وہ ایک غیث عقیدہ کہتا ہے۔ اس کی
وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدنِ اطہر سے کلیتہً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول
ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ابن حزم لکھتا ہے سرخی لا خطہ ہو۔

الرحمۃ علی من دعی ان الانبیاء علیہم السلام لیسوا انبیاء الیوم ولا الرسول الیوم رسلاً

حدیث خرقہ جبتہ عنہ عن محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم لیس صوالہن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن رسول اللہ وسلم وھذا قول ذھب الیہ الاشعریۃ

واخبرنی سلیمان بن خلف الباجی: هو من متقدميهم اليوم ابن محمد بن حسن بن فورك الإصبهانی
 علی هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبکتگین صاحب علاون وراء النهر من خراسان
 وهذه مقالة خبيثة مخالفة لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم ولما اجمع عليه جميع
 اهل الاسلام هذا كان الاسلام الى يوم القيمة... فروح النبي عندهم قد فنيت وبطلت
 ولا روح له الآن عند الله تعالى واما جسده ففي قبره مات فبطلت نبوته بذلك و
 رسالته قال ابو محمد ونعوذ بالله من هذا القول فانه كفر صراح لا ترد اذ فيه
 ترجمہ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے ایک نیا فرقہ پیدا ہوا
 ہے جبریدہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نہیں رہے وہ رسول اللہ تھے اور مجھے سلیمان بن خلف الباجی نے جو ان لوگوں
 کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورك کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود
 بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس
 فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک روضہ اطہر میں مُردہ ہے لہذا
 اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت جاتی رہی۔

روضہ مُردہ میں حیاتِ جمادی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے اب آپ کی نبوت
 اس عالم میں صرف اب محکی طور پر باقی ہے بدن صرف کرنا محفوظ ہے اس کا مطلب اس کو
 کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی خوشبو
 اور پسینہ بدن کی سی تازگی کہاں سے آ رہی ہے اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور
 کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ غنیف سا اظہار ہے مرنے باقی سارے مراحلِ بدن
 کے پڑے میں ہیں ہڈیاں ہیں ہے کہ آپ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ
 پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں:-

آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی۔ روح مبارک حسب کلام آخری اللہم الرفیق الاعلیٰ رفیق الاعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا، آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن قدامت نہیں اڑ جاتا، کچھ عرصے تک دم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے باوجود کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تا دفن تسویمانہ رہا۔ معظم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے بدن میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دُنویٰ نرمی ابھی باقی ہو کہ روح بدن میں پھر اس بدن پر پتہ تو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہوگا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جہدِ اطہر کے فائز الحیات ہونے کا اقرار کر لے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیقِ اعلیٰ میں، لیکن اس کے انصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کرامت کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔ قاضی شمس الدین لکھتے ہیں:-

اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس) زندگی میں بھی بنی حقیقی ہیں اور بعد الوفا (زندگی میں) بھی بنی حقیقی ہیں ابدالاً بآباد کے لیے اور

اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ محکی یا مجازی ہوں۔
 کرامتیں نے جب عبد اطہر کو حجام محض کہا، بدن کو صرف محفوظ کہا نرم و نازک نہ مانا تو انہوں نے بربط
 کہا کہ حنفیہ اب حقیقی رسول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) نے ڈٹ کر کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اب بھی حقیقۂ رسول ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبد الرحمن المشہر بابی عذہ فرماتے ہیں:-
 قال ابو حنیفۃ انہ رسول الامن حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا۔
 ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامتہ
 والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔
 جب آپ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائیے رسول کہاں رہے۔ یہ کرامتہ کی بناء
 استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابو الحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ
 اور کرامتہ کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا۔ ————— ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس
 طرح بیان کیا گیا ہے:-

هو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما
 یبقی وصف الایمان للثؤمن بعد موتہ وذلک الوصف باق بالروح و
 الجسد معاً لان الجسد لا تاكله الارض..... انہ صلی اللہ علیہ و
 سلم حتی خضعہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً۔

ترجمہ۔ حضور اکرم اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
 پر قائم ہیں جیسا کہ مؤمن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے

اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور خبید انور کے
مجموعہ کے ساتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔
کرامیہ نے وراثۃ النبیؐ پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی
کو تختہ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیاتِ النبیؐ کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل
بنایا بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدہ باطل کو امام اہل سنت امام ابو الحسن (۳۲۴ھ) کی طرف
بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابو الحسن الاشعریؒ کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسول نہیں رہے
نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں کہیں نہ جم سکی۔ اُن کے ساتھ امام ابو المنصور الماتریدیؒ
(۳۴۴ھ) عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) ملتفت
عقائد کی سرحد پر اکھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا
تحفظ کر لیا تھا۔

پونہنی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبد اللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھلے طور پر آگئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حاکم بن خرمؒ
(۳۵۸ھ) لکھتے ہیں:-

حدث فرقه مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله ليس هو الان رسول الله
ولكنه كان

ترجمہ:- ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب
رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزمؒ کہتا ہے محمد بن حسن بن فورك ایلانی

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود (۵۷۰ھ) بن سبکتگین (۶۲۱ھ) نے اُسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف آئے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن حنبل، البیہقی (۴۵۸ھ) کا چرچا تھا۔ امام ابو القاسم الکریم القشیری (۴۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیات الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۴۵۸ھ) گو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعہ کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضور اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور کا جسد مبارک روضہ اطہر پر مردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لیے قبرٹ بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابو الحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے ستھاشی کر چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام مد بین کذب المنقری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی عبت تمام کر دی۔ علامہ ابو القاسم عبد الکریم القشیری نے شکایۃ اہل السنۃ بما ناہم من اہل الحقۃ لکھی۔ علامہ بیہقی نے ایک مستقل رسالہ ”حیات الانبیاء“ لکھا اور اہل حق اس وقت سے کہ اب تک ان کرامیہ کی پزیرہ تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر رہے ہیں حیات النبی کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے اُسے خواہ

مخاہ اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ حیات النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی القباس کے مُرتکب کیوں ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک ترویج دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۸۵۲) لکھتے ہیں:-

ان بعض الکرامیۃ وبعض المتصوفۃ نقل عنهم اباحۃ الوضع فی
التغییب والترہیب وهو خطأ من فاعله نساء عن جہل^۱

ترجمہ۔ بے شک بعض کرامیہ سے اور بعض غلط تدعیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

المتراد باعتبار حل الکذب هو اعتقاد حله لمصلحة دینہ وترویج مذهبہ^۲۔

ترجمہ۔ جھوٹ حلال ہونے سے اُن کی مراد یہی ہے کہ اپنے (منزوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو اسے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف اداؤں اور قبائوں میں ہوتا رہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

①۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کئی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض جمادی حقیثیت میں برتے ہیں۔ عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن بر نہیں۔

②۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر و روحہ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور

۱۔ شرح منجۃ الکرام ص ۵۵۔ ۲۔ فرقہ من المشبہۃ نسبت الی عبد اللہ بن کرام و یدعون زیادۃ الورع والتقویٰ والمعرفۃ التامۃ و راجع لہ شرح الشرح لعلی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری۔ ۳۔ شرح منجۃ الکرام ص ۵۵

ہے اور رُوحِ مبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

③ — اپنے مُسک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی تردیدِ سچ کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔ جھوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

④ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف مکمل باقی ہے۔ آپ خود اب نبی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

⑤ — کلمہ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سُلطانِ طغرل بیگ سلجوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فقہ پرور شخص گُزرا ہے، اُس کا نام بکندی تھا۔ وہ لطائفِ انجیل سے سلجوقی دہار میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا اُس کے عقائدِ اعتزال و رُفص کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفاتِ ابنی اور حیدرِ مجاہدی کی تہمید سے انتفا کے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضور کا حیدرِ اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اُسے انْعزالِ نبوت کے لیے کہ حضورِ وقاب شریفہ کے بعد اب حقیقتہً رسول نہیں رہے، ایک سیرِ صی بنایا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریے کو امام ابو الحسن اشعری کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دُور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی کا انکار اس لیے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اُس کے رُفص کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح و بدن کی کئی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو

جاتا تھا، سو اس سے اُس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور رسول نہیں رہے، دراصل جہود و کلمہ محمد رسول اللہ ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالا جماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لیے صحیح اقرار و رسالت ہے۔

انکارِ حیاتِ قبر یہ اور اعتزالِ نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلتے لگے کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذر تادیلات ہوتی ہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابرِ اہل سنت نے ان نظریات پر نیکر کی اور امام اہل سنت امام ابو الحسن اشعریؒ پر جو افتراءات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۵۸۴ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکبیر القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مغایرہ جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں بمعاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقتِ حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے رسالہ ”حیات الانبیاء“ لکھا، اور علامہ قشیریؒ نے شکایۃ اہل السنۃ بمعانہا لہم من المحنة میں ان افتراءات کے خلاف مدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب ”تبیین کذب المنقری“ اور طبقات الشافعیہ، زیر ترجمہ امام ابو الحسن اشعریؒ ملاحظہ کیجئے علامہ تقي الدين سبکی لکھتے ہیں:-

فان قيل فمن اين وقعت هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض الكرامية ملأ الله تعالى قبره ناراً وظنى ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا.....

ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آگیا،

تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامتہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھر دیا۔
اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا۔
اہم حدیث کے اس جلال اور زامانگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے اس کے بغیر اپنا عقیدہ
آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض
علیہ اعمال الامم ویبلغ الصلوة والسلام علی ما بیننا۔^۱

ترجمہ کیونکہ ہمارے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم
رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلاۃ و سلام
جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔
پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے:-

ان عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورهم فاین الموت الی ان قال
وصنف الیهقی "جزؤا سمعناه فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واشتد نکیوا لاشاعرہ
علی من نسب هذا القول الی الشیخ۔^۲

ترجمہ ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں متہ کہاں۔
اسلام بہیقی (۳۵۸ ص) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں
زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت ایشخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے
قبور میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نیکر کیا ہے۔
حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:-

فاما ما حکى عنه (راى الاشعري) وعن اصحابه انهم يقولون ان محمدا

صلی اللہ علیہ وسلم لیس بنی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فہتآن عظیم

وكتب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة
ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محتمل
صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ۔

ترجمہ۔ ہاں، جو امام ابو الحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے
کہ اُن کے نزدیک حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں بنی اور رسول
نہیں رہے۔ یہ محض جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے، اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا
نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سُنی گئی اور نہ اُن کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا
ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اُن کے ہاں حضور اکرمؐ اپنے روحہ الطہر
میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:-

واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار
ثبوت ما بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب اصحابه
خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام
احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيريؒ
ترجمہ۔ امام اہل سنت امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے
لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض
افتراء اور بہتان ہے۔ اُن کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے
خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ اُن کے دشمنوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق
یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور امام ابو الحسن اشعریؒ پر اس
افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابو القاسم القشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے

لشکایۃ اہل السنۃ۔ رسائل قشیریہ منطبعة طبقات جلد ۱ ص ۲۹۹ شامی جلد ۳ ص ۳۶۶ باب المنعم۔

ان نسبت الخلاف في هذه المسئلة الى الشيخ ابى الحسن الاشعريؒ نہادو
 بہتان اٹما وقع بسبب ان بعض الکرامیہ ان الاشعريؒ واصحابہ
 قائلون بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حتی یحس ویعلم ۛ
 ترجمہ۔ امام ابو الحسن الاشعريؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء ۛ
 بہتان ہے اور اس کا سبب کلامیہ تھے۔ امام اشعريؒ اور ان کے سب اصحاب تو
 اسی بات کے قائل ہیں کہ حضورؐ انہ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس
 بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور خود فرمائیے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ
 اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر حلال میں نہ آجاتے۔ حیات النبیؐ کا انکار دراصل بہت سے فتن
 و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ
 ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بدر الامالی میں ہے :-

وان الانبیاء لفی امان عن العصیان قصداً وانزال

ترجمہ۔ اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے
 بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت باقی رہے
 امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

المعنی ان الانبیاء لفی امان عن الغزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شاح
 الطواع ذیہ اجماع الامۃ ۛ

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر کہ مرتبہ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے
 ماسون امن میں، کیا گیا۔ شرح طواع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

ۛ اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں۔ یہ نسبت کلامیہ علیٰ آری ہے۔ ولایت باؤل
 قادوۃ کسرت فی الاسلام۔ ۛ الردۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرة الماتریدیہ ۛ ۛ مطبع مجتبائی۔

الغرض، یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجا بر رسولِ امتقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلکِ اہل سنت، ازالہ اوہامِ کرامیت، حقیقتِ عذابِ القبر، احترامِ اجماعِ اہمیت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور ضرورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مُبادِ ارہ گم کردہ قافلہ مسلکِ اہل سنت ہی کو مُلتبس کر دے اور جو ہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرّد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہل تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان، راہ گم کردہ دوستوں کے لیے منزل کا نشان اور اہل یقین کے لیے دُستورِ دہان ثابت ہو۔



مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن و سنت اسلامی فکر و نظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوطی بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ مخاطب اور کچھ قرآن کی وضاحت چاہے، اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی انکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسوا، اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آتی اور اسی نظریات کی تفصیل ہوتی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی:-

ان خاصموا بالقرآن فخاصمهم بالسنة — کنز العمال

سیاقی قوم یجادونک فخذوہم بالسنة فان احصاب السنن اعلى و کتاب اللہ

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا کہ یہاں ارشاد باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی، بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں غلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا طریق واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنت پیغمبر اور تشریحات سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کرلو۔ قرآن پاک کو اس کی پوری عظمت علمی سے سمجھنے والے ارباب

خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے۔ انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکارِ حدیث کی اگر جرات نہ ہو تو عوامی سطح پر اُسے قرآن سے نکلے دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کوئی ہے جو اُسے اُسکے عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحبت روایت اس نیکو اور تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔ عظمتِ قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے پڑاتے فتنوں کو کم کرنے کے پر وگرام کے ساتھ۔ نیت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے بقت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سڑکوں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزرے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے مجملہ اصول قرآنِ کریم میں منصوص ہیں ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے، اصولی مسائل کو مستثنیٰ کر کے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی حضرت علیؑ کے پورے ہمنوا ہیں اور یہی مجملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

كان عندهم انه اذا وجد في المسئلة قران ناطق فلا يجوز التحول منه الى

غيره واذا كان القرآن متحملاً لوجه فالسنة قاضية عليه

ترجمہ: اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق ہو جو وہ تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآنِ کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لیے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ

ہوتا ہے۔ خاصہ یہ کہ جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر ساکنا نہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن برابر کے منظر جب حق و باطل کے تصفیے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ راست آسمان بات پر آتا ہے جس میں دوسرے شخص عوام کو نہ مقابلہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصیبت تھی جو حضرت علی المرتضیٰ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کاخذ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہرو مقابل کا منہ بند کرنے کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے ایسے موقع پر ہر بات وہ کہہ کر جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنیع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے معاملے میں ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن اُن کے دلوں میں نہ اترے گا۔ اس لیے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔

خوارج جن سے یہ منظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکور نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يُخْرِجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَحْقِرُونَ صَلَواتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمُرُّ قَوْمٌ مِنَ الدِّينِ كَمُرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الْقَوْمِ ۖ
ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے آگے ترجیح سمجھ گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ اُن کے گلوں ہی تک ہوگا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نکلا دیں سے ہو کر نکل جاتا ہے

پاکستان میں مسئلہ زیر نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے۔ ان میں نہ کوئی قاضی شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکم وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیر نزاع حدیث میں عبادت النضر سے موجود ہو جیسے الانبیاء و اعیاد و فی قیود و ہر یصلون تو حدیث سے بات سمجھنا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بنا پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰؑ کا ذکر شدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اُوچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا مفصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں تفسیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پالینا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یہ سب حضرات مجتہدین تھے، مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت و الجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج اولد اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ حیرہ قدریہ شیعہ و مرجئہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج تھے سرے سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا ان دو سترل کو اس کی ضرورت تھی محسوس ہوتا ہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ معظم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس کلی طور پر بچنا اور مذہب اہلسنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح مکبرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ عجی سازش (جو ان کے نزدیک ذخیرہ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کرم قراہما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شدد و مد سے پیش کر رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب

صحیح کہتی ہے۔ گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے، بلکہ مآخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک و اعظم پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکارِ حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پروینہ کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے
 بل احياء ولكن لا تشعرون اس سے بطور دلالت النص کے سمجھ میں آتا ہے
 کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفا ت زندہ ہیں
 اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم النذر شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا ہے
 اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس
 عنوان پر براہِ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی
 کی ہے فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیاتِ انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے
 اور آپ نے انہیں اس احسان پر دُعا بھی دی ہے کہ زادہم النذر شرفاً۔
 پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اُسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں، مگر نہیں معلوم انہیں اسے
 دُہرانے سے کیا ملا۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفا کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء
 کی حیات بعد الوفا کے لیے دلالت النص کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کر لیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا طرف ہے اور اپنا اپنا مسلک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کر لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیات شہداء عبارتہ النفس ہیں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی تفصیلت کہے اور حیات انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کر سکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے مرتجح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے، اس احتمال کو ذائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے متشک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کون سی غلطی کی ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو، ان میں سنت سے استدلال کر لینا چاہیئے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

اموات غیر احیاء کو درجہ اجمال و احتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے دلکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احیاء کے بارے میں نہیں۔ آیت حیات شہداء کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش

بھی نہ ہے۔

ہمیں بہت حیراتی ہے کہ ان حضرات نے امواتِ غیر احياء کو کس دہیدہ دلیری سے آیت
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالت بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی
کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت امواتِ غیر احياء عقیدہ ممالئ البنی پر قطعی الدلالت ہے۔

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت امواتِ غیر احياء کو اسی طرح
قطعی الدلالت سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالت ہے۔ ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے۔ حضور آخری
نبی ہیں اور مرتبہ و زماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ کیا آیت امواتِ غیر احياء بھی اسی طرح
انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالت ہے یا
اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ — اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں
— اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ ماننے والے اور حضور کو زمانہ اور
مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے اور دونوں اپنے ان قصور منقطعہ
کے رد کرنے کے جزم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ
ممالئ لگ حیات البنی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں۔ — آخر
یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ امواتِ غیر احياء کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا
احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں
ستارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء
(جو گلاب زندہ ہیں مگر ماضی میں موردِ موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالت کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکے مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں بھجاتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو مابقی میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں:-

شہدار اور انبیاء — بعد الوفاۃ زندہ ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات البنی پر دال نہیں چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالت اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جاسکے — تعصب اور منہ کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیات البنی اور اکھا ختم نبوت کو برابر کر دیا ہے۔ ہم نے حیات شہدار سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر بنی کو بنی پر ہو سکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہدار سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفاۃ زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم قراءوں کے علم و فہم کی داد دیجئے۔ وہ اُسے از خود اموات غیر احیاء کے بارے میں لے بیٹھے — اور پھر کیا ہوا، اپنے آپ کو لے بیٹھے — اُن کی صدائے قائم سُنیئے :-

اموات غیر احیاء وما یشعرون ایاں یبعثون کہ درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کر دیا..... ایسا ہی ہے جیسے مرزا یوں نے ولکن رسول اللہ و

خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں۔ اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا

تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اعتقاد کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)

ایسی تحریروں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں

جو سارا دیوبند ان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، مسائل پر کھڑے مجتہد شاہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا

اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں

نے قرآن کی تشریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ کیا یہ اپنی باتوں کا اثر نہیں کہ ان درستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اُسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احوار کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر احوار؟ نہیں، آیت اموات غیر احوار میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں یہ مراد ہے یا وہ۔
لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔
اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہو گا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہو گا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بل احياء ولكن لا تشعرون حیاتِ شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اموات غیر احياء ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے۔ کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں ممد و موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محل موت ہیں، حالاً ہوں یا ماضی میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول وفات پائیں گے)۔ ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں اُن میں سے کسی کے بالفعل مُردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفا زندہ ہونا رب العزت جی لا میرت کی منفیت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ اموات غیر

احياء وما يشعرون آيات يعثرون ۝ الهكواله واحد۔

(سپک: النحل ع ۲، آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا، کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں مُردے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ الہکواله واحد بتا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے رُوح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون۔ آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید الہ ہے تو اموات غیر احياء کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیئے جس دے میں اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

کے ہرگز متنافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثبات مخلوقیت کافی ہے۔ ان نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثبات المخلوقیۃ لہم غیر مستدعی لنفی الحیاۃ عنہم لما ان بعض
المخلوقین احیاء بہ

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی
بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اموات غیر احیاء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ
لکھتے ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بُت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور
دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وہم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس
جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات كثيرة
بمیران کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا یخلقون شیئا و
ہم یخلقون۔

صفحة التفسیر میں ہے۔

والذین یعبدونہم من دون اللہ کا لا وکان والاصنام لا یقدرون علی خلق
شیء اصلاً والحال انہم مخلوقون صنعہم البشر بایدیہم فکیف یكونون الہم تعبد
من دون اللہ (اموات غیر احیاء) ای وتلك الاصنام اموات لا ارواح لہا لا
تسمع ولا تبصر لانہما جادات لا حیاۃ فیہما فکیف تعبدونہا وانتم افضل منہما لانیکم من الحیاۃ۔

۱۔ تفسیر روح المعانی جلد ۴ ص ۱۲ ۲۔ تفسیر حقانی جلد ۵ ص ۱۳ ۳۔ صفحہ التفسیر جلد ۲ ص ۱۲

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے مجھے ہوتے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کہیں اللہ کے سوا عبادت کے مجبور ہو سکتے ہیں اور یہ بت مرفیٰ میں ان کی ادوارح ہیں ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ ملائکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہیے کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لیے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لیے آئی۔

علامہ محمود اکوٹیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آگئے جن پر پہلے کبھی موت آئی۔ مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات برے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

(اموات) عموم المجاز ليشمل ما كان له حياة ثم مات كغزير وسموت كعيسى والملئكة عليهم الصلوة والسلام وما ليس من شأنه الحياة اصلها الاصنام۔

ترجمہ۔ اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے غزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات برے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

اللہ رب العزت کے لیے حیات تامہ ہے اور وہ ہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو

ہیں۔ ان میں کوئی حیاتِ تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا مالا موت نے گیر رکھا ہے۔
اس آیت میں اثباتِ توحیدِ باری ہے کسی کا مالا مُردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کو نھم و امواتا انھم لا یدلھم من الموت و کو نھم غیر احیاء غیر تامۃ
حیاتھم و الحیاء للتامۃ ہی الحیاء الذاتیۃ الق لا یرد علیہا الموت ۛ

ترجمہ۔ ان کے اہلِ موت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے منفر نہیں ادا ان کے غیر احیاء
کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیاتِ تامہ نہیں، حیاتِ تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی
موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آئے)۔
حضرت تھانویؒ نے بھی عموم مجاز کہا ہے۔

یہ مہودین کیسے مستحقِ عبادت ہو سکتے اور وہ مُردے ہیں خواہ دو آماجیسے بُت یا
فی احوال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گو اب وہ زندہ ہوں) یا فی المآل جو مریں
گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں ۛ

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۳۲، جلد ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۹۲، تفسیر خازن

جلد ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اس وقت اموات ادبے جان ہونے پر ہرگز
دلالت نہیں کرتی۔ ان پر اسبق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کی یا شہداء
کو ہم اموات کہیں۔ اس کی قرآن کریم میں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اموات غیر احیاء کو جس میں بُت بھی مُراد لیے گئے ہیں
انبیاء کے مطالبے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت وَلَکِن دَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ
التَّبٰیئِیْنَ حُضُوْرُکِیْ خَتْمُ نُبُوْتِکِیْ قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے
آئندہ پہلے جائیں کم جائیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکابر کی
شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

چوں خدا خواہد کہ پر وہ کس درد میلش اندر طعنہ پا کاں برد

ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کر سکیں۔ سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی تعصب اور احساسِ تحریک کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالمِ برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتابِ الہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ کی وفات کا امکان (افغانِ ممات او قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیش‌گفتی بھی آیت (اَمَلْتُمْ مِتُّ وَ اَنْتُمْ مِيتُونَ) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا دُرود ہو چکا ہے، اس کے لیے بھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے جو شخص کبھی قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آپ کی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔

حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پُر ادا قعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا یقیناً دُرود ہوا اور آپ نے یقیناً اس دُنیا میں انتقال فرمایا لیکن قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ پر وفات آپ کی اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغ ہے، جو کتبِ حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

وقوع موت ثابت کر لے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقت پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریق برہان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مسجت اور محل نزاع نہ ہو۔ بلکہ وقوع وفات پر بنا بر خبر مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جہدِ اطہر اور رُوحِ اللہ میں کئی مفارقت رہے گی۔ اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضار النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کیسینج کیسینج کر مطالب کا جال بنانا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم اسے راہروی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرضِ مزمن پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا مزج ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلائل النص کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ — ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوع وفات کی خبر کتب حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیث صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد — ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحبِ یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبارِ احوال اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اباعرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبرِ متواتر الاسناد ہی میں

منحصر نہیں۔ بلکہ اخبارِ احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جا سکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس کے حقیقتِ مستحکم ہونے کی شہادت دے دے، تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَأَمَّا الأدلة المعتبرة ههنا المستقراء من جملة أدلة ظنيّة تظاهرت على معوق واحد حتى أفادت فيه القطع فإن للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولا حله أفاد التواتر القطع وهذا نوع منه فإذا حصل من استقراء أدلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب و هو مشبه بالتواتر المعنوي. ۱۰

ترجمہ۔ عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو ان کے مجموعے (اس قدر مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآنِ پاک کی جس آیت شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس معنوں پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں ظنی ہیں۔ بایں ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ بلا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے :-

فلا يخفى ان الاعتبار في العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الاتحاد لو
ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترا
معنويا فحينئذ قد يكون قطعيا

ترجمہ: یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آماد
الغرائب بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں، اگر ایک ہی مضمون، متعدد طریقوں سے اس
طرح مروی ہو کہ تو اتر معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی
اور یقینی ہو جائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحب منکر پر قول
کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔
والتفصیل فی الحرف الثانی ص ۳۴ و ص ۳۵
واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

قرآن عزیز کا موت انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف :

عربوں کا تصور ”موت“ کے متعلق یہی پلا آرہا تھا کہ :

- ① — یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور یہ ایک امر عادی ہے۔
- ② — ان کے عقائد میں نہ بقاء جسم ممتحن نہ بقاء روح دونوں کی فنا ہے۔
- ③ — ورنہ موت کے بعد پھر روح اور اس جسم دنیوی کا اجتماع ان کے نزدیک محال
اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم ”موت“ پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔۔۔ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر

کے مطابق ”موت“ کے لیے کئی نلف اختيار كر ركھے تھے . ابن سید الناس اندلسی نے ”المختص“ میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر نقطہ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے .
اسمائے موت :-

الہمیغ والنیط والرهو والمنون والشعوب والفود والحمام والسمامو
المقدار و قتیم وجیاز وحلاق والقاضیة والطلاطل والعول والذام
والکفت والجداع والحذرة والحفت والحالج..... وغیرھا .

انہی میں فقط ”توفی“ بھی آیا ہے ، لیکن اس پر محقق اندلسی نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا . بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے . اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف پیدا آرہا ہے . حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر ”توفی“ کا اطلاق درست نہ تھا . کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی ، نہ بقائے روح . توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی . قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یا جی ہوتی ہے نہ فنا محض . اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس نلف کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا .

عربوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرن اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے . تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے . حالانکہ وہاں بھی صرف ”ابانة الروح عن الجسد“ کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے .

علامہ راغب اصفہانی (۵۲۲ م) لکھتے ہیں :-

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ فَعِبَارَةٌ عَنْ زَوَالِ الْقُوَّةِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَابَانَةِ
الرُّوحِ عَنِ الْجَسَدِ ۝

ترجمہ۔ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ پس موت سے مراد ۱۔ حیات کی قوت
زائل ہونا اور ۲۔ روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی
بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاحِمِهَا فَنِيْسُكَ الَّتِي قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيَرْسِلُ اِلَى الْاٰخِرَةِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (پک ۱: الزمر ۵ آیت ۴۲)
ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوا ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا
ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو حین پر مرنا ٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری دھڑل
کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود مزدوری نہیں کہ موت ہو، سونے والے
کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اُچھل رہی ہیں اور روح
کے چادر گھٹنے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن
کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو ناظم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جو نہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا،
روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور اپنی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا
پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

حسب بیان راغب مفہمی انشکاک الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی جاتی رہی۔ اب اگر کوئی ایسا کہے کہ روح ترقبض ہو جاتے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھٹنے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گزر جائیں تو یہیں کیا کہا جائے گا؟ یہی ناکہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرعینی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا۔

وہو الیوم کما وضع

قاضی شمس الدین صاحب (دگر جرنالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔

سوال : قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹتے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں نہ کر کرتے ہیں؟
جواب : یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ یہی طریقیت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے نظروں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو، بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

درجے میں حیات بھی باقی رہی مگر آپ کی موت ساتھ حیات ہوئی یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منقطفی ہوئے
یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے، اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت
پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے
بتایا ہے موت صرف مفارقتِ روح کا نام نہیں، یہ تو نیند میں بھی ہوتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات
منقطفی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راعب نے یہی بات کہی ہے۔ حضورؐ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک
منقطفی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اُسے ایک جلدی نوب حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کہ ان
سا آسمان گرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالباقی (۴۴۲، ۷۷۷) لکھتے ہیں:-

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فليانف بعض انواع الموت لا ينافي الحياة.

دوستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرمایہ کہہ کر بات مالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو
یہ دعوئے کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی، تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعائیں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت کی یہ دعا نقل کرتے ہیں:-

باسمك ربتي وضعت جنبي و بك ارضع من امسكت نفي فادعها وان

ارسلها فاخفظها بما تحفظ به الصالحين

ترجمہ تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پیلو رکھا ہے اور تیرے ہاتھ
بی میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اسے
واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما، جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی جوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آجاتی ہے

اور موت والے کے لیے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدانِ شہر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ ہساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

عاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت ضحرا بآئۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ حیات جب تک پورے معنی میں نہ ہوں۔ قرآن کریم سے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔ پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا متفرقہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کثاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اسی کی کھلی تردید نہیں کی، الا انکشاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال : نیند والے کی طرف روح کا ٹنٹا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوتی تھی؟

جواب : سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :-

اللہم انت خلقت نفسی وانت توفاها لک مما تمنا ومعیاها ان احییتهما فاغفر لهما
وان امتہما فاغفر لهما۔ ۱۰

ترجمہ اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی ترقی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن جہان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر رد و روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔
الحمد لله الذی عافانی فی جسدی و ساد علی روحی۔

ترجمہ حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان حقائق کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریہ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت ”حیات“ کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے۔ یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خلق الموت والحیات۔ (۲۹) (پہلا الملک)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا

اور محض ایک امر عسی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۷۸۳ھ) فرماتے ہیں :-

ان الموت عدم وهو خطأ صراح ومعتقد اهل السنة انه امر وجودی
یضاد الحياة وكيف يكون العدم بهذه المثابة ولو كان العدم
مخلوقاً حادثاً وعدم الحوادث مقرراً انزلاً للزم قطع الحوادث ^{بہ}
ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی برائی خطا ہے۔ اہل سنت
کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اس
درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں
اور عدم حوادث کا تقرر بھی انہی ہوتا تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔
روح المعانی میں ہے :-

والموت علی ما ذهب الیکثیر من اهل السنة صفة وجودیة تضاد الحياة
واستدل علی وجودیته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدم
لازلیة الاعدام

ترجمہ: جہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے
مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے
سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی
ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن هذه الصفة وقال اصحابنا
انه صفة وجودیة مضادة للحياة واحتجوا علی قولهم بانه تعالیٰ قال الذی
خلق الموت والحياة والعدم لا يكون مخلوقاً هذا هو التحقيق

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة۔

ترجمہ مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے "خلق الموت والحیاء" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ تفکر و تدبر۔

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يُجْمَعُ اللَّهُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يُطْعَمُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ
..... فَيَقْرَأُ الْمُسْلِمُونَ وَيُوضَعُ الصَّرَاطُ فَيَمْرُونَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِيَادِ الْخَيْلِ وَ
الرُّكَابِ وَقَوْلُهُمْ عَلَيْهِ سَلَامٌ وَيَبْقَى أَهْلُ النَّارِ فَيُطْرَحُ مِنْهُمْ فِيهَا فَرَجٌ
فَإِذَا ادْخَلَ اللَّهُ تَعَالَى أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلَ النَّارِ النَّارَ اتَّقَى بِالْمَوْتِ
مَلْبِيَا فَيُوقَفُ عَلَى السُّورِ الَّذِي بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ
الْجَنَّةِ فَيُطْلَعُونَ خَائِفِينَ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ فَيُطْلَعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ
يَرْجُونَ الشَّعَاعَةَ فَيُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَلَا أَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ
هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ قَدْ عَرَفْنَاهُ هُوَ الْمَوْتُ الَّذِي وَكَّلَ بِنَا فَيُضْجَعُ فِيهِ بِح
ذُبْحًا عَلَى السُّورِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال و جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جاگیریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی، اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا..... اس کے بعد موت کسی کو نہ لے گی۔

عن النسخ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتى بالموت يوم القيمة كانه اطلع فيوقف بين الجنة والنار ثم ينادى مناديا اهل الجنة فيقولون لبيك ربنا قال فيقال هل تعرفون هذا فيقولون نعم ربنا هذا الموت فيذبح كما تذبح الشاة فيامن هؤلاء وينقطع رجاء هؤلاء وواه ابو يعلى والطبرانی في الاوسط بنحوه والبزار ورجالهم رجال الصحيح غير نافع بن خالد وهو ثقة

ترجمہ: قیامت کے دن کبش اٹلج کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والوں کو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آتے اور روح نکال لے جائے یا نازعات و ناشطات آئیں اور روح نکال لیں، صرف یہی ہو تو یہ ایک عدی حقیقت ہے مگر حضور نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہنچاتے ہوں گے۔ اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا، مقتولہ اور کرامتہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الردی عن الحمد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اسکی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال

جب موت ذبح کر دی جائے گی اور نیک عبد، جنت و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے۔ ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی۔ تاکہ انہیں نابرجہ جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی۔ حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں۔

اذا دخل الله الموحدين النار اما تمعر فيها ام اتة فاذا اراد ان يخرجهم منها امتمهم العذاب تلك الساعة

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوئے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)۔

(اما تمعر فيها) بمعنی انه يغيب اجسامهم او يقبض ارواحهم لطفًا منه بمعروضات الاثر التوحيد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی روحیں قبض فرمائیں گے یہ اس لیے کہ ان پر توحید کا اشتهار ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)۔

یہاں اما تمهم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے

کہ حق تعالیٰ ان کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔
 موت تو ذبح ہو چکی، اب میں تو وہ حقیقت میں زندہ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار
 اور شعور و احساس کو صدمہ دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسانِ نبوت نے لفظ موت
 سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقتِ موت

موت ایک دُجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاکِ روح
 یا ازالہ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہو
 سکتی ہے اور ایانۃ المدح پر بھی (جیسے کہ یہ قائم پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے
 روح کا ارسال یا بدن کی طرف حرکت نا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست
 موت کا معنی ایانۃ المدح عن الجسد یا ازالہ حیات ٹھہرا کر متعز ز کے ذہن سے موت کو ایک عدمی چیز
 سمجھیں اور قرآن کی نص مجمل جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں۔
 خلق الموت والحیاء لیبطلوا کما یتکبر احسن جملاً (پ کا الملک، آیت ۲)

ترجمہ۔ اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو تا جا نچے تم کو تم میں سے کون اچھے
 کلام کرتا ہے۔

موت کا عدمی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک وقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق
 حیات ضروری ہو گا۔ پھر موت صرف انہیں کو کہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں
 بتوں کو اموات نہیں کہا جائے گا۔ گیمک ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یمسح کا معنی بھی یہی
 ہو گا کہ جو پہلے تھے اب نہیں تھے۔ لا یمسح کا معنی یہ ہو گا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے۔
 پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کر سکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہو گا۔

لم یقید مالا یمسح ولا یبصر ولا یفقی عندک شیئاً۔

بُت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوئی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ
 منہم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پرماجی دنیا میں ہے اور رہی ہے۔ قرآن کریم
 ان سب معبودانِ باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت الحیاء (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت
 کا لازم اتقضاء ہے اور موت کا معنی ہے۔ ازالہ حیات تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، تکرار
 اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی عجیب
 علم و دانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا
 نانوتوی بھی ہو تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بیاہر گریست

کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیاء (پ البقرہ آیت ۲۵) میں موت کا لفظ
 حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لیے مسبوقیت بالحیاء نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں
 ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن
 مسعودؓ اور حضرت مجاہد (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں،
 صرف عدم حیات ہے۔ اُس تعریف پر مقتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی
 چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لیے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ ہم تو ضروری نہیں۔
 ان هذه الاعادة لیت مستلزما لاثبات حياة مزیلة لاسم الموت بل هی نوع حياة برونخية۔

آنحضرتؐ کی موت طیبہ

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپؐ نے بارہا سنا ہوگا۔ حج مستحب طیبہ
 کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپؐ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ المطلق آپؐ کی
 موت کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپؐ کی وفات پر ان محمداقدامات کا اعلان
 کرنے سے پہلے موت طیبہ کی آواز لگا دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے

حضرت کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:-

طیبت حیا و میتا. (آپ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)

جس طرح آپ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کی حیات کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ سے منتقلی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تندرست تازہ رہے گا۔ اس میں غم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تعقد کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور انک میت و انہم میتون کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتھ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلم رہے

موت کا ایک مترشح اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے مملو اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضرت کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے اور آپ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں:-
باب کان مالہ بعد موتہ قائماً علی نفقۃ مملکۃ

دوسرے لوگوں کے لیے باب یہ بندھا ہے۔

ترجمہ۔ جب آدمی سر جائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔
امام بخاری کتاب الفرائض میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضورؐ کی یہ حدیث لائے ہیں:-
لَا تَقْتَسِمُ وِرْثَتِي دِينَارًا مَاتَرَكَتْ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَ مَوْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ
ترجمہ میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی
مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

① اہل بیت المؤمنین کا خرچہ تو ساہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات
مبھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں اور آپ کے
عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثبات
حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

② نرسٹ سکہ کی بیوی تا انقضاء مدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر
اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج
کے لیے یہ مدت نہیں۔ وہ تازہ زندگی حضورؐ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تبھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے
اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

③ موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے
اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:-
میں بیمار تھا، میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت
کر سکتا ہوں جہاں چاہوں۔ آپؐ نے اس پر نہ کہی۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کر لیا
آپؐ نے اس پر بھی انکار فرمایا۔ پھر میں نے ثلث (دستہائی) کے لیے کہا، آپؐ
اس پر خاموش رہے۔

لیجئے فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا، اسے اس کے وارث لیں گے۔ یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

مرضت فارسلت الی النبی فقلت دعنی اقسام مالی حیث شئت فانی
قلت فالنصف فانی بلہ

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے، انہوں نے مطہر اہل بیت کے خیرچہ اور خادم کی اجرت کے بعد جو بچے اسے ملی صدقہ فرمادینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بلکہ موت کے موت تمام علاقہ دُنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے املاک باوجود وفات اُن کی ملک میں ہیں اور آپ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت بطریقہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزاء اور اپنے عوام کی تشفی ہم نہیں سمجھتے۔ اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے۔ موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیمائی کی ہے۔ بات کو اُلجھانے سے بچنا تاہم تو ایسا سمجھئے۔ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفتِ حیات کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں صفتِ مرضی ہے تو اُس کے زوال پر موت کا ورود ہوتا ہے اور اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابلِ تغیر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور و خفا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابلِ تغیر۔ اگر قابلِ تغیر ہے تو پھر صفتِ حیات کے معرضِ خفائیں آنے یا سُور ہونے پر یہ صفتِ موت بدن کو لاحق

ہوگی۔ اور اگر ناقابلِ تغیر ہے تو پھر اس پر دُورِ موت محال ہے۔ پھر وہ حیات دائمہ ازیلہ ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں جبکہ اہل سنت مفہومِ موت کی اس گہرائی میں نہیں
گئے۔ ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور و خفا میں قابلِ تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی انسانی
جو، ازلہ نہ ہو۔ اس کا سر نہ و مصداق پُر ہی کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعثِ تکوینِ عالم اور
خلقِ کائنات ہے۔ اس لیے انسانیت کی دنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا
اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح
پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو
کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیاتِ انبی کے
ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جہور کی رائے ہے
تو بھی مسئلہ زیرِ بحث میں مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیش نظر ہے کہ روح کے بدن میں
مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔ روح بدن سے نکل جاتے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر
بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابنِ ہمام
کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثر و تعلق بھی وجودِ حیات
کے لیے کافی ہے۔ متفقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ :-

اعادة الروح الى العبد حق۔

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹا یا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں حرف ”الی“ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں
لوٹانا ضروری نہیں۔ بدن کی طرف لوٹنا ہی اس حیات فی القبر کے لیے کافی ہے۔ جس پر سوالِ نکیرین

اور ازاں بعد ادراک اَلْمَوْلُوتِ کے احکام مرتب ہو سکیں۔
واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم والکلم فی کل باب۔

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت قنائے محض کا نام نہیں۔ وہ اختلاف داریں کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس
عالم دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-
الموت لیس بعدم انما هو انتقال من دار الی دار
ترجمہ موت ایک عرصی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل
ہو جانے کا نام ہے۔

لیس بعدم محض ولا قناء صرف۔

ترجمہ موت ہرگز عدم محض اور قنائے خالص کا نام نہیں۔
حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں ”ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے“
کا نام موت ہے۔

موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا ! زندگی اک رُخ بدلتی ہے

اس کنارے سے اُس کنارے تک جیسے اک موج جا بھکتی ہے

جاننا چاہیئے کہ کفار عرب کی طرح موت کے متعلق قرآن عزیز کا نظریہ قنائے کامل کا نہیں
انبیاء و صلحاء تو در کنار کُل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر اپنی اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے
جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محل استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوس قدسیہ کو
عالم برنخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس
کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالم آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کمٹھن منزل نہیں، وہ

کیسے ہوگا۔ ففکر دایا ادلی الالبصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے :-

وقالوا اذا كنا عظاما ورفثاء انا لمبعوثون خلقا جديدا هل كونا
حجارة او حديد او خلقا متايبكبر في صدوركم فيقولون
من يعيدنا قل الذي فطركم اول مرة ۞ (پ: بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چھوڑا چھوڑا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے
بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو
تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما
دیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا :-

كما بدأنا اول خلق نعیده و وعدا علینا انا كنا فاعلین۔
(پ: انبیاء)۔

ترجمہ۔ جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اُس کو کوٹائیں گے، ہمارا ضرور
وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا :-

قد علمنا ما تنقص الارض منهم و عندنا كتابٌ حفیظٌ (پ: ق)
ترجمہ۔ ہمیں معلوم ہے جو زمیں کھا رہی ہے اُن میں سے، اور ہمارے پاس پورا
ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے :-

من یحی العظام وھی رمیم ۞ قل یمیہا الذی انشأ ما اول مرة ۞ وہو بکل
خلق علیم ۞ (پ: یلین)

ترجمہ۔ کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟
 آپ فرمادیجئے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا۔ جس نے انہیں پہلی بار بنایا
 تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیاتِ انسانی کیسے ان
 قذروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ رینے اور چورا تو بہر حال انسانی لاش
 ہے، جس میں بیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثارِ حیات کا پیدا ہونا چند اں
 مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں۔ اگر ممکن ہے تو
 پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثارِ حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ
 ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز، جس کا زندہ ہونا تمہیں لڑ ہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل
 نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موتِ محرم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی جبرِ غفری
 سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں
 ہڈیوں کے چورے اور ذراتِ منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اعمال
 ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوقی ہے، گویا کہ حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں
 اور ذراتِ منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو
 ان کی یہ بعثت ذراتِ منتشرہ اور عظامِ رمیم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ
 ”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے“ ان کا اجماعِ عالم سے اٹھایا جانا، کیا قرآن
 پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں ”حشرِ آخرت“ ہڈیوں کے چورے اور ذراتِ منتشرہ
 پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آخرت، ذرات منتشر اور عظام مریم سے ہوگا۔

ہو یا باعرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سبتی پر سے گزرے جو پتھروں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس سبتی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کا گدھا مٹی میں بڑی بڑی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا :-

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلْنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا
ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا. (پا البقرہ ع ۲۴)

ترجمہ۔ اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تاہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں اُبھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا مجھے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی۔ ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا۔ اللہ نے حرام کر دیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لیے قرآن کریم نے لبثت (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحاب کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے ولبثوا فی کے مفہم ثَلَاثَةَ مِائَةٍ ثَلَاثِينَ (پچاس اکیس سو) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوئے ہوئے اصحاب کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ یہ صورت حال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

ماہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریتہ ریتہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو ان پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دو ملک وہ اپنی چھٹی زندگی کو نہ پاسکے جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی نفعی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ رہا ہو۔ انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجماع کی ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد تینوں لامٹی کے سہارے کھڑے رہے، جب لامٹی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا۔ اسے کیڑا کیڑا لگا، اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے اُنکی ہڈی تک نہ کھسکائی، نہ ٹوٹی۔ خشک اور سوکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا۔ اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اُترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں جسد کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فَلَا خَرَّتْ بَيْتُ الْحَيَاتِ انْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْعَنِيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ

المہین۔ (پ: ۲۲، السبا: ۲۷)

ترجمہ: پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

دوسروں کے لیے لفظ بعثت (اُٹھایا جانا) ہے اور اپنے لیے لفظ خُرج (نکلنا) ہے، ان دونوں کو ایک لفظ کے تحت نہیں رکھا گیا، سو جس طرح انبیاء کی موت اور ان کی موت سے مختلف ہے ان کی حیات برزخی دوسروں کی حیات برزخی سے مختلف ہے، اُن کا حشر بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ اور ان کا اپنی قبروں سے اُٹھنا ہے اور اُن کا نکلنا ہے۔ واللہ اعلم وعلہ و اتم و احکم۔

انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے اجسامِ عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر سے حیات عود کرتے، تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیات بعد الوفا کا تحقق قیامت کے دن نیا نہیں، بلکہ قبرِ شریفی ہی میں عمل میں آچکا ہو۔ فرق ہے کہ تو یہ کہ برزخ میں یہ حیات پردے میں اور آخرت میں یہ حیات ایک کھلی حیات ہوگی۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے لیے اعادہ حیات اجسامِ عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشرِ آخرت زمین کے ”ذراتِ مُنتشرہ“ اور ”عظامِ ریم“ سے ہو، انبیاء اس ذیل میں نہیں آتے — سو قرآنی عنوان بعثت ”عام مخصوص منہ البعض“ کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبر واحد سے محلِ کلام نہیں، بناءً علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ ”الا نبیاء احياء فی قبورہم یصلون“ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح عامۃ الناس کو کامل حیاتِ عنصری حشر کے دن ملے گی، انبیاء کرام اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں فائز الحیات ہو چکے ہوتے ہیں۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً، جب کہ وہ تو از معنی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں، عین مقتضائے موضوع ہے۔ یہ نہی آیات سے اُجھتے چلے جانا اور قلب موضوع کرنا کوئی امرِ مستحسن نہیں ہے۔

ارشاداتِ پیغمبرِ خاتمِ شریعتِ اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہ کے عہدِ سعادت عہد سے سلسلہ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علمِ حدیث فنِ حدیث سے وابستہ ہوا، اور راویوں کے حالات، اُن کی جرح و تعدیل اور اتصال و ارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ پہلے دور میں روایات کا مدار زیادہ اعتماد پر ہوا اور آگے چل کر اسناد نے زیادہ اہمیت پائی۔

اس تحقیق و تحقیق کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدقون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کئے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مدلل ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ عرض شکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں علمی تنقیدات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرادینا اور پھر ائمہ فن سے استغناء برتنے کی آبیاری کرنا، عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ اگر تشغیب العوام نہیں تو اہل کمال ہے؟ اگر یہ روایات کلیۃً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟ آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحریب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلب ہوا، کسی راوی پر اپنی اشارہ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ خالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم اور ابوداؤد ترمذی کی احادیث، مرفوع روایت، کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتب فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علما ترمذی کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس انداز فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔

طبع علی کدر و انت شدیدھا

صنوا من الاقدار والا کدار

ایسے پُرخطر دور ہیں، جب کہ احترام سلف اور فکر آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعمیری اور قرومی اختلافات میں نہ الجھا جائے

وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السلف" کے غلط کوئی چھکاری سگلتی نظر آئے، اسے اول درجہ ہی میں بھجادیئے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی انتشار دگی کہیں خرمین حیات کو جلا نہ دے۔
ہاں اگر طریق اختلاف ایسا ہو جس میں اکابر کے خلاف جذباتِ تنفر نہ پیدا ہوں تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمہ استحد سے سیراب ہو سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات لغزواتِ محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ۔ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی رائے ہے، آخر جانبِ مخالف بھی احتمالِ صواب سے خالی نہیں۔
الغرض ہر شے اپنے محل پر ہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔
قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آٹھرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مری ہوں تو صحابہ کرام کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؑ کی نصیحت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عثمانہ قال سیاقی فاس یجلو لونکم بشبهات القرآن فخذوہم بالسنن

فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی۔ (کنز العمال جلد ۱۸ ص ۱۰۸)

ترجمہ۔ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہاتِ قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا نہ کرنا اصحابِ السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جلویہ سونے کا بیان ہے جس کے نور و عرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرتِ خورشید بتا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی محسوسِ مخلوق کو چشمہ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الا اصلاح و ما تو فی فی اللہ علیہ توفک و الیہ انکس
خالد محمود عفا اللہ عنہ

تہسید

الحمد لله الكبير القادر على جميع الممككات المرید لجميع الكائنات والصلوة والسلام على جميع الهداة بالترتيب والبيئات الذين هم احياء في قبورهم بعد الممات خصوصاً على خاتم الرسل و افضل المخلوقات سيدنا و مولانا محمد النبي الذي هو حي في روضة من رياض الجنات وعلى آله واصحابه واتباعه الذين يقتبسون من نور حياتهم في الحيات و بعد الوفاة. اما بعد :

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جاسکتا۔
قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات کو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل
عالم برزخ — پر اجمال و اشارات ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردہ
خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے ادھیل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس
پردہ خفا میں ہے، اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن وراءهم برزخ لئلا یؤمر یسعتون۔ (پہ، مومنون)

ترجمہ۔ اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے

انسان اُس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہوجاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری
طور سے سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ
ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کو ائمہ اور اولیاء خطائم نے اس کائنات کے اسرار و رُخسہ کا بارہا مشاہدہ کیا ہے
اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظہر ہے کہ گاہے گاہے یہ جھکیاں اور انکشافات کے یہ پرتے اس مادی کے نامکشف

ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جگہ کڑیاں نہیں ملا سکتے ہیں ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمادیا، اُس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفایں ہے، اُس میں قیاسات کے گھڑے نہ دوڑائیں اور مافوقِ العقل کو خلافِ عقل قیاس کہتے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دور

عالمِ ارواح

یہ وہ جہان ہے جہاں رُوحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب رُوحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری اُجھاتی ہے، وہ رُوح کسی جسم میں آکر یہاں جلد پیرا ہوتی ہے۔ انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوعِ انسان سے عہدِ اُست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے۔

وَأَشْهَدُهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّا قَالُوا بَلٰی ۚ شَهِدْنَا ۚ إِنَّ تَقُولُوا

یَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ (پ، الاعراف، ع ۲۲)

ترجمہ۔ اور اُنہوں نے اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا۔ کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔ سب نے کہا کیوں نہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن، ہم کو تو اِس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

مزموری تھا کہ یہ تنہم ہدایت ہے کل اسلامی تعلیمات کا مبداء و منہج اور تمام ہدایات ربانیہ کا دُرُودِ محمل کہنا چاہیے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور دینی و الہام کی بیماری سے اس شخص کو
شجرِ توحید و ایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم
میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجہ ہر عقدہ کا
حل ناخن عقل و فکر کے پُر و کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ سلسلہ بھی منطقی استدلال کی بھول
بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری سلسلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی
متفق نہ ہو سکتے۔۔۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد بھکالی، سب سے اقرار کر دیا،
اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولادِ آدم کو خبر دی کہ اُن کے پاس اس
تخم کی بیماری کے لیے میرے پیغمبر آتے رہیں گے۔

یا بنی آدم اما یا تینکم رسول منکم یقصون علیکم آیاتی
(پ: الاعراف: ع ۴)

ترجمہ۔ اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولادِ آدم میں سے ہی
سنائیں تم کو آیات میری، تو جو کوئی دُرسے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا،
اُن پر اور نہ غمگین ہوں گے۔
شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

ابن جریر (۲۱۰ھ) نے ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما
یا تینکم کل اولادِ آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

امادیت میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی
ہے جب روح جب جنین میں داخل ہوتی ہے، یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں۔

یہ عالم ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور دُمولود کی دُنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لیے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دُور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھا نہ جاسکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دُنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پُورا جہاں ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہان میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دُنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

عالم دُنیا

عام عموماًت میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دُور ہے۔ قرآن اُسے - الْحَيٰوة الدُّنْيَا سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں رُوح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جبکہ احکام روح پر غالب ہوتے ہیں۔ یہاں حیات کا تقوّم اس دُنیا کے رُقیّ مادی پر ہوتا ہے تغذیہ و تنمّیہ اس زندگی کے لازم ہیں۔ اس دُور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم ”دَارُ الْکَلَفِ“ ہے اور یہی ”دَارُ الْعَمَلِ“ جس کے ذخیرہ عمل پر بعد کی جزایا سزا مرتب ہوتی ہے۔

لَقَالَ الْعَارِفُ الْجَامِعِيُّ اِنَّ الْغَالِبَ فِي هَذَا الْعَالَمِ اَحْكَامُ الْجَسَادِ وَاَحْكَامُ الرُّوحِ مُسْتَوْرَةٌ لِّظُهُورِ الْجَسَدِ وَخَفَاءُ الرُّوحِ وَيَنْعَكُ الْحَالُ فِي الْبَرَزَخِ وَتُظْهِرُ اَحْكَامُ الرُّوحِ اَمَّا الْمَشْرِفُ فَيَسْتَلْوِي فِيهِ الْحُكْمَانِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر مارتین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ دنیوی زندگی دنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انه صورت لی الجنة والنار حتی رأیتھا وراء الحائط

ترجمہ: جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے:-

لقد رأیت الان منفصلت بکمال الصلوة الجنة والنار مثلین فی قبة
هذا الجدار

ترجمہ: ابھی جب میں نے تہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضورؐ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں۔ کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں۔ یہ دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپؐ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا:-

انه عرض علی کل شیء فی الجودہ فعرضت علی الجنة حتی تناولت

منہا قطفًا اخذتہ وعرضت علی النار فرأیت فیہا امرأة من بنی

اسرائیل تعذب فی ہرۃ لہا ربطتہا فلم تقطعہا ولم ترعہا تا کل من

خشاہش الارض ورایت ابا ثمامۃ عمرو بن ملک یحرقہ فی النار

ترجمہ ابھی مجھے ہر چیز جہاں تھیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس انگور کے کچے خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بتی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا اس نے ایک بتی کو بلند کر رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھالے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا

اور یہ بھی فرمایا :-

ما من شیء لم اکن ادیتہ الا رأیتہ فی مقامی ہذا فی الجنة والنار

ترجمہ کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ اسٹحضرت سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا :-

عرضت علی اجور امتی وعرضت علی ذنوب امتی فلم ارض بنا اعظم

من سورۃ من القرآن اوایۃ اخذہا رجل ثم نیہا

ترجمہ ابھی مجھے اپنی امت کے ابراہیمؑ دکھائے گئے مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا :-

عرضت علی الامم ورایت سواد اکثر اسد الافق فقیل ہذا موسیٰ

موسیٰ فی قومہٗ

ترجمہ مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افاق ڈھانپ رہی
ممتی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔
ایک دفعہ آپ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا:-
انی واللہ لا نظرا لی حوضی الا ان والی اعطیت مفاہیم خزائن الارض
انی واللہ ما اخاف ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف
ترجمہ میں اپنے حوض کو شرک مہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کُنیاں
دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے۔ مجھے ڈر اس بات کا
ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حمد نہ کرنے لگو۔
حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جانے لگے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا:-
انی لا اری الفتن تقع خلال ین تکم صقوع المطر

ترجمہ اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا
مہتدے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اُترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اُتر رہی ہو۔
حضرت ابو ایوب انصاری کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دو پہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے
پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا:-

فقال یہود تعذب فی قبورہا۔

ترجمہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہند رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپ رو پڑے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:-

ترجمہ: ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرنی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آ رہی تھی میں نے کہا حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے مثل ہو کر آئی ہے، میں نے اُسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے۔ اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اُسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جاسکے۔ تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اُس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود گاہ اُچھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں
پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے
یہ وحی الہی کے پردے میں جن پر حقائق و معارف اترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:-
رَوِیَا الْاَنْبِیَاءُ وَحًی - (رواہ الترمذی)

① — حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے نیت میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پنی رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اُس کی میرانی کے اثرات دیکھے۔
ثُمَّ اَعْطِیْتُ فَضْلَی عَمَّ قُلُوبًا فَاَوَّلَتْہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْعِلْمُ

ترجمہ میں نے اپنا سچا دودھ پیمبرؐ کو دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے فرمایا۔ علم

② — حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے
اُن پر مختلف پیمائشوں کی قسمیں تھیں۔

وَمَرَّ عَلَى عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَمْرُوهُ قَالُوا مَا أَوَّلَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَيْتَ
ترجمہ۔ اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی
جاتی تھی صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا — دین۔

③ — حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر
ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا پھر اُسے ابو بکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یا دو
ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فَاخَذَهَا عَمْرِو بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمَّا رَجَعَ قَرِيبًا مِنَ النَّاسِ مَيِّتٌ نَزَعَ ابْنُ الْخَطَّابِ
حَتَّى ضَرَبَ النَّاسَ بِعِطْفِ

ترجمہ۔ پھر اُسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کرنی جوان اس طرح پانی نکالتے
نہیں دیکھا جس طرح خطابؓ کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے
ڈیر میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوسے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب
خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دُنیا ان سے سیراب ہوگی۔ چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے
مانگ کر لیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقاماتِ عمرؓ دکھا رہے ہیں۔
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

رَأَيْتُ كَانِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ
بِمَلْبَعَةٍ وَهِيَ الْحَبِخَةُ فَنَادَتْهَا اَنْ وَايَا الْمَدِينَةَ نَقَلَ إِلَيْهَا۔

ترجمہ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ ورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیوعہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ مجھ سے ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی قیاد و مال جلی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزانے دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی :-

الْفَخْرُ مِمَّا - فَفَخَّرْتَهُمَا - فَأُولَئِكَمَا الْكَذَّابِينَ الَّذِينَ آفَا بَيْنَهُمَا صَاحِبُ
صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْيَمَامَةِ۔

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں۔ سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے اُن سے دو کذاب (اسود عسفی اور سیلمہ کذاب) مراد سمجھے۔ میں اس سرزمین میں ہوں جو اُن دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادہ رسالت بلکہ ارادہ الہیہ ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے اُن کی خلافت کی صداقت آشکار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا میں رہتے ہوئے عالمِ بیداری ہو یا عالمِ خواب، بابِ بزرگی اور آخرِ دوی جلدوں سے آشنا ہوئے اور آپ کے لیے عالمِ دنیا اور عالمِ بزرگی کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخی کو اُف سے نا آشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں۔ جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے :-

وَمَنْ وُودَّ آمَهُ وَبَرَسَ خَالِي يَوْمِ مِيعَتِهِمْ (پ: المؤمنون ص ۲ آیت ۱۰۰)
ترجمہ اور ان کے دوسرے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا
روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس

طرح یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا
مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثارِ حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیتین
یا تئیین سے لاکر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر
میں لٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذراتِ بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی
ہوتی ہے۔ در قبر حیات و امانتہ تحقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقی پیدا می شود کہ تغذیہ
و تنمیه ہمراہ آں نمی باشد۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نو لکشر)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا
ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو
قرب اور بُعد محکمی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۵ ص ۸۵ مطلع فاروقی دہلی) روح کا
علاقہ بدن سے اندر اور غور و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے
والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے کو یا روح کا مقام ہی معین
ہے۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۵ ص ۸۵ تحت آیت ثم اعانہ فاقبہ)

میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آفت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں ملازمہ نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے موطن دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحت قبر یا عذاب قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں جانی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متحد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثار حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجداد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

لہ الحیۃ فی اللغۃ شیء مفائر للروح لا عین بل شمرۃ قلقة وذعم بعض الناس انه نفس الحیۃ
ولیس كذلك ففی النص ص ذکر الحیۃ ولیت روحا واطلاقات الروح فی عقیدۃ السفاوی
جلد ۲ ص ۱۲ تحیۃ الاسلام ص ۱۱ ان ملازمة الحیۃ للروح امر عادی لا عقلی فہذا متما یجوزہ العقل
(شفاء السقام ص ۱۵) ۱۔ عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت
ہے۔ بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں سیوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی
دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادہ سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں ہوں
پس حقیقت قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس
منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و فصاحت کو رب العزت
ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلاف بھی نہ ہونی
چاہیے کہ اس ظاہر قبر کو حقیقت قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغایر چیز ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۔ دیکھئے مکتوبات، حضرت مجدد الف ثانیؒ کو قرا ۱۶ ص ۱۹ لکھئے

حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے اور ان کے قدموں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشرف و اشراق سے اس میں اہل استنہ و ابجاعت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعمیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پُر انقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے۔ اور برزخی حالات کو پُر ادا صبح کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے۔ وہ لسانِ شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں :-

فیقال نعم صالحا قد علمنا ان كنت لموتنا به

ترجمہ۔ اے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہوتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں، وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں :-

تضییق القبر و اختلاف الاضلاع حقیقی لافہ مجاز ہے

ترجمہ قبر کا ٹھنڈا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکراتا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جاسکتی ہے۔ اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سے اٹھے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ بعثت انی ما ادبعض یوم برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمال برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس حال سے گزرنے والے سے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

قالوا یا دلینا من بعثنا من مرقدنا هذا ما وعد الرحمن وصدق

المرسلون۔ (پ: البین: آیت ۵۲)

ترجمہ کہیں گے خدائی ہماری، کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے۔ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی ایک دور برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ یتوفی الافس حین موتھا والتی لو تمت فی منامھا۔ (پ: الزمر آیت ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جالوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع

نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے۔

توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لیے یہاں نہیں ٹوٹی اور نیند والے کے ٹوٹ آتی ہے

اساک وارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں

سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:-

النوم اخو الموت (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مرقدا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا۔ اور دوسری طرف ہے:-

النار یعرضون علیہا غدواً و عشیاً۔ (پک : المرمن : آیت ۲۴)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں فذاب کے منظر دکھائے جارہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کہہ کے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اُسے لا تشعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وخیہ السداد وخیہ السلامة۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینا م اهل الجنة، کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا۔ لاینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

رؤیا الانبیاء وحی۔ (انبیاء کا خواب بھی وحی ہے)۔

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے، مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملایہ حکم ہے سچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اُسے قربان کرتے نے نکلیں گے لیکن ہر کسی کا خواب اس درجے کا نہیں۔ انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیاۃ الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے۔

عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم ”دارالقرار“ کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف نقشے ہیں یہی زندگی ”الحق“ ہے۔ (پ: اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔

ان الدار الاخرة لمی الحيوان لوک النوا بعلہون۔ (پ: العنکبوت)

یہ چیلوں اور مار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلف رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

فلنذہ النفس اربع دور کل دار اعظم من التی قبلہا۔

ترجمہ۔ سو ان جانوروں کے لیے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے

ماہ جامع ترقی جلد ۱۲۲ لکھنؤ پنجا ب کے جھوٹے مدعی بدت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔

(سیرت المہدی ص ۷) لکھ کتاب الروح ص ۱۴۲

عالم ارواح سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے مجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے سارے کوششے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی انتہا نہیں۔ ہر سوا اللہ رب العزت کی قدرت کے بلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے۔ ہر طرف خالدین فیہا کی صدا میں ہیں۔ یہاں آکر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہو گا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے۔

ان الذار الاخرة لہی الحيوان لو كانوا يعلمون۔ (پا العنکبوت آیت ۱۷)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی ہی تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آکر کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی۔ سو جن آیات اور روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا ٹوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہان میں پہلے جہان والے بچے کیوں جائیں۔ عالم برزخ میں ہر ایک کی پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی تو سپرد برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات کے گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔۔

واعلم انہ لیس عالم القبر الامن بقایا هذا العالم واما تترشح هنالك العلوم من وراء حجاب واما تظہر احکام النفوس المختصة بکل فرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشرية فانما تظہر علیہا وھی فانیة

من احکامها الخاصة بفرد فرد باقیة باحکام الصورة الانسانية^۱
 ترجمہ۔ اور سمجھ لیجئے کہ عالم قبر اس عالم دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس
 میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں
 جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف مشرکے حالات کے۔ یہ
 وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب
 اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالم برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آگیا۔ برزخ میں روح و بدن کا
 علاقہ محض ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر — برزخ میں احکام
 فؤاد اترتے ہیں، آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف ادوار میں منقسم ہوگی — یہ بات
 اصولی ہے کہ عالم برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ
 عالم آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیات برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح
 و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالم برزخ میں روح کا بدن سے
 کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ
 آگے جا کر لکھتے ہیں:-

فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الادواح اليها ليست حياة مستأنفة انما
 تتممة النشأة المتقدمة بمنزلة التخمعة لكثرة الاشكال كيف ولو
 لا ذلك لكانوا خيالا ولين ولما اخذوا بما فعلوا^۲

ترجمہ جان لو کہ حشر اجساد و جسموں میں روحوں کا (کاملہ) ٹوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گندی
 زندگی کا ہی ایک تقسیم ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو
 بعد کے اجسام پہلوں سے کلیتہً مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مؤثر نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس
النسانی کہلاتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموعہ کو ہی نفس النسانی کہتے
ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند
لکھتے ہیں۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس النسانی کہلاتا
ہے۔ اس نفس النسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرتا ہوتا ہے۔ ایک دنیا جو دارالعمل
ہے۔ ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں
جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

① دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات
قبول کرتی ہے۔

② برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے۔ جسم اس کے تابع ہو کر اس
کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو، یا
بکھر جائے۔

③ اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے
تأثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں
جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعم و حکیم کا
مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متاالم ہوتا ہے اور مذہبات آخرت
کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی

سلوات سے بھی حسبِ حیثیت و مرتبہ مستفیہ ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اعمالِ خیر یعنی دعاءِ ایصالِ ثواب، افاضہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں حتیٰ کہ وہ اوس کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے قوتِ دعاء اور ہمتِ باطن سے افاضہ اور کیفیاتِ حتیٰ کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق کا تعلق بہ نسبتِ آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالمِ برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئتِ بدن ہو یا بہیئتِ ذرات۔ لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں ہے۔ جہاں کہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے۔ مثلاً وہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کفوفوں سے متلذذ اور متاثر بھی ہو۔ لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزریں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے۔ بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا اُپ حصہ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی بہیئت پر یا بصورتِ ذرات۔ خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، زیارت کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں۔ جیسے بنص قرآنی شہد ارحمہم تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر تمہارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رغبت ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنص حدیث نبوی مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و اقارب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کہ نہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آ رہا ہے۔

بہر حال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے۔ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطر میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سہارا بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی یا خبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے ناراضا ذہن کی رسائی پہنچی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات و احوال کافی اکملہ علم ہو سکتا ہے۔

- ① ایک عینی مشاہدہ۔
- ② دوسرے عنبر صادق کی خبر
- ③ تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
- ④ چوتھے انکشاف قلبی۔
- ⑤ پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے مجتہد کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی۔ دوسرا کشف باطنی۔ تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت و اعتقاد۔ پانچواں عیان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس و نامکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی طبعی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر طبعی ہے، چوتھا اختیاری طبعی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موعبت من الشہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کر رہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ و رسول اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا: ہکذا انبعث ہم اسی طرح گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات، برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے مدخوش و خرم نظر آ رہے تھے۔
 چہرہ انتہائی بشاش اور انگوں سے پُر محسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق و خوشی
 سے لبریز آواز میں فرمایا۔ خدا ملتی محمد و اصحابہؓ کل کو انشاء اللہ ہم محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے، آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام
 ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس و تخمین
 سے ممکن نہ تھا بلکہ قرب یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے
 عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے
 گا کہ اس برزخی مقام کی حنفیہ ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ
 کامل و ثقیل اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین عالی تھا۔ اس لیے اس
 اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شکیاتی مقام کہیں گے اس میں ایک
 برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ و رسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام
 کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد و اشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو
 جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار
 کے پاس سے ذکر پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پندوں کے خول دیئے
 جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں
 باغوں اور نہروں سے منتفع ہونے کی آزادی ہوگی۔ لیکن جنت اس وقت ان کا
 قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قرار ہی مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو عرش
 میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

بیرا کریں گی۔

مزید اکرام و تشیّد کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرمادیا گیا کہ:-

تَحْشُرُونَ كَمَا تَمُوتُونَ وَتَمُوتُونَ كَمَا تَحْيَوْنَ۔

”ممتہار احقر اس حالت پر ہو گا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے۔“

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے جو موت سے شروع ہو کر یومِ محشر پر ختم ہوتا ہے، دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس اخروی مقام کے لیے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لیے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

لہ وہاں سے ان اوراق کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جاسکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الہی کی نوعیت معلوم کرو، پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گوہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علت وجوب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا، لہذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت بُرا آدمی تھا، خس کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی سب اقسام اس امت کی شہادت معتبر ہوگی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوحؑ کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیتی ہے ایک

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کافی اجملہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات اور شاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لیے ایک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔

عالم برزخ کی تفصیل اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ دستوں کا اندازہ کر سکیں۔ تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے جس میں ایک دوسرے کو جانتا پہچانتا اور ملنا ملنا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دارالقرار صرف عالم آخرت ہے۔ ان الدار الاخرۃ لہی الحیوان لو کانوا یعلمون۔

اگر آپ دنیوی حیات کے نقطہ سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں۔ ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں۔ انتقال دارين ہر جگہ ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افراد نہیں، اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔ اگر کہیں ابنِ نفوس قدسید کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقاء ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقاء رکا نہیں۔

سوان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جاسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں۔ طرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذابِ قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں جس طرح وہ زندگی پر دے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت و حیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو ہم موت کو کلمۃ اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی ہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پاسکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم و الم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و الم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں ہے یہ حیات کی ایک جدید نوع ہے جو ظاہر پردے میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالبہادی لکھتے ہیں:-

ان هذه الاعادة ليست مستلزما لاثبات حياة مزیلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية

والحياة جنس تحتہ انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لا ينافي الحياة

ہاں شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیات برزخی میں الے سے ہم موت اٹھا پاتا ہے ان لیے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس بعد ان کے لیے موت نہیں نہ انہیں مڑہا ہوا مردہ سمجھو۔

اسلام کا عقیدہ برزخ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لما بعد:

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے بُرے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بُرے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو (کیا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا قذات منتشرہ کی صورت میں) اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لیے مذکر اور اور مشابہ ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھلی ہو گی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عزلی میں برزخ کہتے ہیں۔ یہ برزخ زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان ان خبر دے سُن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ القریطی (۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

فاعلموا ایہم الاخوان ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرح بہ
الاحادیث الصحیحہ و لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بالبصار الخلاق و

اسماعہم من الجن والانس عن رؤية عذاب القبر وفعیمہ الحکمة
الہیة ومن شک فی ذلک فہو ملحد بلہ

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے۔ اور ہمیشہ
صحیحہ صراحت سے یہی بتا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے سوالوں کی آنکھوں
اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور صراحت کو اپنی حکمت سے پردے میں
کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ طرد ہے (اگرچہ
ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے
برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا
ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-

ومن لا شرعہ لما انا نحب المغنی علیہ متناو کذلک یضیق علیہ
الجوکضمة القبر ولا ینکر شیاء من ذلک من خالط الا یمان
قلہ بلہ

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں
اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو)
اور یہ اس کے لیے فتمۃ القبر (قبر کا داؤہ) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں :-

روح کا تعلق باوجود علیین و سجنین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور
ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار
دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔

دنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی، برزخی زندگی اور اخروی زندگی۔ یہ تین دورِ حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں برزخ میں یہ رابطہ تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم قصصِ شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے

① پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔

② وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔

③ جس دن آپ قبر سے زندہ اٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے:-

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ مَيِّتَ وَيَوْمَ يُحْيَا

(پ ۴۰ سورہ مریم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں۔ پوری دنیوی زندگی کے لیے

ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں

تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ ہاں

کھلی زندگی اسے آپ اس وقت اٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اٹھنا ہے۔ ان

تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

والتسلام علی یومہ ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاً۔

(پ ۱۱: مریم آیت ۳۳)

ترجمہ سلامتی مجھ پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب

میں مرے اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلاثہ ہیں یا مراد مواطن ثلاثہ ہیں

یہاں صرف یرم پیدائش یرم وفات اور یرم بعث مراد نہیں، مراد مواطن ثلاثہ ہیں اور

انسان ان تینوں میں الشرب العزت سے سلامتی کا طالب ہے محققین نے یہاں مواطن ثلاثہ

بی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر

پر لکھتے ہیں۔

فحص الله تعالى يحيى بالكرامة والسلامة في المواطن الثلاثة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت

بخشتی ہے۔

علامہ نسفی (۵۳۷ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلاثہ مراد ہیں۔

وذلك السلام الموجه الى يحيى في المواطن الثلاثة۔

آئیے اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔

علامہ قرطبی (۲۷۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری
 دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ ویوم اموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے
 اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم البعث حیات سے بھی آخرت کی پوری
 زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت وقات ام یوم البعث اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان
 بہت کمزور، عجیب پس اور نہایت مضحل ہوتا ہے۔ پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔
 علامہ قرطبی کہتے ہیں

وجاء فی المواطن التي الانسان فيه في غاية الضعف والحاجة
 پھر آگے جا کر کہتے ہیں۔

يوم ولدت یعنی فی الدنيا ویوم اموت یعنی فی القبر ویوم البعث یعنی
 فی الآخرة۔

اور حاصل اس دعا کا کہتے ہیں۔
 ضلّہ فی احوالہ کلّما

کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے
 امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایامِ ثلاثہ مراد نہیں لیتے۔ ان
 مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم اموت سے کل بزدخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن۔
 آپ کہتے ہیں۔

اعظم احوال الانسان احتیاجاً الى السلامة هي هذه الاحوال الثلاثة... فجميع

الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالى طلبها

ليكون مصوناً عن الأفلات والمخافات في كل من الاحوال

ترجمہ۔ انسان کے سب سے زیادہ ماحتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں.....
 سہ تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب
 ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات
 سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ ربانی پتی بھی یوم اموت کو صرف یوم وفات سے خاص نہیں کرتے
 اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور والسلام علی (مجدد سلامتی ہو) سے ایک
 نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی
 تھی۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت
 میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل ہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمیۃ للذلالۃ علی الاستمرار

ما حسب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فعدل الی الاسمیۃ لا رادۃ المدوام والثبوت۔

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلام کی
 طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے
 کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض
 جہاد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی
 بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جہاد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی
 کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد عذابِ قبر سے سلامتی ہے یا سلامِ تحیۃ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۴۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوالِ قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس سلام سے مراد سلامِ تحیۃ ہے۔ ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلامِ تحیۃ کہتے ہیں۔ اذ احتیستہ بتحیۃ فحقوا باحسن منہما (پیشکش ۲) میں السلام علیکم کہنے کو سلامِ تحیۃ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلامِ تحیۃ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت سحیٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطنِ وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلامِ تحیۃ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبر میں محض حماد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلامِ تحیۃ برابر آتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵) کہتے ہیں:-

والاظهر عندی انہما التحیۃ المتعارفہ فہی اشرف وانہ من
الامان لان الامان یتحصل بنفی العصیان عنہ وہی اقل درجاتہ
وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیہ۔

ترجمہ میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلامِ تحیۃ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیۃ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری آخروی زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام تجتہ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جہاد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں یہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں کیسی اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام و شرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

کیف تعرض صلوٰتنا علیک و قد اومت۔

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پردے میں ہوتی ہے اس لیے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لیے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

② قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بُری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذابِ قبر ہے۔ آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ۔

(پ ۲۴: المؤمن آیت ۴۶)

ترجمہ۔ اور آلٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔ وہ آگ ہے جس پر وہ پیش
کئے جاتے ہیں صبح و شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون
والوں کو سخت در سخت عذاب میں۔

فرعونوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ دُوبے
تو یہ دوسری زندگی شروع ہو گئی۔ یہ سوء العذاب ان پر آتا۔ اس میں صبح و شام وہ آگ پر پیش
کیے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون
کو اس بڑے عذاب میں ڈالو۔ یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی۔ بڑے عذاب میں داخل قیامت کو
ہے۔ اس آیت میں سوء العذاب اور اشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ عاقل
ابن کثیر (۴/۴۷۷) لکھتے ہیں:-

وهذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور۔

ترجمہ۔ اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بُری اساس ہے کہ قبروں میں
عذابِ برزخ ضرور ہے۔

③ دُنوی پکڑ کے متصل عذابِ اخروی

قومِ نوح اپنی غرقابی سے اپنی برزخی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ لوگ میں داخل غرق ہونے کے معالجہ ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیئے جائیں گے یہ ان کا اشد العذاب میں داخل ہوگا۔

مما خطبتہم اغرقوا فادخلوا ناراً (پ ۲۹: نوح آیت ۲۵)
ترجمہ: وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-
بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی السعیت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

④ انسانی زندگی کے تین دور

منہا خلقتنا کم وفيہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تلوة اخوی۔

(پ ۱۱۲: طہ آیت ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جیسے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوالِ قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبورِ ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ قبریں جن میں ہم ظاہر ادفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتار دے تو یہی سمجھ کہ یہی فیہا نعیدکم کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

برزخ کے احکام روح پر جلدی ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی بلکہ

قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہتا ہے یا وہاں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہیں جن کی محضر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ؟ حضرت بار بن عازبؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فتعاد روحہ فی حیاتہ فیاتیہ مملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلکہ

ترجمہ۔ پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس کو پوچھتے ہیں (تیرے عقیدے میں) تیرا رب کون ہے ؟ علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمائیں :-

دوی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ۔ امام احمد اور امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے۔

منع منظر گڑھ کے مشہر محقق عالم حضرت علامہ عبد العزیز قراریؒ لکھتے ہیں :-

ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال۔

۱۔ المصالح العقلیہ ص ۲۲۶ ۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸

۳۔ مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۴ ۴۔ نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲۲

ترجمہ۔ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ مدوح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے، روح تو کہ مٹی میں نہیں لیتی، سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن مدوح کے تعلق سے ہیں مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مددک اور مشاہدہ نہ ہو۔

حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث بلا نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے ٹٹلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے۔

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخریٰ۔

(پ ۱۲، طہ: آیت ۵۵)

حضور کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے ٹٹلے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہا نعید کہہ میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا، یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے ٹھہرنا ہے۔

⑤ سوالاتِ آخری میں ثابت قدمی کی بشارت

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة ویضل

اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء۔ (پ ۱۳، ابراہیم: آیت ۲۷)

۱۔ کتاب الروح ص ۴۴

ترجمہ۔ الثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو۔ قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (دراہم بچلا) دیتا ہے بے اضافہ کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دُنیا اور آخرت کے درمیان بزرخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دُنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا اگر اس دُنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس بزرخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں بھڑائی جابیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے۔

ان القبر اول منازل الآخرۃ۔

ترجمہ۔ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

سلف سے دونوں قسم کے اقوال رکہ بزرخ کو ادھر شمار کر دیا ادھر منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دُنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دُنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقع پر یہی کلمہ کو حمید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں بزرخ ہے۔ حضرت بلال بن عازب

لے متدک حاکم جلد ۱ ص ۲۷۱ و احوال البزخ اشبه باحوال الآخرۃ فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۱ تیسرے عثمانی ص ۳۲۵

فرماتے ہیں ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل في القبر يشهد ان لا اله الا الله... الخ
تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس معنوں کی
حدیثیں منقول ہیں..... ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں
آخرت سے مراد قبری ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق
قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا
عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور
ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش
نہیں تو پھر مفتیوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتوے کیوں نہیں دیا؟ — جواب یہ
ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے۔ محقق ابوشکر السالمی کتاب المہمید میں لکھتے ہیں:-

فلما عذاب القبر للمؤمنين من الجائزات وللکافرين من الواجبات
والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدواً وعشيّاً يعني فرعون و
قومہ دلّ انہ کلان صحیحاً فی احکام موضع و علی اتی حال و من
انکر هذا یصیر کافراً۔

ترجمہ پس جب مؤمنین کے لیے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے اور اللہ تعالیٰ
نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس سے
معلوم ہوا کہ عذاب قبر برحق ہے کہاں ہوا اور کس حال میں ہوا اور جو اسکا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

عاقلاً ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامیؒ ”مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے، لکھتے ہیں:-

ولا تجوز الصلاة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام
الكاتبين لانه كافر لتوارد هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم
ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا
منکر ہو یا کرام کاتبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تو اتر کا حکم رکھتی ہے۔
عذاب القبر کان ثابتاً بالاحادیث المشہورۃ التي يبلغ الحد المشترك
منها مبلغ التواتر وكان السلف الصالح متفقين على ذلك قبل ظهور
المخالفين۔

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تو اتر کو
پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے
آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی
نہیں دیکھا نہایت بے تکی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردات کو
دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تو لانا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔
منفی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:-

لہ فتح القدیر جلد ۲۴ مصر لہ تنقیح اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹

وہ عامیانه شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیل جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا ستانی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر تحجیک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجماد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی و روحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم بزرخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو ويعضد الله الظالمین کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ — اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگبرے۔

⑥ مرنے کے نہاتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم
اخرجوا انفسكم اليوم عذاب الہون بما كنتم تقولون على الله
غير الحق وكنتم من اياته تستكبرون ۝ ولقد جئتمونا فرادى
كما خلقناكم اول مرة۔ (پ الانعام ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس مال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں
میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو
اپنی جانیں۔ تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ
پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو ٹھٹھکانا ازراہ تکبر تھا اور
اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (ایک
ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری بذخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔
حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس پہلے
کی حاضری ہے۔ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے لے
گا۔ یہ عذاب بذخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

اسج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات بذخ کے انکار کے لیے بے عمل
آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون علی اللہ غیر الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا
ان کی یہ منہ اذراہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس بزدخی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا۔
 ثم انشأنا له خلقاً اخر فتبارك الله احسن الخالقين ۵ ثم انكم بعد
 ذلك لميتون ۵ ثم انكم يوم القيمة تبعثون ۵

(پ ۱۸: المؤمنون ع ۱)

ترجمہ۔ پھر ہم نے اُسے اٹھا کر کیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت
 اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرو گے
 پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے
 کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی
 کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی۔ كنتم تقولون على الله غير الحق۔ تم اللہ رب
 العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں۔ قرآن کریم میں جب مرتے
 ہی عذاب الہوں کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی
 کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انكم يوم القيمة تبعثون میں
 اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور مہمہدا حشر ہو گا۔ ظاہر
 ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی بزدخی حیات کا انکار
 ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے
 ہی بار بار پڑھ رہے تھے جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا۔
 مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

وہل اضدادہم الا الملوك

واخبار سوء و رہبانہما

⑤ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو ترمي اذيتو في الذين كفروا الملائكة يضربون وجوههم
وادبارهم وذوقوا عذاب الحريق هـ ذلك بما قدمت ايديكم
ان الله ليس بظلام للعبيد هـ (سُورَةُ النِّعَالِ ع)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو
مارتے ہیں ان کے منہ پر (محقق، اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے
ہیں عکچو عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے
اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :-
یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا.....
الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے
تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت
کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔
کیا یہاں کھٹے طر پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو
گئی اور عذاب اُترنے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔
یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر — سو یہ روحانی عذاب

عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پر وہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ اہل مذہب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مراقبات تک بڑا چمکتا رہے گا۔

دنیا۔ برزخ۔ آخرت۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ اضواء قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی پاتا ہے۔ کما یشی اللہ قولہ تعالیٰ حاکمًا عن لسان عیسیٰ ابن مریم والسلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم البعث حنًا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا۔ برزخ اور دار قرار۔ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کو تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

۴۵۲

عہ جسموں کو روح سے لا تعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا عثمانیؒ کا عقیدہ۔

ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحبِ روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔

۳۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جُدائی نہیں ہوتی بلکہ

۴۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے اس حشمت سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشتی پہنچنے نے بھی بتلایا ہے کہ اس تو وہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قرآن سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے وہاں استقرار ہو یا سیر اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسئلہ مسلمہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مدنیؒ لکھتے ہیں:-

ان ارواح کو ایک ملاقات اپنی قبر سے ہوتا ہے۔ روح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا بلکہ

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔

یہاں فرض یہ بتلانا ہے کہ حیاتِ انسانی صرف عالمِ ارواح میں بدنِ مستعلق نہیں، دنیا، برزخ اور آخرت تینوں جہانوں میں یہ بدنِ مستعلق ہے۔ ارشادِ قرآنی والسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم بیعث حیا آپ کے سامنے ہے۔ ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟ بدن سے۔ ولادت بھی بدن سے۔ موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت، موت اور بعثت کے بعد کی زندگیوں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان جس بدنِ عبادت یا معصیت کی ہے، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدنِ مستعلق سے ہو۔ یہ طبعی بات ہے کہ کسی جہان میں بدنِ احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک ہی ہو جائے بلکہ

عذابِ برزخ اور عذابِ آخرت

یہاں ہم عالمِ برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآنِ کریم کی آٹھ آیات سے ہم نے عالمِ برزخ ثابت کیا ہے۔ یہ ایک جہان ہے جو عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام اس میں اور عالمِ آخرت میں قدرِ شریک وہ نعم و عذاب کے جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا۔ یہ پہلا عذاب، عذابِ ادنیٰ ہے تو دوسرا عذابِ اکبر یہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

آخرت کے نعم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق انسان گناہ گزارا اور فطرتِ قصدا بھی تھی، کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا۔ آخرت کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے، انہی ریزہ ریزہ ہوتے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذابِ برزخ اور نعمِ برزخ بھی جب انہی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھٹلے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدنِ مستعلق ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جو اصل کی بنا پر آخرت میں یہ عذری بدنِ مہر و لطف و لطیف ہوگا۔ اسی اصول پر عالمِ برزخ میں عذابِ قیروں بدنِ مستعلق چاہے جس انسان نے گناہ کئے ہیں۔

قرآنِ کریم سے عالمِ برزخ کا نشان اور عذابِ قبر کا پر ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں آئیے آپ کو بتا دیتے ہیں اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

لے کما یشیر الیہ قول العارف الجامی ان المحشر یتراوی فیہ الحکمان فانہم

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادِ نبوت ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیاتِ برزخ کی خبر دی گئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلکِ محدثین کی وضاحت کر دی جائے۔ تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکامِ میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۴۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی وقتِ نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ کرامیہ جبریہ قدریہ اور شیعہ و خوارج کے بالمقابل عقائدِ اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سننِ ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپ اس میں یہ باب لائے ہیں۔

فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تو لے جائیں گے) پھر وہاں کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے باہم اختلافی مسائل تھے۔ معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذابِ قبر کے۔ امام ابو داؤد نے عذابِ قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلم (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفة المنافقین و احکامہم اور کتاب الحجۃ و صفة یغیمہا کے تحت اثباتِ عذابِ القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گریہاں و دہیے باب

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن بالله تعالیٰ عند الموت اور باب
 لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری
 بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو
 (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں صحیح مسلم کا باب
 عرض مقعد الميت من الجنة والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منه بتارہے
 کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف
 یا نقل و واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر محبت تمام کی ہے۔ اس کے
 بعد صحیح مسلم میں کتاب الفتن ہے ۷

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتول سے اللہ کی پناہ میں آنے کے
 باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپ نے اسی
 میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتول سے پناہ مانگی ہے۔
 امام نسائی (۴۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے
 الاستعاذہ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذہ من عذاب جہنم۔ یہ
 ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے،
 اور یہی عذاب قبر

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں۔ یہ نو کی
 نو مرفوع ہیں اور حضورؐ سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وفي الباب عن علي وزيد بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب

والجانيات والنس وجابر وعائشة وابي سعيد كلهم روا عن

النبي صلى الله عليه وسلم في عذاب القبر ۷

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صراح سنیہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خلیف تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت مل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں۔

① — الکبائر وعلامات بالنفاق

② — الوسوسہ

③ — الایمان بالقدر

④ — اثبات عذاب القبر

⑤ — الاعتقاد بالکتاب والسنۃ

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے۔ عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے محدثین کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسلک کمال کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بدلتے معاملہ سے مروی ہو اس کے تو اتریں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دشمنوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کمال کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب ایسے حدیث کی روشنی

میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جانتے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ — اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے کچھ چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

① — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

مر الانبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعدان وما یعدان
فی کبیر اما احدھما فکان لا یتتر من البول واما الآخر فکان
یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل
قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت هذا قال لعلہ یمخف عنھما
مالہم بیباۃ

ترجمہ! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں، ایک تو پیشاب کی پینٹوں سے سچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کے دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ہلکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں :-

① — یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی ادل درجے کی کتابوں میں ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب

ہوتے پایا، جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

سے بالکل لاتعلّق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

(۳) — پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی انہی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں مقامِ نجین پر رکھ رہے تھے؟ — یہ اسی نشانِ قبر کی بات ہے۔

(۴) — یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذابِ آخرت کہتے ہیں یہ عالمِ برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ عذابِ اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

(۲) — حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:۔

بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبنى النجار على بئلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا القبر ستة اذ خمسة او اربعة فقال من يعرف اصحاب هذه القبر فقال رجل انا قال متى مات هؤلاء قال ماتوا في الاشراك فقال ان هذه الامة تتبلى في قبورها فلولا ان لا تدافنوا موتاكم لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب العبد الذي اسمع منه.

ترجمہ: حضورؐ ایک خچر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے کہ خچر یکایک بدکا۔ قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو اتار ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپؐ نے پوچھا: کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دو بدشکر کے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاہ میں گھرے ہیں۔ یہ دُور نہ ہو تا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

میں خدائے دعا کرتا کہ وہ یہ عذابِ قبر متہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر رہیں۔

① — یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اصل درجے کی دو کتابوں

میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اس عذابِ قبر کی آوازیں سنیں جہاں

یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالم برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جاسکتا۔ یہی قبر

مومن کے لیے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ لیکن اس عدم ادراک

سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں۔ ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہیے اس کا

دوسرا کنارہ عالم غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے بغیر ان

امادیت صحیحہ صریحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ العزیز۔

③ — اللہ کے سنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سنایا جانا ممکن تھا۔

حضرت دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سن پاتے۔ حضورؐ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی

سنانے سے تھا۔ منوں مٹی کے بچے سے آوازیں سُنی جائیں یہ اسماع الہی سے ہے۔ بندہ

اسباب سے اتنے دُور سے نہیں سن پاتا۔

④ — حضورؐ اس دُنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں

باسماع الہی سن سکتے ہیں۔ تو جب حضورؐ خود عالم برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں

کی سلام معروض کو باسماع الہی کیوں نہیں سن سکتے۔ اس میں کوئی عاقل یا شرعی استبعاد ہے

جو اس کا انکار کیا جائے۔

⑤ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جہان کی آوازیں تو سن لیں لیکن یہ لوگوں

سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لیے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق

رکھتی ہے اور دوسری علم سے۔ عینب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اُسے

جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔
 (۶) — اس خچر کا اس عذابِ قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمتِ الہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدلال کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پہ واز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۳) — حضرت بلال بن عازبؓ فرماتے ہیں:-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل فح القبر
 يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله يثبت
 الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة .
 ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا
 ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ دنیا میں اور
 آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)۔

(۴) — حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع في قبره
 وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه
 فيقولان واما المنافق والكافر فيقال له لا دريت ولا
 تليت ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها

من يليه غير الثقلين . متفق عليه .^ل

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے مجرّموں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے۔

① — یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جلنے کی آواز سنتا ہے۔
② — فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سچین ہیں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

③ — وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عالم بزرخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔
④ — کافراؤں منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں یسممہا من یلیہ — سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جابیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

⑤

قال قال رسول الله ان احدكم اقامات عوض عليه مقعدہ بالقداء
والعقوان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار
فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله اليه يوم القيمة

ترجمہ :- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے جب کوئی مر جائے تو
اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جاتا ہے) صبح و شام دکھایا
جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر
وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا
ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا
آہوت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی
آنکھیں اسے عیلتیں اور سنجین سے دیکھ رہی ہیں۔ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان
ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی سے جلتے گی۔ کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جاتا
رہا ہے۔ هذا مقعدك فاخبر۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :-

⑥

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقر الميت انا
ملكان اسودان اندقان يقال لاحدهما المنكر والاخر الكير فيقولان
..... وان كان منافقاً..... فيقال للارض التي عليه فتلتئم
عليه فتختلف اضلاعه فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من
مضجعه ذلك رواه الترمذی

ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ ننگ
 نیلی ہاتھکڑیاں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں
 اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سمٹ آ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں
 تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا
 رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قبر سے اٹھا دے۔

② — حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔

استعیزوا بالله من خمس۔ ۱۔ من عذاب جہنم۔ ۲۔ وعذاب القبر۔ ۳۔

وفتنۃ المحیاء۔ ۴۔ والمعات۔ ۵۔ وقتنۃ المسیح الدجالؑ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو۔ ۱۔ عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)۔ ۲۔

عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)۔ ۳۔ زندگی کے فتنے سے۔ ۴۔ موت کے فتنے

سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور۔ ۵۔ مسیح دجال کے فتنے سے۔

③ — آپؐ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپؐ نے کہا۔

ان الیت یصید الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبورہ۔ الحدیث

ترجمہ: میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح

کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال

میں رہا۔ وہ کہتا ہے فی الاسلام۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا

ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپؐ ہمارے پاس روشن معجزات کے

ساتھ آئے اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی دے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

④ — حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا۔

اذا ادخل الميت القبر مثلث له الشمس عند غروبها فيجلس ميمع
عينيه ويقول دعوني اصلی رواه ابن ماجه

ترجمہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر
لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔
کاش کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔

⑧ — حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ
پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے
رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے
ساتھ تکبیر کہی — پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔
لقد تصانق علی هذا العبد الصالح قبره حتى قرحه الله عنده

ترجمہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے
اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور
یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو
معاف فرما دیتے ہیں۔

حضورؐ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے
ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا۔ جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں۔
⑨ — حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں۔

قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً فذكر فتنه القبر التي
يفتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجعة رواه البخاري

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں
آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبراہٹ) چیخ اٹھے۔

کیا حضور اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔
سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں
آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا
اس نے بتایا کہ آپ نے کہا :-

قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔

ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ
گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب العقود من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ مہ خالد
کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضورؐ سے روایت کیا ہو۔
لو اسمع احدا سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر ہا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے
(عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

⑩ — ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بڑھی یہودی
عورتیں آئیں اور مجھے بتایا۔ اهل القبور یعذبون فی قبورھم کو فتنہ شدگان کو ان کی
قبروں میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہودی کی تصدیق
کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے حضورؐ سے سدا
واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دونوں نے سچ کہا ہے :-

انہر یعدون عذاباً سمعہ الیہاۃ کلہا

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پاس ہے جسے سب چوپائے سن سہے ہیں عرف انہاں
اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے

ام المؤمنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دُعا کو
نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعدو ذلک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر۔ کیا یہ صحین میں عذاب سنتے
جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں اُن تک پہنچتی ہیں؟
نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بابت چار رکھی ہے
اور اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) اہل چوپائے
ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام صحین پر لے جاتے
ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آواز دے سکتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی
قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔
نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان محدثین کی آوازیں کہاں سے سنی
تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام صحین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی روحانیت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام صحین کی آوازیں سن رہے
تھے آوازیں وہاں سے آرہی تھیں۔ مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے
سن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں
کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا۔ یہ کن کی قبریں ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے
کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روش مشاہدات سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آئے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ مذہبِ قبر برحق ہے۔ قبرِ طاہر میں تو ایک گڑھا ہے۔ مگر اس میں وہ لائقِ مہنگائے سور ہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سُن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

زُحَیْلِی القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آئے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

پہلی صدی کے اعتقاد پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ھ) جو حدیث احوالِ بزرگ کے ماویٰ بھی ہیں کی دیانت بھی کی تھی۔ آپ کے دس و تیس کا دور دوسری صدی کا نصفِ اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بصرہ کے حیر و قدر کے معرکے اور احزاب و زوارِ جہاد کے قتل کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائدِ ملت کے تحفظ کے لیے اور حضرت کی اُمت کو عقائدِ بدعت سے بچانے کے لیے عقائدِ اسلام پر ایک

چھڑا سارا سالہ لکھا۔ عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا اہل ذکر کرتے ہیں۔

واعادة الروح الى العبد في قبره حق

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹا یا جانا برحق ہے

تیسری صدی میل قبل القدرائے حدیث کی صدی ہے حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں۔

الايمان بالمحوض والشقاۃ والايمان بمنكر ونكير وعذاب القبر و

الايمان بملك الموت بقبض الاواح ثم ترد في الاجساد في القبور

فيسألون عن الايمان والتوحيد

ترجمہ۔ حوض کوثر، شقاۃ، قبر میں منکر و نکیر کا آنا، عذاب قبر اس بات پر ایمان

لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں

لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے

(یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ

(۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آئیے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں

دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبریؒ (۴۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

ذكر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده ويأشبه الملكان فيجلسانه

في قبره فيقولان من ربك

ترجمہ۔ یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی

ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابو جعفر الطحاویؒ (۲۲۱ھ) جنہیں فقہا کرام اعلیٰ بمذہب ابی حنیفہ وصاحبہ لکھتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:-

نؤمن بعذاب القبر ونعمہ وجوال منکر ومنکر للمیت فی قبرہ عن ربہ ودینہ ونبیہ علی ما جاءت بہ الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اصحابہ اجمعین والقبر موضہ من ریاض الجنۃ او حفرة من حفر النيران۔

ترجمہ ہم عذاب قبر اور نعیم قبر پر ایمان لاتے ہیں... میکر و منکر کا قبر میں تین سوال پوچھنا ایسا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب صحابہ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا ہیمن کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو دوسٹ من ریاض الجنۃ نہیں کہا گیا۔ وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی دوسٹ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہوں گے۔

ما فذ ابو بکر الصّاحب الرازیؒ (۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:-

واذا جازان یكون المؤمنون قد احيوا فی قبورهم قبل يوم القيمة وهم ممنون جازان یحیی الکفار فی قبورهم فیعذبوا۔

ترجمہ اور جب یہ جائز ہے کہ مومن کو قیامت پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں۔ اور یہ بھی ہر سکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعیم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں کے کچھ بے عقل سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقی (۵۵۸ھ) امام ابو المنظر الاسفرائینی (۱۱۴۴ھ) امام
ابو القاسم عبدالکیم القشیری (۵۵۸ھ) ماحذ ابن عساکر الدمشقی (۱۱۵۵ھ) اور امام غزالی (۵۵۵ھ)
نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے
ابو المنظر طاہر بن محمد الاسفرائینی لکھتے ہیں:-

اخبرناهم بحیون فی القبر وقد ورد فی معنی احياء الموتی فی القبر وما
لا یحمی من الاوی والایخبار والما تدری

ترجمہ۔ آپ نے بخبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں
مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں
کہ گئے نہیں جاسکتے۔

وفیه احادیث کثیرة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب
ان الملکین یجئان فی القبر الی المیت ویحیی اللہ المیت فیئالان
ما ذکرنا وقد انکرت المعتزلة وعلمة المبتدعة هذا

ترجمہ۔ اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں
میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور
دو فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے معتزلہ اور مبتدعی لوگ
قبر کے اس سوال و جواب کے منکر ہیں۔

امام غزالی (۵۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

واما عذاب القبر فقد دل علیہ قواطع الشرع اذ توامر عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وعن الصحابة رضی اللہ عنہم بالاستعاذۃ
منہ فی الادعیۃ واشتہر عند المروءین انہما یعدّان و

دل علیہ قولہ تعالیٰ وخلق بآل فرعون سوء العذاب۔ اللہ میرضون
علیہا عندوا وعتیٰ و هو ممکن فیجب التصدیق بہ و وجہ امکانہ
ظاہر و انما تنکول العتزلۃ۔

ترجمہ۔ اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور اس شخصیت صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو ائمہ سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی مہلکوں
میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے بغیر مشہور کے مدجہ میں ہے
کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس
بزدخی عذاب پر قرآن کی یہ آیت طلعت کتی ہے۔ اور گھیر لیا آل فرعون کو بے عذاب
آگ جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور ایسا ہر ناممکن ہے۔ سو ضروری ہے کہ اس
کی تصدیق کی جائے اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے مقررہ کے اس کا انکار کوئی
نہیں کرتا۔
پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔

ولا یبعد ان تقاد الروح الی الجسد فی البتد ولا یبعد ان توخر
الی یوم البعث۔

ترجمہ۔ اور بعید نہیں کہ قبر میں روح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے
حشر تک موخر رکھا جائے (یعنی اس دوران روح کا بدن سے صرف تعلق ہو)۔

نوٹ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے متسک کیا ہے
اور ان کی تائید کی ہے۔

اب ذرا چٹھی صدی میں چلئے۔

علامہ بُزْهَانُ الدِّینِ المَرْفِیْیَانِی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الجبوتۃ فی قولہ العامۃؒ

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں جہور اہل سنت کے قول

کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۵۶۱ھ)

ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرح فیہ الاما دیت الصحیحۃ و

لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعہم من الجن والانس

عن رویۃ عذاب القبر و نعیمہؒ

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی

تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے

کافروں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ

نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت :-

وقد اجماع اہل الکشف ان المیت یحس بظغظۃ القبر و یحس

بأخلاف اضلاعه ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان

قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالامر ولو کانت

متفرقةؒ

ترجمہ سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور سلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو اس میت کا ایک ایک ذرہ اس آلم (مذاب قبر) کو محسوس کر لے گا گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ پٹی ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں بزنی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں :-
ثم المعبذب عند اهل السنة المجذب بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الحى جزؤ منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاءه كما نشاهده فى العادة او اكلته السباع او حيتان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للعشر وهو سميانه وتعالى قادر على ذلك فكذلك يعيد الحيوة الى جزؤ منه وان اكلته السباع والحياتان :-

ترجمہ پھر اہل السنۃ و الجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پوسے جسد کو یا بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہر تباہے گو وہ اس کے کسی ایک جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا ٹوٹنا اس کے لیے شرط نہیں۔ ہمارے اصحاب (اہل السنۃ و الجماعۃ) کا کہنا ہے عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندہوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے
 کھالیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو سو جیسے اللہ تعالیٰ ان خدایاتِ منتشرہ
 کو مٹ کرے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے
 سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں (گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو) حیات
 لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کلام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش
 کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور رد و دفع ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ
 دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال
 اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہیے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری
 نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تفریق کے
 قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو ہم صاحب بنبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔
 جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ اس وحدت میں ہے کہ بنبراسؒ میں یہ اضافہ کسی
 نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ ص ۲۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔
 امام نسفی (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں۔

عند العامة توضع فيه الحيوة بعد ما يتألم والحياة المطلقة وقيل
 توضع فيه الحيوة من كل وجه

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی
 ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے۔ وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
 ہر پہلو سے اس میں حیات لٹھائی جاتی ہے۔

۲۴ ٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدر الدین الحنفی (۷۷۴ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں :-

و كذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باقتناع اهل السنة والجماعة ۱

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باقتناع اہل السنۃ و الجماعۃ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے

انفس کہ اہل السنۃ و الجماعۃ کی یہ اجماعی پکڑ بھی جائزے و لگم گدھہ و مستدل گدھہ نہیں دکھا سکتی۔
علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (۷۵۶ھ)

وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحيوة في القبر وقال امام الحرمين في الشامل وقد اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر واحياء الموتي في قبورهم وروا الارواح في اجسادهم ۲

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمین نے لکھا ہے سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔
۲۔ مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور یہ کہ ارواح اجساد میں لٹائی جاتی ہیں۔

ان حياة جميع الموتي بدوا حياء واجسامهم في قبورهم لا شك فيها ۳

ترجمہ: اسلاف امت کے اگلے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے کی قیام کا کافی شک ہو سکتا ہے۔

تمام اموات کے لیے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح و اجساد کے ساتھ ثابت ہے یہیں کوئی شک نہیں۔

۱۔ شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳ ۲۔ شفاء السقام ص ۱۵۱ ۳۔ ایضاً

قاضی محمد الدین الایچی (۱۷۵۷ء) صاحب مواقف

احیاء المواتی فی قبورہم مسئلہ منکر و نکیر و عذاب القبر للکافر
والفاسق کلہما حق عنہ و اتفق علیہ سلف الامة قبل ظہور الخلاف
و اتفق علیہ الاکثرون بعدہ۔

ترجمہ۔ اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر و نکیر کے (وہاں) سوالات اور
عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت
کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت
کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحة المتواترة قدل علی عود الروح الی البدن وقت
السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره
الجمہور وقابلہم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن
وکلہما غلط والاحادیث الصحیحة ترحہ ولو کان ذلك علی
الروح فقط لم یکن للتبر بالروح اختصاص۔

ترجمہ۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر و نکیر کے سوال وقت مدح کے بدن میں ٹٹائے جانے کی خبر
دیتی ہیں اور سوال بدن بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے
اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں ممکنہ اور نکیر کا سوال صرف
روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی
ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال و جواب صرف روح ہو تو قبر کا روح سے کوئی
اختصاص نہ ہوتا۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة
والجماعة ۛ

ترجمہ: یہ قبر کا نعیم و عذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔
غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون ہے کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم و عذاب پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے۔

فقد صرح الحديث باعاده الروح الى الجسد وباختلاف اضلاعه
وهذا بين في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين ۛ
ترجمہ: حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح
ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے
کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔
حافظ ابن قیم (۵۷۵ھ)

ان مذهب سلف الامة واثمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم
او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه ۛ
ترجمہ: اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے
تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے
روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کہ حجت نہیں
مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر
حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر
کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:-

ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة

ۛ شرح حدیث النزول ص ۵۵ ۛ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۲۸۹ ۛ کتاب الروح ص ۶۴

قدر ما يدرك ألم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم إعادة الروح إلى بدنه ولا أن يتحرك ويضطرب.

ترجمہ۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے کہ میت اس عذاب کی تکلیف یا نعيم کی لذت پاسکے اور اس حیات کے لیے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لڑے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے جے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعيم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تقی زانی یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے۔ معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک باریک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے۔ علامہ تقی زانی کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں علی وجہ الازام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔

بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پاسکے۔ ہدایہ میں ہے :-

ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قوله العامة.

ترجمہ۔ اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

اب ذرا نویں صدی میں چلیں۔ علامہ عسک الدین الایچی (۵۵۷ھ) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف اسحٰر جانی (۸۱۲ھ) کی عبارت بھی دیکھیں۔

و اذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال
بعذاب القبر قال بهما له

ترجمہ۔ اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و
جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا انکار کرے اسے قبر کی
اس زندگی کا اقرار کرنا ہو گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۵۲) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن
پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں۔ بغیر
اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں :-

و خالفهم الجمهور فقالوا اتعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت
في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص
ولا يمنع من ذلك كون الميت فقد تفرق اجزاءه لان الله تعالى قادر
على ان يعيد المخلوقة الى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر
على ان يجمع اجزائه به

ترجمہ۔ اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے
بعض حصوں کی طرف لوٹاؤنی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف
روح پر ہوتا تو بدن کو اس کو فی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ
اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر
کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد
ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع
کر دے

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

قد ثبتت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله (عليه السلام)
انه يسمع خفق نعالهم وقوله (عليه السلام) تختلف اضلاعه لضمة
القبر وقوله (عليه السلام) يسمع صوته اذا ضرب بالمطراق و
قوله (عليه السلام) يضرب بين اذنيه وقوله (عليه السلام)
فيقعدانه وكل ذلك من صفات الاجساد.

ترجمہ: بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ
مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور کا یہ ارشاد کہ قبر کے
بلنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ
ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کھانوں کے
باہین ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے
سبٹاتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی
کیفیات نہیں۔

علامہ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الادواح تقاد الى اجساد عند المسئلة وهو قول الاكثر من
اهل السنة.

ترجمہ: بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لٹائی جاتی
ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے

ولا بعد في رد الحيوة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسألة

والعذاب وان لم يكن مشاهدًا لنا.

فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴۴ شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۳۱ فیما جلد ۸ ص ۱۴

ترجمہ۔ اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور
قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ کو ہم
ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱)

الحق ان الميت المعذب في قبره توضع فيه الحيوة بقدر ما يحس
بالآلم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق
الاجزاء بحيث لا تميز الاجزاء بل هي مختلطة بالقلب فيعذب
جعلت الحيوة في تلك الاجزاء التي لا يأخذها البصر وان الله
تعالى على ذلك لقدير

ترجمہ۔ حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات
رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا ایک جا ہونا
اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لیے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک
کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جا سکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے
عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر
پانہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

توضیحه۔ اما منع اقتضاء ذلك عود الحيوة الكاملة الى جميع البدن و
غاية ما يقتضى اعادة الحيوة الى الجزء الذي به فهو الخطاب و مراد
الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل يميزون
باطن قلبه واحياء جزء يفهم الخطاب ومجيب ممكن مقدور عليه
واموال البرزخ لا تقاس بعلوم الدنيا

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذابِ قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا صرف باطنِ قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور برزخ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اب دسویں صدی کی شہادت بھی لیجئے :-

امام سیوطی (د ۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وقال ابن تیمیہ الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغونی وحکی عن ابن جریر وانکره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم وآخرون منهم ابن عقیل وابن الجوزی وهو غلط والالم یکن للقبربذلک اختصاص به

ترجمہ ۱۰۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے متواتر احادیث سوالِ قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے دعوای

روح بلا بدن، قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانی (۹۲۸ھ) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کیے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا عاۃً روح کے بغیر محض النقال روح بھی ہو سکتا ہے صورتِ احوال جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا نہ پایا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

فمنہم من اثبت التعذیب وانکار الاحیاء وهو خلاف العقل وبعضہم لم یثبت التعذیب وھذا انکار لعذاب القبر ومنہم من قال باحیائہ لکن من غیر اعادۃ الروح ومنہم من قال بالاحیاء باعادۃ الروح معاً ولا یلزم ان ینے اثر الحیوۃ فیہ حتی ان الماکول فی بطن الحیوانات یحیی ویسأل ینعم وبعذب ولا ینبغی ان ینکر لان من اخفی النار فی الشجر الاخضر قادن علی اخفاء العذاب والنعیم۔

ترجمہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر جانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کیے جانے کے اور خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سر سے میت کے بزرخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر عاۃً روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو عاۃً روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذاب قبر کے لیے لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جاسکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھا لیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس میں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر میں ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہیئے جو ذاتِ باری سب اور تر و تازہ درخت میں لگ کر چھپا سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ عذاب قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پاسکیں اور نہ اسے سن سکیں۔

علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ (۷۹۷ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف — لکھتے ہیں علامہ علیہ روح کے پورے بدن میں لٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام احرارین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لٹایا جانے پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں۔

ان الحلیمی یقول ترد الروح الی جسده کله وابن جریر الطبری و
امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منه۔

ترجمہ علامہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام احرارین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (۷۹۵ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

والمعذب فی القبر یبقر ما یتالموبہ و هو اقرب الی الحق۔

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پاک کے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبد المؤمن المتامی (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لٹائی جاتی ہے فتعاد روحہ فی جسده لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اگلی میں لٹنے کے قائل ہیں۔ جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانیؒ سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں:-

جمع بان مقررہا فی النصف الاعلیٰ ولہا اتصال بباقیہ و قیل
جزم بہ القاضیؒ

ترجمہ دونوں باتوں میں تطبیق نہیں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر
کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال
اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔
دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔
آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:-
واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالى یخلق فی المیت فوع حیاة
فی القبر قدر ما یتالع و یتلذذ و لکن اختلفوا هل یعاد الروح الیہ
..... و المنقول عن ابی حنیفۃ التوقف الا ان کلامہ فہنا بدل
علی اعادۃ الروح اذ جواب المسکین فعل اختیاری فلا یتصور
بدون الروحؒ

ترجمہ۔ اور جان لراہل حق سب اس متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات
پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پاسکے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات
اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر... حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے
مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک
اختیاری فعل ہے اور وہ بدول اعادہ روح کے تصور میں نہیں آسکتا۔
ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے
سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس سے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں یہ آپ کے
سوچنے کی بات ہے۔

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله.

ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے (وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ) وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹانی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیتہً رد کر دیا ہے:-

تعاد روحه في جسده ظاهرا لحدیث ان عود الروح الى جميع اجزاء

البدن فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض
..... فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل.

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسم میں لوٹانی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں۔
..... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہوگا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔
آپ لکھتے ہیں:-

حتى يرجعه الله في جسده ای يورده اليه كاملاً في بدنه.

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسم میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لیے بیشک اسی دن ہو گا۔ واذا النفوس زوجت کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کٹتے بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔

طاعی قاریؒ ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

مکاتوہم بعض اویاب النقصان حتی جعلوا عذاب القبر روحانیا
لا جسمانیا والصواب ان عذاب الآخرة ونعيمها متعلقان بہما۔^۱
ترجمہ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض
ایک روحانی چیز بتاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے — صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور
عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم و الم تو ایک طرف ہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بخیر جہد تقوم میں آتے ہیں؟ حضورؐ
نے مرسى علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے :-
یہ حدیث حضرت مرسى علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپ
کو صرف نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے یہ وہ ائمہ
میں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جس کی شان ہے کہ وہ عمل نماز میں
ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے
اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔^۲

اب آئیے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کو مسلک کیا تھا۔ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۰۴ء) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی تردید کرتے ہوتے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقادِ تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں رقمطراز ہیں :-

پس بدنِ اول را از حصول احکام برنہ رخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ — و بدنِ ثانی را چوں حیاتِ ثانی اثبات سے نمایند حشر در حق او در دُنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقدانِ قتلِ روح معلوم نیست کہ بجزاب و ثواب قبر قائل باشند و بچتر و نشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطلالِ خود را بہند شیخی گرفتہ اند و معتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا۔

ترجمہ۔ اس دنیا والے بدن کو احکامِ بزرگ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذابِ ثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدنِ ثانی کے لیے جب یہ لوگ دوسری حیاتِ ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہر تاکہ وہ عذابِ ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیرِ طریقت بننے کے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدائے بڑے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخِ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

و آنچه ادعایہ و علی آئمہ الصلوٰۃ و التسلیمات ادا احوال آخرت خبر داده است ہمہ حق است از عذابِ گور و مضطربان و سوالِ منکر و نکیر و ارا و فنائے عالم و اشتقاقِ سموات و انتشارِ کواکب و برداشتنِ زمین و کوہِ بہا و پارہ پارہ شدنِ اینہا و حشر و نشر و اعادہ روح بجمید و زلزله ساعت و ہولِ قیامت

محاسبہ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتسبہ

ترجمہ۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ۔ اور منکر و نکیر کے قبر میں سوالات۔ اور پوری دنیا کا فنا ہونا۔ اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا امتداد۔ اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر و نشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا۔ اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب۔ اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

و اختلاف کرده اند کہ عذاب قبر بزندہ گم دانیدن میت است و در مقابلہ داشتن روح با دے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت اس راہ نباشد و حق آنست کہ یا حیا است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است برال بے

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

قطع مے کنم بعد حیات مرہر میت را چنانکہ در احادیث وارد یافتہ شد
ترجمہ مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث
میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۱ھ) اپنے مسک پر
حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند
ادباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان
ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت
فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من
ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات
في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان
نصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت لتكثرت له المشاهد ذلك فان
هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور الملكوتية

ترجمہ۔ اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے
ہوئے حقائق بھی ہیں۔ اگر وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں
سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہیئے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے
کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق
کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گزے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے
دیکھ رہے ہیں اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے دیکھتے انہیں
سامنے کاٹ رہے ہوں، کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی

کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کو دس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دنیا کی آنکھ امور ملکوتی (برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے ہرگز نہ ہوں۔ بلکہ ان احادیث کے ظواہر پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ نہیں پاتے۔ یہ کس میت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔ اسپیدان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں :-

فَلَا يَكُونُ الْمَوْتُ انْفِكاً لَّنَفْسِهِمْ عَنِ الْاَبْدَانِ بِالْكَلِيَّةِ بَلْ تَنْفَكُ
تَدْبِيْرًا وَلَا يَنْفَكُ وَهَمًّا ۝

ترجمہ: ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جدا ہونا)، کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلق تصرف (جس سے روح بدن میں تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (روح صیان اس کا ادھر قائم رہتا ہے)۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے ہوئے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

پر بجا مدت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہمیں پراگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لیے تو یہ تعلق روح بالبدن (الغالب) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کالمین کے لیے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بتائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہو گا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ بدن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکشف

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کشف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغائر کسی

بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی

کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی رعایت سامنے رکھ کر اب بدن تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانا فی نہیں ہے۔

اب آئیے یاد رہیں مدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۴۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں۔ بشرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیعذب اللحم متصلًا بالروح والروح متصلًا بالجسد وكذا اذا صار ترابًا يكون روحه بترابه والروح والتراب يتالمان
ترجمہ ہو اس گوشت پرست کو (اس غریب بدن کو) روح اتصال عذاب پہنچتا ہے اور روح کو بدن کے اتصال عذاب پہنچتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ندھوں سے متصل ہوگی اور اگر روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا الباطال حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے۔ سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح بستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند — حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی قیام و قعود، اور حرکت، اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ پائی گئی۔
آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح اس میت را بقدر یکہ ادراک و تالم و تلمذ از او حاصل شود و بہ بدنہ از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مختصرہ متعلق مے سازد و اس کار سرانجام

مے فرماید و محسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آہنہا نمے کند
 زیرا کہ ذوات اشخاص ملائمہ و جن را بحواس ادراک نمے کینیم چہ جائے کہ
 حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند المیتین ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس تکلیف و راحت پاسکے کسی
 عنصری بدن یا کسی مثالی بدن جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذاب قبر کو)
 پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت
 نہیں کرتا ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک
 نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب متعلق تمام اہل مذاہب کے
 ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدان عنصریہ اور ابدان مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ
 جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ابدان مثالیہ کے اقوال موجود ہوں
 گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے
 چل کر آپ اسی بات پر آ جاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند
 سطر بعد لکھتے ہیں :-

خدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ . . . روح آل میت را با وصف تعلقی کہ
 ببدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ اند ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے اس کا اپنے
 (عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء و اولیاء کا مقرر علیین ہے۔ لیکن
 ان ارواح کا اپنی قیروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

والد کے آنے سے متنازل ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپ لکھتے ہیں :-
 تعلق بہ قبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان و اقارب
 و دیگر دوستان بہ قبر مطلع و متنازل مے گردند۔ زیر کہ روح را قرب و
 بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود بلکہ

ترجمہ - ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے
 لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی ماضی کو پہچانتے ہیں اور مانوس
 ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں
 مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مُردوں کو بلانا صحیح طریقہ نہیں۔ دفن
 کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں :-

در دفن کہ دن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاوہ روح با بدن
 از راہ نظر و عنایت مجال مے ماند و توجہ روح بذاتہ ین و متانین مستغنی
 بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعین مکان بدن گو یا مکان روح ہم متعین
 است۔

ترجمہ - میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے
 ازراہ نظر و عنایت مجال مے ماند اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے
 والوں پر ٹپے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے معین ہونے کے باعث گو
 روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے۔ بدن عنصری سے یا کسی بدن مثالی سے ؟
 اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحب سے لیں :-

ارواح راتعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ مے باشد زیر کہ مدت
دراز دریں بدن بوردہ اند۔

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہو تلبہ قائم رہتا ہے کیونکہ
ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔
اور پھر نکلتے ہیں۔

ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص با جزاء بدن بعد مفارقت
از دے و تغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بدال علم و شعور بزمانہ
قبر و احوال ایثال دارد۔

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن بے مفارقت اور کیفیت
کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے
قبر پر آئینہ اول کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اُسچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں
گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت
عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دُنیوی زندگی تھی رجعت
میں عالم بندخ کا نہیں دُنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا۔
جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ
ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں شریف تفسیر
(۱۴۶ھ) مسائل ناصریہ میں لکھا ہے زمانہ مہدی میں ابو بکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایلان) کے ص ۳۸ سے مر تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابنی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے
اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس
عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا
ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک
نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح غریب علیہ السلام کو اس دنیا میں
حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور
وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اسی
بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطے سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے جس سے
کتنی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے
حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا یا اس دینِ قیم
فی جوہ ضاعتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کہیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے
کی حصار جانتا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے
ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور یکجا سلاستی
ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس
کے ذیل میں الم و راحت پلتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلاستی
ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس
بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے
ہم شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

در قبر احیاء و اماتت حقیقہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقی
 پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیه بدن ہمراہ اس نئے باشد تا معنی حیات متحقق باشد
 ترجمہ قبر میں حیات کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے غذا
 کا تعاون اور بدن کا نشرو نما ہو یہ ہوتا حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں ضرر یہ ہے
 کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشرو نما والی نہ ہو
 پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن — حضرت شاہ صاحب کی دیگر
 تصریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن
 پر نہیں — کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے
 گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشر سے کوئی برزخی علاقہ بھی نہیں
 ہے — کسی مصنف کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں
 ہی ہونی چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن
 کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تغذیہ باشد
 ترجمہ معذب (اصالتاً) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لیے
 ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کہ اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحب
 کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی
 نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سمجھے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے
 اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہو گا یا خیانت کا اقرار کرنا ہو گا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ

اپنے مسلک کی خاطر جو بڑا جانا سمجھتے ہیں۔ آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے اُن کے مجال میں کیے بھنس گئے۔

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة
وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالغفریہ محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا موقف آپ کے سامنے اچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا۔ تاہم اہلسنت کے اس عقیدے کی کبھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بدو صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذرقت بدن) دونوں کو شامل ہے۔ اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہِ دینی سمجھتے تو بھی بدنِ اصلی کو بزنج کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جاسکتا۔

اب آئیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نقیبہ رشید حضرت مولانا قاری ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۱۵ھ) کے مسلک کو بھی جیتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور اِس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت بابر بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹانی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقرعاتین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء
السابعة ونحو ذلك كما هو مقر ارواح الکفار فی سبعین ومع
ذلك لیکل روح منها اتصال بمجد فی قبره لا یدرک کمنه
الا الله تعالى وبذلك الاتصال یصح ان یرض علی الانسان
المجموع المركب من الجسد والروح مقعداً من الجنة والنار

وحيى اللذة اولا لم يسمع سلام الزائر ويوجب المنكر والنكير و
نحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة . . . قال النفسى فى
بحر الكلام هى متصلة باجسادها منها كالشمس فى السماء ونورها
فى الارض به

ترجمہ: وجہ تطبیق یہ ہے کہ مرنین کی روحوں کا مقدر علین میں ہے یا ساتویں آسمان
میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقدر مقام سحین ہے اس
سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں سکھے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت
کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور
روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی
حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا رہے۔ زائرین کے سلام کرنے
اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب و
سنت سے ثابت ہوتی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل
ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں
میں وسیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قارہ ہند کی بات نہیں۔ علامہ ابن عامر بن شامی (۱۱۵۲ھ) بھی اسی صدی سے
تعلق رکھتے ہیں آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولا یرد نقیذ البیت فی قبره لانه توضع فیہ الحیوة عند
العامۃ بقدر ما یحس به الالم والبینۃ لیست بشرط عند
اهل السنۃ بل تجعل الحیوة فی ملک الاجزاء المتفرقة لا یرد کما البصر

ترجمہ۔ اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا کچا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں، زندگی اجملے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پاسکے

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال المنكر والنكير حق وضغطة القبر حق فيعذب اللحم متصلًا بالروح متصلًا بالجسد فيقال الروح مع الجسد .

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر و نکیر کا سوال بہ حق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے۔ جسد کو عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسد کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے، احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه و سؤال التثبيت له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

وفيه ايضاً دليل على ان الميت ليسل في قبره وقد وردت به
ايضاً احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضاً
ما يدل على ان السؤال في القبر المختص بهذه الامة كما في حديث
زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة قتلت في قبورها
بذلك جزم الحكيمة الترمذیؒ

ترجمہ۔ اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کی
مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی استدلال ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا
جاء ہوتا ہے۔ اور اس میں حیاتِ قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے
احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے
کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں
صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت
سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس
امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذیؒ (۷) بڑے جزم سے اس کا قائل ہیں
یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر
کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکشاف قطعاً
اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شُرکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس ٹھہرنے اور میت کے لیے دعا کو صرف
مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے فقہ شافعی کی مشہور
کتاب منہاج میں ہے۔

وسین ان یقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة يسألون له التثبيتؒ

ترجمہ۔ اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لیے (میت کے لیے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔
منہاج کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر بن العاص کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے۔

اذا دفنتہ فی فا قیوا بعد ذلک حول قبری ساعة قد ما تنحد
جنور و یذرق لہما حتی استانش بکعبہ۔

ترجمہ۔ جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ سحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جاسکے (اتنا وقت اس لیے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گورہ ادنیٰ ہو اس امت کی خدمت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عذاب امتہ فی قبورہم۔

ترجمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپؐ کی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔ اب آگے چلیں۔

عمدة المحققین حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۶۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ

لکھتے ہیں:-

واختلف فی هذه الحیوة فذهب کثیر من السلف الی انها
حقیقة بالروح والجسد ولکن لا فذلک کہا فی هذه النشأة۔

۱۔ زاد المحتاج جلد ۴ ص ۴۲۴ ۲۔ صحیح مسلم جلد ۴ ص ۳۰۰ ۳۔ حجة اللہ البالغہ جلد ۴ ص ۱۰۰

۴۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۰۰

ترجمہ۔ اور اس قبر کی حیاتیں مختلف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح و جسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔
حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سمیت کو عذاب قبر ہوتا ہے
والجہمہور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال علی وجہ
لا یحس بہ اهل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منہم۔

ترجمہ۔ اور جبہر اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض
کی طرف لڑائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق ہو چکے ہوں
ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء
کو پھر یکجا کر دے گا۔ اور اس پر بزرخ کی واردات ہوں گی۔ یہ کوئی مسئلے کا رخ
نہیں ہے جب ہم اسے (روح کو) کسی اور بزرخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت
پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے
ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار
کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کر لے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک
اور حل ممکن ہے تو ہم اس سچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ
محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں، ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ سرے مقامات
پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ
وہ محکمین پر محبت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

اما القول بحياة هذا المجد الوهم مع عدم بنية وتفرق اجزائه
وذهاب هيئة وان لم يكن ذلك بسبب امن قدرة من يبدع الخلق
توحيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل
ولا عظيم منة له

ترجمہ۔ اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں کچا نہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا
اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشا ہے اور پھر
اسے نوٹائے گا۔ لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس
میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال و جواب اور اس کا انعام
و عذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے۔

یہ سیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی انداز جواب ہے
یہ آپ فیصلہ کریں جو عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو سیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزئ بل
هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لانها التي
يقوم بها الانسان من قبة يوم القيمة على ما اختاره جمع و
اعلم ايضا ان الروح على القول بتجرد ما لا مستقر لها بل لا يقال
انها داخل العالم او خارجه كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن
الذي يتعلق وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من
ان تتعلق نفس ببدنين فاكثر بل هو واقع عندهم و ذكر
بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلی والاخر مثالی
يظهر للعيان على وجه خرق العادة له

ترجمہ جان لو کہ روح کا بدن اقبال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پرتو انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا۔ بہت لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جان لو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے عیساکہ تم نے سنا اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہو گا جس سے وہ متعلق ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ دان کے ہاں ایسا واقع بھی ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی۔ جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

اب آئیے ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسنؒ (۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا غلیل احمد محدث بہار پوریؒ (۱۳۴۶ھ) مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۳ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت المجتہدین میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا ندیر حسین دہلوی

(۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

ثم السؤال عندی یكون بالمجد مع الروح بـ

ترجمہ قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جہ سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے

فان البدن بدون الروح جواد لا حوالہ له والروح بدون البدن

معطلة عن الافعال فاحاج احدهما الى الآخر فلما اشتد كافي

الكب اشتد كافي الاجراء الوزر بـ

ترجمہ۔ بدن بغیر روح کے ایک جمادی خیر ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر

بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس

جب یہ دونوں کسبِ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب ہیں تو یہ دونوں

(نیک اعمال کے) اجر اور (برے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لاجابة في اثبت عذاب القبر الى ما قاله الصوفي انه ان العذاب

على البدن المثالي دون المادی وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا

يعذب في قبره فان الاسهل ان يقال انه من عالم الغيب واقامة

الدلائل العقلية عليه جمل ومن يطبق ذلك بـ

ترجمہ۔ عذابِ قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے

تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور

اس صورت میں بدن مثالی کی تجویز پر استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب

پلٹے نہ دیکھ سکیں۔ اس سے زیادہ ہل بات یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں

(جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی تحقیق پر دلائل عقلیہ قائم کرنا

یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کہ بھی کون سکتا ہے۔

فہمید مفتی اعظم دیر بند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (۱۳۶۶ھ)

۱۔ قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علین ہے یا عین۔

۲۔ عذاب روح پر مع الحکم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب (۱۳۶۲ھ)

اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کرتی ہے اور

تعلق ہمیشہ رہتا ہے کہ بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث متواترہ وارد ہیں۔

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں کسی غلطی کو قرار نہیں، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی وار مجتہدین آتے رہے جو اس کے دین کو سیر دینی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ سو جو شہادت چودہ سو سال سے ایک ہی پہنچ پر آ رہی ہو اور مجہود علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے بالکل لا تعلق نہیں رکھا جاسکتا۔ اور ان واردات برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

ذاب صدیقی حسن خاں صاحب (۱۳۰۰ھ) لکھتے ہیں :-

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عودے کند روح بسوئے بدن وقت سوال واپس

تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔

ترجمہ روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور یہ تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

۱۔ فتاویٰ دارالعلوم دیر بند جلد ۵ ص ۴۲ مطبوعہ زیور بند ۲۔ تحریرات حدیث ص ۲۵۴ ۳۔ التثکیت ص ۳۳

وجملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد
جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست بل

ترجمہ جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر بزخ کے علم و شعور اور ادراک و سماع اور عرض اعمال میں
اور نظر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ بزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں۔
بزخ کی یہ قیاساً سبب حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔
امید ہے قواب صاحب کی اس تقریر کے بعد غیر متقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب
(گوجرانوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذابِ قبر کے باب میں اس عقیدے کو
شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسدِ عنصری دونوں کو شامل ہے۔
اللہ رب العزت جہدِ میت میں ایک ایسی بزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و
لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں
کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدن عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر
عذابِ قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہوا اہل سنت کو کسی ایک پر
اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت
سے باہر نہیں۔ ہاں جبنا اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ
کی گود میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا۔
محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹانے جانے کا ذکر
ہے۔ گو یہ ٹوٹا یا جانا دنیائی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے
بدن مدفون میں اتنی حیات مافی جا سکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

مسکب محدثین۔ بحث اِعادۂ روح

محدثین علم نبوت کے امین ہیں اور مشکمیں اس کے پہرہ دار۔ اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا مشکمیں نے انہیں اپنی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات، اور ان کی روایات سے شکست دی، لیکن دائرہ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں۔ فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جاسکیں لے جائیں اور کتاب و سنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقل السانی اُن کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ مشکمیں نے اپنے انداز میں فکرِ اسلامی کا پہرہ دیا، لیکن اِعادۂ امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سالیوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لیے صراطِ مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے۔ وہ نہ موردِ غضب ہوئے نہ راہ سے ہٹے اور بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباہ عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر جھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالمِ برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ مقام پر یہ پردہ کھول دیں، علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ ہم لسانِ نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے حضرت خضر کے سپرد کر دیں، آخر ہر بات کا جاننا

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں، کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادہ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی موقف پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لیے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماۃ الرجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبیین ہے ممکن ہے اور قرآن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہو جائے قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبیئوا صلیٰ ان تصیبوا

قوم بجمہالۃ فتصبیوا علیٰ ما فعلتم فادمین ۵

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبیین کرو اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقعی میں کسی قوم سے

جاکھو اور پھر اپنے کئے پر متہیں نہ اذیت اٹھاتی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جو نہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا ایک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو۔ جب تک اس کے خلاف واضح السبب

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبتین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا۔ جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر بھی بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے۔

ما من الائمة الا وقد طعن فيه طاعنون و هلك فيه هالكون۔

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا اگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ رواد کا اصل حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور محدثین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لاکھٹی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر ہے کہ تصحیح حدیث صرف تعدیق رواد سے نہیں ہوتی، ائمہ فن کی تصحیح و تعدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (۸۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

اذا العدة في زماننا ليس على الرواة بل على المحدثين والمفیدین
والذين عرفت عدالتهم وحسنهم في ضبط اسماء السامعين۔

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت باقی باچکی

اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا چاہیگا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں اگل سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے متقدرا امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:-

ومعصفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلم الحديث من اين قلت
هذا لم يكن له حجة. ۱۰

ترجمہ۔ اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتنی صداقت ہے آپ اگر کسی عقل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر محبت قائم نہ کر پاتے۔

حافظ جمال الدین سید علی (۱۱۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

ان الجرح انما جاوز في الصدر الاول حيث كان الحديث يوحذ من
صدور الاحبار لا من بطون الاسفار..... اما المتن فالعمدة
على الكتب المدونة. ۱۱

ترجمہ۔ جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں..... لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادہ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاریؒ

۱۰ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۱ ۱۱ الکامی فی تاریخ السخامی کما فی الرفع والتکمیل ص ۵

اور امام مسلمؒ کے اُستاد ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

حدیث اعادۂ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث اہمش سے لی۔ وہ اسے منہال بن عمر سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ زاذان سے براہ بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتریں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام عتین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ۔۔

منہا خلقتم و فیہا اعیدہم و منہا اخرجہم قارۃ اخریٰ بلہ
ترجمہ۔ میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا
اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔
اس کے بعد کیا ہوتا ہے اُسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں۔
فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلہ

ترجمہ۔ سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے؟
صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اسے ابو داؤد الطیالسی نے بھی روایت کیا ہے برقیہ میں میت روح کا پھر سے آنا اس کے عتین یا عیین میں جانے کے منافی نہیں۔

بلہ ماخوذ من
۱۔ منہ امام احمد جلد ۴ ص ۲۸۶ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۴۱ ابن جریر جلد ۱ ص ۲۱۴
مشکوٰۃ ص ۱۲۱ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۸ سنن ابی داؤد الطیالسی ص ۱۲۱ ہے فیذہ الی الارض فتعاد روحہ فی جسدہ۔

حدث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے۔ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:-

وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة وقمع المبتدعة به
ترجمہ۔ اور اس حدیث اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر کے منکرت تھے۔ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث بار روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح و جہد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی نہ بھاگل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر ص ۱) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاشمی بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲۵) تیسرا راوی منہال بن عمر ہے سجلی بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱ ص ۱۲۲) شعب اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اُن کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پرکی اُڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے:-

ليرى ص عنه ذلك وجرحه بهذا التفسير فظاهر وقد وثقه ابن معين
والعجلي وغيرهما

ترجمہ گھر سے ساز کی آواز کاٹنا جانا ان کے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحییٰ بن معین اور مجلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں مئی المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہو گا کہ یہ راز کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہو گئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں۔
اگر راوی ابو عبد اللہ زاذان الکندی ہے یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں۔ ثقہ لا یسئل عن مسئلہ۔

(تہذیب جلد ۲ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطا کہتے ہیں۔ لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے۔ ہوان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت برابر بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور آپ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں :-
اما المنہال فمن رجال البخاری وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف
على روايته وتلقيهما بالقول۔

ترجمہ۔ منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان پر اس کی روایت پر اور اس کی تلقین بالقبول پر سلف و خلف سب جمع ہیں۔
حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں :-

ولم يضع من قدح في صحة هذا الحديث شياء كابن حزم للنصره
لمذهبه الباطل۔

ترجمہ۔ جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نفرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔
یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کر نیوالے اور اُسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والرفاق کے ص ۲۴ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) میں دیکھے علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آئیناب چوٹھی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۴۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۱۲ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۴۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:-

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الْإِسْنَادُ

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ — ووافقه الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابو المنظر الاسفرائینی (۴۶۱ھ) بھی لکھتے ہیں:-

واخبرنا عندهم يحيون في القبور وقد ورد في معنى احياء الموتى في القبور

مالا يصح من الامي والاخبار والآثار

ترجمہ اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شملہ نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قزطبی (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

وروی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراءؓ

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت بلار بن عازبؓ (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

رواہ الامام احمد وغیرہ و هو حدیث اجمع رواة الامش علی شہرتہ و

استفاضتہ وقال الحافظ ابو عبد اللہ بن مندہ هذا الحدیث

اسناد متصل مشہور رواہ جماعة من البراءؓ

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے کئی روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ

تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ

نے کہا ہے اس حدیث کے سب روایہ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی

ہے اسے حضرت بلار بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

الحدیث الصحیحة المتواترة قدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نیکر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں

دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں۔

و هو حدیث صحیح صحیحہ جماعة من الحفاظؓ

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک

جماعت کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

هذه احديث مشہور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم
 احداً من ائمة الحديث طعن فيه بل زادوه في كتبهم وعلقوه
 بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين في عذاب القبر ونعيمه
 ومسئله منكر ونكير وقبض الارواح وصعودها الى بين يدي
 الله ثم رجوعها الى القبر۔

ترجمہ یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ
 حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں
 سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت
 کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب
 و ثواب اور سوال نیکرین اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اثر کے
 حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر میں چلے گئے کے باب میں ایک اصل
 ٹھہرایا ہے۔

فالحدیث صحیح لا شک فیہ۔

ترجمہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سبکیؒ (ص ۷۵۶) لکھتے ہیں :-

ورجال اسنادہ کلہم ثقات۔

ترجمہ اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین البیہقی (ص ۸۰۷) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

کے استاد ہیں نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، آپ لکھتے ہیں :-

رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح۔

ترجمہ۔ اس حدیث کہ امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔

نقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث۔

ترجمہ۔ روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔ دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح بالبدن وقت السؤال۔

ترجمہ۔ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبد الرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:-

زاد في حديث البراء فتعاد روحه في جسده۔

ترجمہ۔ اور حدیث براءؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔ سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

فتعاد روحه في جسده ظاهرا بالحديث ان عود الروح الخ جميع اجزاء بدنه۔

ترجمہ۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے۔

واختلف في ان الميت يعذب باحياءه في القبر او يجعل الروح في
مقابلته او يوع آخر ما يعلمه الله ولا نفسه ولا يظهر الا صوب
انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث.

ترجمہ: اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد
کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے کہ وہ جسد اس تعلق سے عذاب پاگے یا کسی اور طریقے سے جسے مذہبی جانتا
ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ
میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔
تیسرے ہر صدی کے حضرت قاضی شہداء الشربانی پتی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:-

فيعاد روحه في جسده وكذا قال في الكافر فيعاد روحه في قبره
قال ابن عبد البر هذا أصح ما قيل.

ترجمہ: میت کی روح اس جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے
میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لٹائی جاتی ہے بن عبد البر مالکی کہتے ہیں کہ اس سلسلے
میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شہداء (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے کہ اب کسی کو اس سلسلے میں
قیل وقال کی حاجت نہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر
ترجمہ: اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تواتر کے پہنچ رہی ہیں۔
مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:-
والجهم روى عن الروح المحمدي

ترجمہ: جہم راول اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لٹائی جاتی ہے۔

لے منقح المصنفات جلد ۱۸۹ لے تغیر منظر ہی جلد ۱۱۳ لے نیل الاوطار جلد ۱۴۹ لے روح المعانی جلد ۱۲۴

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں:-

احادیث متواترہ اند برہانکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال و این تعلق
ہمیشہ می ماند اگر جسد جلاں دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔
ترجمہ: روح سوال نیکرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث
وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے، اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے
ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودھویں صدی کے مولانا الیہ احمد حسن (ص) لکھتے ہیں:-

وقال الیہمقی ہذا حدیث صحیح الاسناد۔

ترجمہ: امام بہیقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔
والحدیث صحیح۔

ترجمہ: اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، اس کی روشنی میں
کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے باہم ایک برزخی
زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن منصری یا اس کے
ذرات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا
نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔ یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح
سے اور باہر غذا اور نشوونما سے۔ وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمییہ کے بغیر قائم ہوتی ہے
اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں۔ الایہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد
میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے کہ گناہ
کئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (۷۹۷ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہوتا ہے تو اس پر کافر ملنے کا کیا فائدہ؟ — حضرت علامہ نے جواب دیا۔

الحكمة ما هو مقرر عند اهل السنة والجماعة من ان البدن ينعم بالروح
النعيم كالروح وحيثما بقى اتصل به النعيم الى ان — فان البدن
بينه وبينها عناية الاذتيابط والمناسبة۔

ترجمہ جو چیز اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی
طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے
شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان دہی ہے کیونکہ بدن اور روح کے باہم ایک تعلق
اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو سمجھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟
فاجاب بالذم فی البخاری انه یسئل قاعدًا وکذا فی ابن ماجہ۔

ترجمہ آپ نے جواب دیا جو بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے سمجھا
کہ اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃ بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی منقطع
رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق نہ نایہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت
کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وچوں تو مے از مبتدعہ و اہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضے روانفص باشند انکار کردہ
انہ عذاب قبر را و احادیث شہرہ کہ قدر مشترک ازاں سجدہ ثواب رسیدہ

دراں درود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت و انکار ایشان
ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آل و اعتقاد بدال و اختلاف کردہ اند
کہ عذاب در قبر بزندہ گر دانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح
بادی یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدر یافت کہنہ حقیقت آن
راہ نباشد و حق آنست کہ با حیار است . چنانکہ ظاہر حدیث دالست
بر آن ۔

ترجمہ ۔ اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کر نیالے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی
بھی ہیں عذاب قبر کا انکا کہتے ہیں اور شہرت کے مدعی ہیں یہی پہنی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک
تواتر کے مدجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر
ہوتے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے
یا روح کو اس کجہد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں
۔ اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ
کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں ۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و
راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے ۔ لیکن یہ
حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم
و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال
سکے گا ۔ انہیں چاہیے کہ کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بدیں قدر الم و راحت در میت برحق
ہے ۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں :-

اگر ہمیں قدر بدانتدک پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بدال چیزے الم
وراحت در یابد در اعتقاد صحیح کفایت است بل

ترجمہ اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مرے میں ایک ایسی حالت پیدا فرمادیتا ہے کہ وہ اس
سے الم و راحت کا ادراک کر سکے تو معتدہ صحیحہ کیلئے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بجان اور بالکل بے حس و شعور مانیں تو پھر اسکے جتنی معتدہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔
ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے
اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام مقدرہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے
اطہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فی بعض مناسکہ

ثم یأتی الروضة بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعوا بما شاء ثم یأتی
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر..... ویقف مقابعدا
كما یقف لوظہر فی حیاتہ بخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف
مستحضرا بقلبه جلالة موقفه ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و
برکاتہ السلام علیک یا بنی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا
سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد غرالمجتہلین اشهد ان لا اله
الا اللہ واشہد انک رسول اللہ

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیلئے جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہوتی یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور شہ و نما اس کے آثار میں سے ہے

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و اعلیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی کی سخت میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہو گا۔ ہم نے اس کتاب کے نامیٹل پر یہ الفاظ علی حد میں لکھ دیئے۔ لیکن گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان بمباد اکثرت اس حیات صیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنایہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ رحبت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے۔ گویہ اس عالم کے لیے مکمل زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔ ایک سو یا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ مگر اس کے پاس بیٹھے

والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنادے کہ اُدھر لو پر عمل ہو اور اُدھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا جسد اطہر یہاں (اس دُنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حسی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں۔ جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے، جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دُنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا۔ جیسا کہ وہ روحہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

وهو اليوم كما وضع له

ترجمہ۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم و تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سُنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہی وسعتیں نہیں جہمیں روحہ مبارک کی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مسافتوں اور لحاظاتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت

جوان عجب اب اور کوالف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث مہمنا آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو بزرخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں۔ نہ اس میں تصرف آب و ہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ بزرخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدن حصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب غلاف اہل اللہ والجماعہ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۵، ۵۱۶) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم بزرخی میں روح کا عود کہ آنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدی نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الروح تعاد بین الجسد واکفان وھذا عود غیر التعلق الذی

کلن لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقاتہ حال النوم

وغیر تعلقاتہ وھی فی مقدھا بل هو عود خاص للمسئلة

ترجمہ بیشک روح بعد اور کفن میں لٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس بدن کے روح فیض میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقبر میں موجود ہوتے ہوئے بدن کے حامل تھا یہ سوال بخیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھر پلٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جوان تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح مقبر میں پلٹیں لٹتی ہے

شرح عقائد میں ہے۔

ويعود ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة
قدر ما يدرك الم العذاب ولذة النعيم وهذا الاستمرار اعادة
الروح الى بدنه ولا يتحول ويضطرب۔

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک
طرح کی حیات پیدا کرے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی
لذت پاسکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملتہ) لوٹے اور
مرفوضی ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جھے۔

یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیئے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔

یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ

لکھتے ہیں۔

ان الحيوة للميت كحيوة غيره باعادة الروح في الجسد اعادة
كاملة۔

ترجمہ۔ میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جدید
کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے
تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدید نوع ہو۔
ما فلان بن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں :-

هذه الحيوة ليست دنيوية انما هي اخروية۔

ترجمہ۔ قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

لا تشبه حيوة الدنيا۔ وہ حیات دُنیوی زندگی کی سی نہیں ہے۔

الحیوة فی القبر للمسئلة لیست الحیاء المستقرة للممهرودة فی الدنیا
التي تقوم فیها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الحما
یحتاج الیه الاحیاء بل هی مجرد اعادة لفائدة الامتحان الذی
وردت به الاحادیث الصحیحة ۛ

ترجمہ: قبر میں سوال و جواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں
علوی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے
اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں و جیسے غذا اور
نشوونما، بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعلاء روح ہے جس سے سوال و جواب کا وہ
فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمام کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطربغا (۸۷۹ھ) امام قزوینی سے
نقل کرتے ہیں:-

قال الامام القزوينی اختلافوا فی انه یخلق فیہ حیوة مطلقة کحیوة
قبل الموت اوحیوة بقتل ما یحس الالم والصنیح هذا ۛ

ترجمہ: علامہ قزوینی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا
کروی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی
ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔
سیدنا علامہ علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں:-

ولکل روح مجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة
الدنیاء بل اشبه شیء به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم
اتصالا و لهذا یجمع بین ما ورد ان مقرها فی علیین او سجین

و بین ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انما عند افئدة القبور
ترجمہ۔ اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک انصال ہوتا ہے جو اس انصال سے ہر
لے پہلے دنیا میں محتا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے وہ سونے
والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے انصال میں سونے والے کے حال سے
زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقر علیین
میں یا سجدین میں ہے اور اس میں جو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح
افئدة قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۱۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت

سے کہتے ہیں:-

در قبر احیاء امات حقیقیہ نیست..... کہ تغذیہ و تنمیه بدن ہمراہ اس نے
باشد۔

ترجمہ۔ قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ
بدن کو دیہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔
اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان
دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن
صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر اہم یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے۔ جس میں روح
نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں روح الی البعد
اسی درجہ میں ہے نہ کہ کمالاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے
محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

منہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں الیا پر یہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

① — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرامؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا۔ کیا یہ حضورؐ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپؐ زندہ ہوتے تو صحابہؓ آپؐ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ غلط کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

② — اگر صحابہؓ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابیؓ نے یہ کیوں نہ کہا۔ چلو حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپؐ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دنیا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں۔ حیات النبی کے

قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں — اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دُنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دُنیوی نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دُنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں۔ گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

③ — حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سُنانی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سُن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ لگے جہان کی آواز یہاں سُنی جائے یہ بدوں اسماح باری ممکن نہیں۔ بہتاریہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقالِ دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

④ — یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو دلم ہوں سُن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سُن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سُنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں۔ علمائے دیوبند آپ کے افعال و ادرین کے قائل ہیں۔ حضور کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عالم شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی۔ اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا۔ البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے مد رک اور مشاہد نہیں۔ الایہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھادے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپرٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم اس سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ — عاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔ اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی

رحمۃ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۱۸ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔ سو یہ ادراک مگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہی کے قائل ہیں۔

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اسے حیات دنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا لازم نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حضور کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں۔ (استغفر اللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعہ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات البنی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیات برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو اپنی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیر طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر بقروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشفی عوام کا سبب نہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں وکتی باللہ شہیدا۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دُنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ. (پ: ابراہیم: ع ۴۴ آیت ۲۶)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دُنیائی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت بابر بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے۔

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دُنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دُنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے یہ ایک کھلی دُنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دُنیوی زندگی ہے اسے بزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دُنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں :-

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مِنَ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ وَالْآخِرَةِ السُّؤَالُ فِي الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر فائز میں ہے :-

الحیوة الدنیا بمعنی حیاة فی القبر عند السؤال ۛ

ترجمہ یہاں بتا دیتا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قرار دیا قیامت دونوں منزلوں کے سوال و جواب کہ وہی الآخرة سے متعلق کہا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دین نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:-
قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر (حیوة دنیا میں) یا ادھر (حیوة آخرت میں) ہر طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں ۛ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے موطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے ۛ

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد
و احوال این وطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر و شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
مہراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نمادے گزارد۔

ترجمہ بڑھ صغریٰ ایک چھوٹا موطن دنیوی ہے یہ اس طرح کہ جس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے۔ برزخ کے
مثلاً مختلف جگہ لوگوں میں بہت تفاوت کہتے ہیں آپس میں انبیاء و اہل بیت کی قوم میں ہونے والے جیسے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم مہراج کی رات جب سرحد اسلام کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں ملز پڑھتے پایا۔

برسر مطلب آدمیم

اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذابِ قبر پر بحث کر رہے تھے۔ حیاتِ جنی کا مسئلہ غنما آگیا۔ کیونکہ یہ حیاتِ طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف مائل ہیں۔ مجبوراً اہل السنۃ و الجماعۃ عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدنِ عنصری سے ہے محض بدنِ مثالی سے نہیں۔ وہ متنے بھی ہوں مقدور باری ہیں لیکن حکمتِ الہی اسی میں ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو دیا اس کے ذرات منتشر ہوئے جو کامل صورت میں آخرت میں محذب ہو گا۔ دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے۔ عذابِ برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہیے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر۔ عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں۔ مجبوراً اہل السنۃ کا غنما یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقتِ اعادۂ روح سے قائم ہو یا تعلق روح سے۔ اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثینِ اعادۂ روح کے قائل ہیں اور مشکلیں معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے دعوتِ تبیین کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیاتِ برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پاسکتا۔ برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ بایں ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں، جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ گو یہ برزخی گناہ بھی بعض پہلوؤں سے موطنِ دنیوی میں سے ہو۔

حیات برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیا دار العمل ہے موت پر زنجیر عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیات برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا نور شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبور هم یصلون لشر فی ذکر الحیوة
افعالہا اصلہا اوراد مع الاجساد فان اجسادہم حرمات علی
الارض ۛ

ترجمہ۔ سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء
احیاء فی قبور ہم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں، افعال حیات کے
بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ
ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم برزخ عالم
تکلیف نہیں یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعبد ذلک
حتى یاتیک الیقین (پک جبرائیل ۹۹) حکم الہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب
تک موت نہ آجائے۔

سو عالم برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں۔ قرب الہی میں اور بڑھنے
کے لیے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی
لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جبکہ سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمال طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جہد کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں کچھتا۔ انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھادیں یا سنادیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ نہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ اَنْتَ مَيِّتٌ وَاَنْهَضُ مَيِّتُونَ پورا ہوتا اور آپ پھر براہ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدوں برزخ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد

۱۔ حضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم کو امتداد حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیات دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو موسیٰ حبیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت نے مجھے فرمایا:-

دلاحمد ایضاً من حدیث ابی موسیٰ بن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اوتیت مغانیم خزائن الارض والمخلد ثم الجنة فخيرت بين ذلك وبين لقاء ربي والجنة فاخترت لقاء ربي والجنة بله

مجھے زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں۔ پھر آگے جنت ہے مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی ہاں کہ مل میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔

اقم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں۔۔

انه لم يقبض بنى حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير فلما نزل به و
رأسه على وخذى غنقى عليه ثم افاق فاشخص بصره الى سقف
البيت ثم قال اللهم الرفيق الاعلى فقلت اذا لا يختارنا وعرفت انه
الحديث الذى كان يحمد متا وهو صحيح به

ترجمہ۔ کوئی بنی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے
پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ الرفیق الاعلى فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ
ہمارے پاس نہ رہیں گے۔ میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے
تھے کہ بنی کو (دنیا میں رہنے کا) اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو
اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دُنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو
بھی ایسا ممکن تھا اور قواعدِ شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دُنیوی زندگی
کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی
دُنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قربِ الہی میں اور آگے
بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں شل ہے اور یہ
برزخ کے پردے میں دُنیوی زندگی کا امتداد ہے گویا ہاں کی آنکھوں سے امتداد ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دُنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ
گزرتے تو یہ عین ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ معقہ اولیٰ میں الملک میت و انہم میتون کا وعدہ

پورا کرتے اور صعقتہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور فوق حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا وضو، (جو انبیاء کو بعد الوفاات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے) قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و اللطف ہے اس اعتبار سے آپؐ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک پہنچی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیتے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا سا جسد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ طار اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر پھر کر دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

انبیاء کا سلسلہ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل رکا نہیں۔ ان کی طاعات بار بار جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اور تھیل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہداء کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:-

سرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة والمدينة فمررنا
بواد فقال اعياد هذا فقالوا وادي الازرق فقال كافي انظر الى
موسى فذكر من لونه وشعره شيئا

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے۔ ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے۔ عارضی اور مثالی ابدان کے مجلیے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔
صحیح بخاری میں ہے۔

امام موسیٰ کافی النظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی۔

ترجمہ۔ موسیٰ کہ تو گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اترتے لہیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لہیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثناء کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لہیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں ان کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں مخیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں۔ لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری دوسری حدیث فاذا منیٰ

تاتبع یصلیٰ فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فان حقيقة الصلوة وهی الاتیان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح
لا بالادواح فقط۔

ترجمہ۔ نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجا لانا ابدان

سے ہوتا صرف ارجح سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مولیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون فلا مانع ان يحجون قال القرطبي حبت
اليهم العبادۃ فهم يتعبدون بما يجدون من دواعي انفسهم ۛ

ترجمہ: انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔
تو یہ بات ممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت
ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی
عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر وادی
صفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ
السلام کے گزرنے کی خبر دی، آپ نے کہا :-

مر به هود وصالح عليهما السلام على مبكرات خطهما الليف اذ هما العباد
وارد يتلسم النماز يلبنون يحجون البيت العتيق ۛ

ترجمہ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اوتھوں پر سوار آپ کے پاس سے
گزرے ہیں۔ ان اوتھوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی۔ ان کی لنگیاں — عمار۔
اور چادریں — ادن کی تھیں۔ تبلیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف
کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴، ۵، ۶) لکھتے ہیں :-

اسنادہ حسن ۛ

محدث شہیر حافظ ابوعلیؒ (۲۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی
برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آ سکتے ہیں۔ تاہم ان کا جہاں عالم برزخ میں رہتا ہے نہ کہ یہ جہاں
معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرخ ٹیلے کے پاس حضرت مہدی
علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ)
میں — نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور — کبھی فرماتے کافی
انظر الیہ۔ گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں۔
اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ولقد اتینا من ہی الکتاب فلا تکن فی حیرۃ من لقائہ۔

(پ ۱۲۱ السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی ہوئے کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک
میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ
یا نظر بندی نہیں ہے۔

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل
ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیلة الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری
جماعت انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰؑ کو ہی پایا تھا۔

حضرت علامہ الذر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي وقراءة القرآن عند الترمذيؒ

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیاتِ انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اراد بالحيوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطلة بخلاف المقربينؒ

ترجمہ۔ مدیت میں حیات سے مراد فعلِ اعمال ہے دُندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا، اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال تطل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں طاعلی قاریؒ تقریر فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں سر و کار اعمالِ حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں۔

الانبياء بالافعال المختلفة اما تكون بالاشباح لا بالارواحؒ

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے۔ صرف ارواح سے نہیں۔

حیاتِ شہداء کی بحث میں حیاتِ انبیاء کی یہ بحث منہا آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآنِ کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے

یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فیاض حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت فوج، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پر آنا اور حضور کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے۔

فَلَا تَكُنْ فِي مَرِیۡۃٍ مِّنْ لَّاۤتِیۡۃٍ۔ (پ ۲۱: السجده، آیت ۲۳)

ترجمہ۔ آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح الشہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء نے حضور کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پاسکتا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔

جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں متحد ہوتی ہیں۔ انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متحد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجسادِ اصلہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح و اجسام دونوں سے ہو۔

عاقلاً ابن حجر عسقلانی^۲ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

وَالَّذِیۡنَ صَلَّوۡاۤمَعَهُ فِی الْبَیۡتِ الْمُقَدَّسِ فِیَحْتَمِلُ الْاُرُوۡاحُ خَاصَّةً وَیَحْتَمِلُ الْاَجۡسَادُ بَارِزًا۔

ترجمہ۔ وہ انبیاء جنہوں نے اس رات حضور کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف بد میں متعبد ہوئی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

ان ارواحهم تشکلت بصورة اجسادهم و احضرت اجسادهم للاقاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلك اللیلة تشریفاً و تکریماً و یؤیدہ حدیث عبد الرحمن بن ہاشم عن انس نفعہ و بعث لہ ادم و من دونہ من الانبیاء۔

ترجمہ۔ ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں ایسا حضور کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدم اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے (حاضر کئے گئے)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضور کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آپہنچنا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور جانے میں کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پاسکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذن الہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں — اور

یہ فاصلہ آمد آنا یا نہاں یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہد نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء کا اصلی اجماع کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان خفائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے تھے۔ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے۔ تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

صلواتہم فی اوقات مختلفہ و فی اماکن مختلفہ لایردہ العقل
و ثبت بہ النقل فدل ذلك علی حیاتیہم۔

ترجمہ۔ ان کی (بیت المقدس میں) تہا ز اور وقتوں میں بھتی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقاتِ انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

و امثل من ارسلنا من قبلك من رسلنا أجمعنا من دون الرحمن الہمة
یعبدون۔ (پ ۲۵، زخرف، ع ۴۴ آیت ۴۵)

ترجمہ۔ اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

نے بنائے ہیں رحمن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضور کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لا کر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے مہلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں:-

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

اول معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اہنی کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (۱۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی۔ ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے:-

قيل هو على ظاهره بان جمع له الرسل ليلة الاسراء وقيل المراد امم من اهل الكتابين۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر مرتجح نظروں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔
فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراءؑ

ترجمہ۔ سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حضورؐ اور حضرت موسیٰؑ) لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قبل مو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراءؑ

ترجمہ۔ اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کا بارات آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے۔

پُرانے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جاسکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسوال فہنا معان عن النظر فی ادیان الانبیاءؑ

ترجمہ۔ انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے، امام فخر الدین رازیؒ (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:-

القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقۃ الا

اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عندہ ومن لم

یعرف شیاء لم یخص فیہ

ترجمہ۔ اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا ہے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے اس کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیے اُترے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں :-

فلما فرغ من الصلوة قال له جبریل اسئل یا محمد من ارسلنا هکذا قول الزهري وسعيد بن جبیر وابن زید قالوا جمع له الرسل ليلة الاسراء وامران يسأل به

ترجمہ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر، ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعيد بن جبیر قال ليلة اسرى به لقي الرسل وفيه
واسئل من ارسلنا به

ترجمہ۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔
قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کہتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم بعث الله له ادم
واولاده من المرسلين الى ان قال جبريل تقدم يا محمد فصل بهم
فلما فرغ من الصلوة قال جبريل سل يا محمد من ارسلنا اليه

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی جیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی
سیر کرانی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے کے تمام انبیاء بھیجے گئے
یہاں تک کہ جبریل نے کہا: حضور! آگے بڑھیں۔ پس آپ نے انہیں نماز پڑھا
جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے حضور سے کہا: آپ ان سے
پوچھ دیجیے۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے:-

واسئل من ارسلنا..... الایة قال الزهري وسعيد بن جبر وابن زيد
ان جبريل قال ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم لما اسرى به فالمراد سوال
الانبياء في ذلك الوقت عند ملاقاته بهم صلى الله عليه وسلم وبه قال
جماعة من السلف

ترجمہ:- اور آپ پوچھ دیجیے ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ زہری،
سعید بن جبر اور ابن زید کہتے ہیں جب حضور کو معراج کی سیر کرانی گئی تو جبریل نے
حضور سے یہ بات کہی۔ سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے
وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت
نے کی ہے۔

علامہ محمد آلوسی (۱۲۷۰ھ)

اخرج الطبرانی وابن مردويه وايضا في المختارة بسند صحيح عن
ابن عباس انه قال في الآية اى من لقاء موسى واخرج ابن ابى حاتم
عن ابى العالىہ انه قال كذلك فقل له اوتى عليه الصلوة والسلام
موسى قال نعم الا ترى الى قوله تعالى واسئل من ارسلنا ... اراد بذلك
لقاءه صلى الله عليه وسلم اياه ليلة الاسراء كما ذكر في الصحيحين و
غيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف وقاله
المبروحين امتحن الزجاج بهذه الآية وكان المراد من قوله
فلا تكن في مربة من لقاءه على وعده تعالى بنبیہ عليه الصلوة والسلام
بلقاء موسى وتكون الآية نازلة قبل الاسراء.

ترجمہ طبرانی اور ابن ہرثمہ حضرت ابن عباس سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی ماتم ابو العالیہ (۹۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ انہوں
نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ پر چھا گیا کیا واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا
اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور
صحیح مسلم اور رد مسری کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک
جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبروکی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی۔ جب آپ نے زجلج کا اس آیت
میں امتحان لیا اور یہی مراد الہی ہے اور اس آیت میں فلا تکن فی مربة من لقاءہ
آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر رہے گی، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو موسیٰ سے
ملاقات کرنے کا وعدہ دیا تھا یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی رد مسویہ
ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا۔

عن قتادة قال سألتهم ليلة اسرى به لقي آدم وخازن النار قلت هذا هو الصحيح في تفسير هذه الآية.

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا۔ آپ آدم علیہ السلام سے میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) زہری (۱۲۴ھ) ابو العالیہ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔ چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) بغدادی (۵۱۶ھ) امام نسفی (۵۳۷ھ) امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ) قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)

نہیں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ) شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آکوسی (۱۲۷۰ھ)

اور چودھویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی مراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کی یہ اقتداء اور حضور سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح واجہاد سے تھی اور بزنج میں ان کے اجہاد کو یہ پیرایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجاہدی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہیے کہ اگر انبیاء کرام اپنے ارواح واجہاد کے ساتھ اس رات حضور سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس موقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ تو حید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ تو حید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر لے چیرہ دستاں الحذر

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے ماضی کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرات و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لیے کہ کہیں ان کے معتقدان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطی (۷۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ

لہ ولقد اتینا موسیٰ الكتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ قال قد کان قتادہ یفسرہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد لقی موسیٰ لیلۃ الاسراء... ووافقہ علیہ جماعة منهم المعابد والکلبی والسدی۔ (فتح السہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

فرمائیں کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کیئے۔ اعلیٰ قارئیٰ لکھتے ہیں:-

قال الحافظ السيوطي استشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان
اجسادهم مستقره في قبورهم واجيب بان ارواحهم تشكلت بصورة
اجسادهم اذا حضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم
فلك الليلة تشريفا وتكريما له

ترجمہ: حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں (حضور کی) ان انبیاء کرام آسمانوں پر ملاقات ہر ایک امکان
دار ہے۔ آج اجساد غفری تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان کی ارواح خود ان اجسام کی صورت میں متشکل ہو گئی ہوں یا ان
کے اجساد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے اور آپ کی تشریف و تکویم کے لیے
(ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ الشرب الغزت کی قدرت ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟
پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں:-

الذين صلوا معه في بيت المقدس ثم اجسادهم كادوا حمهم
لطيفة غير كشيعة فلا مانع لظهورهم في عالم الملك والملكوت
على وجه الكمال بقدر ذوالجلال فان حقيقة الصلوة
وهي الايمان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح لا بالارواح
ترجمہ: جن حضرات نے حضور کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رات نماز پڑھی
..... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کشف نہیں ہو
یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں الشرف والجلال کی قدرت سے اس کامل
پیرایہ میں (روح و بدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں نماز کی حقیقت

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شفا ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (مساوائے حضرت عیسیٰ کے) اور یہ قدرتِ خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی بات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اس طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشیبِ احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام ملاقات ہوئی تھی۔ حافظ سید علیؒ (۱۱۹۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

فَكَذَلِكَ عِيسَىٰ إِذَا نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ يَرَى الْأَنْبِيَاءَ وَيَجْمَعُ بِهِمْ وَمِنْ جَمَلَتِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْخُذُ عَنْدهُ مَا احتاجه اليه مِنْ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ لَهُ

ترجمہ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر آئیں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور سے ملاقات

حافظ ابویعلیٰ (۴۰۷ھ) حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لن قام على قبري
فقال يا محمد لا جبتك له

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آکوسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسے حافظ ابویعلیٰؒ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

انه عليه السلام ياخذ الاحكام من نبينا صلى الله عليه وسلم شفاها
بعد نزوله وهو صلى الله عليه وسلم في قبره الشريف وايد بحديث
ابي يعلى والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لن قام على قبري
وقال يا محمد لا جبتك له

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر ان سے موافقہ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محد ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور (سلام کہیں)

یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فليس لکن فحج الروحاء حاجا او معتمرا فليقتن على قبري فليسلمن
علي ولا ردن عليه۔

ترجمہ: حضرت عیسیٰ روحانہ کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر
بھی حضورؐ پھریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام
دناؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ حج و عمرہ سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے۔

یہ سن ابن مریمؑ فحج الروحاء حاجا او معتمرا اولیٰ شہیمائہ

ترجمہ: حضرت عیسیٰؑ حج روحانہ کے مقام سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں
گے، بتدیہ پکاریں گے یا دونوں کا قرآن کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرمؐ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برترخی زندگی میں — البتہ لیلۃ الاسرار کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات

اپنی دنیوی زندگی میں تھے — اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس رات شرف

صحابت بھی پاگئے۔ کیونکہ معافی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو جب کہ آپؐ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے، ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو

اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسرار میں حضورؐ کو دیکھا تھا — مگر آپؐ

چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابو بکر صدیقؓ

کا ہی رہا۔

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے
اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے پھینتے نہیں۔ ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں
نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی — حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نور اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر
قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی
حکم نہ ہو) نہ آئے گی۔ یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور
حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسہ
کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی — لیکن کب؟
جب اللہ چاہے ان کی دنیوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف خفیہ کا ہی مرقف نہیں۔ فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الار دبیلی^۴
م، فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الارار لا اعمال الارار میں لکھتے ہیں:-

وكان صلى الله عليه وسلم يؤخذ عن الدنيا عند تلقى الوحي ولا تسقط
عنه الصلوة وغيرها من يراه في المنام فقد رآه حقاً ولكن لا يجب
العمل بما يسمعه الراى منه لعدم ضبطه و يخاطب بعد الموت يقول
السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في
قبورهم يصلون ويحجون كما ورد به

جب برزخِ موطنِ دنیوی میں سے ہے تو عالمِ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح ہنر پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں۔ انبیاء کرام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضور سے ملے کوئی امر بعید نہیں ہے۔ اجسامِ لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے، اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کلن له قلب او القی السمع وهو شهید۔

ان اعمال کو (جو ان حضرات کے عالمِ برزخ میں جلدی ہیں) ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزل موطنِ دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:-
برزخ صغر لے چوں از یک وجہ از موطنِ دنیوی است گنجائش ترقی دارد
واحوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتند دیدند
کہ در قبر نمادے گزارد۔

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو موطنِ دنیوی میں ہے یہ اس طرح کہ جس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف جوں کے موگوں ہیں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء احوال میں تفاوت رکھتے ہیں اور عبادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے انداز گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (پ ۴، حجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم نبیخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شان ارتقائی ہے۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یادِ الہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یادِ الہی کا ثبوت

وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا۔ (پ ۱، الاعراف: ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور وہ کہیں گے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشنی۔

وقالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده وادرننا الارض (پ ۱، زمر: آیت ۴۷)

ترجمہ جب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

وله الحمد في الآخرة۔ (پ ۱، السبا: ع ۱۰، آیت ۱)

ترجمہ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے۔

دعواهم فيها سبحانك اللهم۔ (پ ۱، یونس: ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ۔ اُن کی پکار جنت میں ہو گی سبحانک اللہم وبحمدک۔

وقيل الحمد لله رب العالمين۔ (پ ۱، زمر: ع ۸ آیت ۵۷)

ترجمہ۔ اور وہاں آواز سنی جائے گی الحمد لله رب العالمين۔

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ محمد باری کی صدائیں ہوں گی یا الہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایذوی وہاں بھی قرب الہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللہ تعالیٰ بھی پڑھیں الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھیں سحتاتِ سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوقِ عبادت کے لیے نہیں پڑھی جاسکتیں
حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلهمون التسبیح والتحمید

ترجمہ۔ ان کو اس میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔
عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی جاری ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فاما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وماکان من سئی استغفرت اللہ لکم

ترجمہ۔ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے
مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے ہوں۔ ان پر میں محمد باری سجا لاتا ہوں جو بُرے ہوں۔ ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

مسلم ہوا آپ کی وفات ایک امر آئی نہیں بلکہ ایک پورا امر طعن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔
یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوہاً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں۔ جبراً امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محفوظ رہے اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہونا تھا۔ جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ تو ریث ہوگی نہ تملیک۔ ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس پر حقیقہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا مٹھانویؒ کے الفاظ میں پڑھیے :-

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں
ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات
کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب
کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن

لَا اَعْدَةَ عَلَىٰ اَزْوَاجِهِ لَآ اَنْهَ سَقِيَ فَنَزَلَ جَهَنَّمَ بَاقِيَهُ (ترغابنی علی المصابیح ج ۵ ص ۳۳۲) لَا اَعْدَةَ
عَلَيْهِمْ لَآ اَنْهَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّىٰ فِي قَبْرِهِ وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْاَنْبِيَاءِ (مترقات ج ۱ ص ۱۵۶)

کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیسیوں سے بعد مریانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان بنی اللہ حی یدمرق۔

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ اہمت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے ورنہ ازدواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا۔ حالانکہ انہوں نے تاحیات اہدامت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جاسکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اور دل کی وفات جیسی نہیں۔ آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیات انبیاء میں کریں گے۔ انبیاء کے برزخی اعمال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ادراج شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر سُنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

جمعہ کے دن مومنین کی روضیں اُن کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں:-

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا تو اسے وہ روضیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پر علامہ مسہودیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

جب احاد مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا۔

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی — برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے اٹاک ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے اٹاک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

انفال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جاسکتی ہے ؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں :-

ليس المراد بالحي فنهنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية
بل ما يدرك الاله واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا يكون
خيالا جادا . . .

ترجمہ یہاں زندہ ایسا زندہ ملو نہیں جس میں روح (کاملہ) نہ مانی گئی ہو اور اس انفال اختیار یہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی ملے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت قبر پاکسے سوجب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہو گا نہ زندہ ہو گا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی جہت کے قائل نہ تھے اور ہمیشہ براہ بن عازبؒ گو علماء اہل سنت کے ہاں تو اثر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تو اثر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ تمسکین نے اعادۂ روح کی بجائے انفال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبد العزیزؒ پر ہاروی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

هذه اجواب اشكال اورده المعتزله . . .

ترجمہ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت جواب الزام ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

بسیارے انداز شاعرہ و خفیفہ دراعادہ روح تردد کردہ اند و ملازم روح و حیات
را منع نموده .^۱

ترجمہ بہت سے شاعرہ اور خفیفہ بھی روح کے میت میں لہٹنے میں تردد کرتے ہیں اور
اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کرنا ضروری ہے۔

اعادہ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کاملہ نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے
یہ اعادہ مستمہ نہیں۔ اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادراک ہوتا ہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں
اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادہ روح کے خلاف
پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پکڑا امر آیت ۴۲ میں ہے :-

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی مناہا فیفسک التی

فقتنی علیہا الموت ویرسل الآخری الی اجل مسمی۔

ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مرے

ان کی کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنے کا ٹھہرایا اور

دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کر لے موت والے

کی روک رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ

جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور

نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ ۱۔ روح کا بدن سے نکلنا اور ۲۔ آثار حیات

کا باقی نہ رہتا۔ نیند والے سے آثار حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغدی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک جلدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثار حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ رو کے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے رو کے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تقاد الی جسده (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

① — قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک دموت والے کی روح روکے رکھنا، اور ارسال نیند والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا دونوں اسی جہان کے عمل ہیں۔ جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔

عالم آخرت میں روح کا بدن میں لوٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مستلزم ہے۔ ہوا امساک اُن کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں — پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

② — موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے۔ موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کتنا ہے اور اس سے وہ زندگی نہیں ملتی جو اُس پہلے اس دنیا میں حاصل تھی۔ قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ای یقبضہا عن الابد ان بان یقطع تعلقہا تعلق التصرف فیہا عنہا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طرہ کہ اس کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تنہیہ کی صورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مہتمم نانویؒ (۱۳۶۳ء) بھی لکھتے ہیں :-

ان جانوں کو تو تعریف فی الابدان کی طرف عدد کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں محفل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کہ وہ تہا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تعریف کرنے لگتی ہیں۔

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادۃ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کہ جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تو اتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۰ھ) لکھتے ہیں :-

فامساك سببانه الق قضي عليه الموت لا ينافي ردھا الى جملھا
الميت في وقت ماردًا عارضًا لا يوجب له الحيوة المعهودة في الدنيا
واذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته عين حياة المستيقظ
فلان النوم شقيق الموت فهكذا الميت اذا اعيدت روحه الى بدنہ
كحال النائم المتوسطه بين الحي والميت فتامل هذا يزيح عنك اشكالات
كثيرة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد متیت کی طرف لٹانے کے متنافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی۔ اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیتہ موت کی

بہن ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں ٹوٹا جاتی جائے تو اس کا
مال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل
ہے۔ — اس پر غم نہ کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات
نازل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں
یہ عام اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبور سے ہے۔ ان کے مزارات کو جہاں تاہین
حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ حنبت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

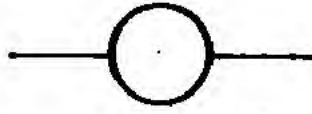
حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں
حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک
کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدوجہد اور جوش
و دلولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آگیا۔ جب یہ
بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی
قبر ہے۔ اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ
کرتے۔ یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی اردئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ
جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

قبر کی وسعت و وسعت کو اس ظاہری قبر سے کلیۃً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے
مقتل نہ ہونے دینا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دُعا کیجئے اللہ
تعالیٰ حق سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے مقبرہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

فقیہ اہل محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار۔ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے۔ اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے امنا ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت

میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتانے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے مشکلمیں اُٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی۔ قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پردے کی پہلو کی خبر مزید تھی۔ افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں مشکلمیں کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسلک العلماء کے دعویٰ ہوئے۔ حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے معتزلہ اور کرامیہ کو لا جواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ چارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔



قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

۱۔ واسئل من رسلنا من قبلک من سلنا۔ (پہلا سورہ) اولقد اتینا موسیٰ الکتاب فلا ین فی موت من قبلک (پہلا سورہ)

۲۔ ولا تقول المن یتقل فی سبیل اللہ لیسوا رب البقرہ) ۴۔ بل ایلہ عند ربهم ین قوت ربک آل عمران)

یہ آیات اگر اس موضوع پر عبارتہ انفس نہیں لیکن ان میں اس پر دلالتہ انفس موجود ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں :-

- ① قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالتہ انفس سے ثابت ہے
- ② انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے
- ③ انبیاء کی یہ حیات بعد الوفا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سبب علم حق قائل گزرے ہیں۔
- ④ جن علماء نے قرآن سے حیاتہ الانبیاء ثابت کی ان کے لیے دعا ہے زادہم اللہ شرفاً ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔
- ⑤ ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لا شعور دن زندہ کہ ان کے لیے پرندوں کی سی زندگی پر غور کریں۔



قبر کی حقیقت

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

قبر کا شریعت نے اس کی ولایت لغوی کے وراء کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا۔ یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت و منہج بتائی جو اس دُنیا سے پردہ غیب میں ہے۔ سو اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جلنے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعی قبر نہیں ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دُنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

۱۔ رواہ ابن ماجہ ۳۱۵ ۲۔ ینقال للارض القوی علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یرال فیہا معذباً حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک رواہ الترمذی جلد ۱ ص ۱۲۶ ۳۔ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرة من حقو النیران ۴۔ حضرت شیخ محمد ربوی لکھتے ہیں۔ والمراد بالقبر عالم البرزخ وهو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بكل منہما (ترقیح الملحقات جلد ۱ ص ۱۸۹) قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ اس گمانی کہ مردہ را درو گو رکند۔ (اشعۃ الملحقات جلد ۱ ص ۱۱۱) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دُنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

صلوٰۃ (نماز) کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی مخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی مخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں۔ قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فصاحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفن (یا اس کے ذراتِ منتشرہ) سے اشراق و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے، بنگلوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور۔ دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات بالنی فرقے کے لوگوں کو تو چھٹی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاعات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھوجائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فصاحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء و صادقین کو ملنگ بننے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی۔ جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارہ اور سر ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جاسکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد بہ الحفرة التي يدفن فيه الميت قرب میت لا يدفن كالفرق والمحروق والمأكول في بطن الحيوانات يعذب وينعم۔ (تفہیم المسائل جلد ۱ ص ۱۸۹)

کی کیا ضرورت ہے۔

آئیے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کبھی کہیں کسی اور غیب کی وادی پر بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک آنیوالے وقت کی خبر دی گئی ہے — فرمایا:

اِذَا الْقُبُورُ سُئِلَتْ. (نپ: الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کُردی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی۔ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے پھوڑا۔

مُردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد۔ یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مُردے زندہ کر کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اُپر آجائے گی۔ سب قبریں زیر و زبر کُردی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی وادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر عاضری دیتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی:۔

اِذَا بَعَثَ مَا فِي الْقُبُورِ. (نپ: العاديات آیت ۹)

ترجمہ جب اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مُردے کو کہاں پر وہ ملتا ہے؟ قرآن پاک میں ہی دیکھئے:۔

فَامَاتَہ فَاتَبَرَه۔ (نپ: عبس آیت ۱۱)

ترجمہ پھر اُسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مُردے کو پرے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔
یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں — وہ اس
لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے۔

لا تفصل علی احد منهم مات ابدًا ولا تقم علی قبره۔ (پ: التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)

اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پر کھڑے تھے۔

وقام علی قبره۔

ترجمہ۔ اور آپ اس کی قبر پر ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے
کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم ذیہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں
قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم
کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ۔ اس کی وسعت و فسحت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی
کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا آگے کی ایک برزخی وسعت ہے
مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟
بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں
کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں
تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کناء اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی
دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا
انکار کیسے نکل آیا؟ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کلام
کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر احادیث کی روشنی میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كُنْتَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزِدُوا هَذَا

ترجمہ میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا :-

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ ۖ

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے الحدیث۔

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے — یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ ملین کی جگہ

کے لیے ہے۔

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا :-

يَهُودٌ تَعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا ۖ

یہاں قبور کیا انہی گروہوں کو نہیں کہا گیا ہے — کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔

④ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟

اِنَّ اَوَّلَئِكَ اِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَلَتْ بِنَوا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ۖ

ترجمہ۔ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس)

جائے عبادت بنادیتے۔

⑤ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھئے صحیح مسلم جلد ۴ ص ۴۴۶ کا باب ما بین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ — الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں:-

ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ متفق علیہ
ترجمہ جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے ما بین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے
ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں۔
⑥ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے:-
قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبورا بنیائهم مساجد
ترجمہ۔ اللہ سیہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد
گاہیں بنالیا۔

⑦ ایک اور جگہ ارشاد ہے:-

(عن ابن عمر مرفوعاً) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن
زارنی فی حیاتی۔

ترجمہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے
جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

⑧ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا: اس کی
ضرورت ہے۔ مگر کس لیے؟

لقبورنا و بیوتنا ہمارے قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے ۛ

یہاں قبور اپنی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن کیا جاتا ہے نہ کسی پرے کے جہان کو۔

⑨ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے :-

يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم وانتم سلفنا ونحن بالانث ۛ

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سوا اپنی قبروں کے پاس ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

⑩ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا :-

لا تؤذ صاحب القبور ولا يؤذیک ۛ

ترجمہ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیت میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذا رسانی کے لیے جاسکتا ہے؟

⑪ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ان هذه الامة تبدلی فی قبورها فلولان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمکم

من عذاب القبر ۛ

ترجمہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم

اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرنا کہ وہ تمہیں بھی

عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

⑫ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لسانِ شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تفصلوا الیہا۔^۱

ترجمہ۔ تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

⑬ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اذا وضعتہ موتا کفر فی قبرہم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔^۲

ترجمہ۔ جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

ملاحظہ کیا اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کر دیکھو کہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ

⑭ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا
المساجد والمسوح۔^۳

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں

جائے عبادت بنانے والے مردوں اور ان ویسے جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائراتِ قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالمِ غیب کی کسی بستی میں نیارتِ قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

⑮ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

۱ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۵ ۲ مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۶۶ ۳ رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۵۱ سنن نسائی

جلد ۲ ص ۲۲ طحاوی ص ۲۵۶ اولہ فی الشکوۃ ص ۱۵۲ وتمامہ فی ص ۱۵۳

بعد نفل دفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے نفل قبر سے کون سی جگہ
مراولی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضہ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی — اس پر کبھی فرست
میں غور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

يُتَوَلَّى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ وَيَمْكُثُ خَمْسًا
وَارْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِى فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ بَيْنَ ابْنِ بَكْرٍ وَعِيسَى ۝

ترجمہ حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد
میں بھی ہوگی پچیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس
میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے
اعدہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بائیں ہوں گے۔

(۱۹) ایک اور جگہ ارشاد فرمائی ہے :-

لِيُتَوَلَّى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ثَلَاثَ لَيَالٍ قَامَ عَلَى قَبْرِى ... لِأَجْبِيْتَهُ ۝

ترجمہ حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لیے)
ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

(۱۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ قبر کے کہہ رہے تھے؟

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِى وَثَنًا يَصِلَى إِلَيْهِ فَإِنَّهُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى
قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ۝

ترجمہ اے اللہ! میری قبر کو معبود بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں اس قوم
پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جلے عبادت بنالیا۔

۱ مشکوٰۃ ص ۲۴۸ ۲ روح المعانی جلد ۲۲ ص ۳۵۵ ۳ الاحادیث للشیخ علی بن عبد الرحمن ص ۲۹ ۴ النصف

لعباد الزقاق جلد ۱ ص ۴۴ ۵ نسخہ فی جلد ۸ ص ۲۶۴

ترجمہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یہی ناکہ جسے ہم روضۂ رسول کہتے ہیں
 (۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟
 الارض کلہا مسجد الا القبر والحمام

ترجمہ کل صغیر زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔
 (۱۹) پھر آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ
 نے اعلیٰ علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا
 مشاہدہ کیا تھا؟

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکئیب الاحمر وهو قائم صلی
 فی قبرہ

ترجمہ جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میری قبر موسیٰ پر گزرا وہ سرخ ٹیلے کے
 پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا
 اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ
 رکھ کر خود بھی بھٹکے اور اوروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں انہیں یہ رحم کرے۔

(۲۰) حضور کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرماتے ہیں۔
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی
 روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جادو محض کی روشنی
 اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ پھر حضور نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق — صحابہ کرامؓ کے بیانات میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا علم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر — اس پر غور فرمادیں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں، حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

مراتبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما لیعدبان ۛ

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحمد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں :-

کان یجمع الثلاثة والاثنين فی قبر واحد ۛ

ترجمہ: جن دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے تھے۔

③ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :-
القبر القبر ۛ یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیے۔

④ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا دخل رجلاً قبرہ لیلاً واسرج فی قبرہ۔
ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا
اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

⑤ حضرت بیدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ :-

واوصی بريدة الاسلمی ان يجعل فی قبرہ جریداً۔
ترجمہ: حضرت بیدہؓ الاسلمی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی
رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھا یا کچھ اور۔

⑥ حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۷ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور
میری قبر پر پٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا کھرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جاسکتا ہے
تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر بخیر) کا جواب دے سکوں۔ آپؐ فرمایا:-
ثم اقیما حول قبری و ہما یفجر الجذور و یقسم لحمہما حتی استئناس بہما
واعلم ما اذا راجع بہ رسول ربی۔

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد مٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا
گوشت تقسیم ہو جائے۔ میں تم سے (اس دو ملان) مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ
اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

من السنۃ ان تأتي قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل
ظہرک الی القبلة وتستقیل القبر بوجہک۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر قبلہ کی طرف سے
آؤ پھر مہتاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور مہتارے چہرے کا رخ
قبر کی طرف رہے۔

⑧ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قبر امرأة بعدما دفنت به .

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ)
پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

فلان کریم۔ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی
زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین
برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی
زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آ رہا ہو جاتی ہیں
یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
فَيَقَالُ لِلْأَرْضِ التِّي عَلَيْهِ قُتِلَتْ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اضْلاَعَهُ .

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا ہو زمین اس
پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آ رہا ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آ رہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب
ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں۔ لسانِ شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار
اور تو اتر امت سے ایک کھلا انکار ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہرِ شریعت کا انکار کر رہے
ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پٹے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آئیے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سن لیں۔ صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندیؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ ان الزائر یتقبل القبۃ ویستدبر القبلة۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) عاصی دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے۔ دین کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال پر عقل و امکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور مشکلیں جب معتزلہ کے اسکا فی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مُردوں کے لیے جوڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے۔ یہ عالم بزنج کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے۔

ولیس المراد به الحفرة التي يدفن فيه الميت فرب ميت لا يدفن كالغریق

والمحروق و الماکول فی بطن الحیوانات یعذب و ینصر ویسأل بہ

ترجمہ۔ قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا حبس جنگل کے حیوانات

کہا لیں اور وہ ان کے پیٹ میں ہوا سے بھی تو عذاب قبر تو ہوتا ہے اور سوال و جواب کی ذمہ داری آتی ہے۔
قاضی شمس الدین صاحب بھی اقرار کرتے ہیں :-

اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفوری الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب الجنائز میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفوری الارض ہے مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب و حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں :- اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث دفعہ کے سہارے کن لوگ چل رہے ہیں اور کن لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث دفعہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضورؐ کے بہت بعد ہوا ہے۔

الانبیاء اخیلوا فی قبورہم یصلون العظام مدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کن سا انصاف ہے اور کن سی شان علم ہے۔
شہداء اعد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضورؐ گزرے اور فرمایا :-

اللہم ان عبدک ونبیک یشہد ان ہؤلاء شہداء وانہم من عبادہم
سلم علیہم الیوم القیۃ مرادوا علیہ

ترجمہ :- اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زمیر کی قبر پر پھڑپھڑے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنیک یشهد ان هؤلاء شهداء فأتوهم وسلموا
عليهم فلن يسلم عليهم احد ما قامت السموات والارض والرحمة اعلیٰ

اے اللہ! تیرا بنی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس
آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک
زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ۔ عالم ہرزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی قطعیت
نہ تھی۔ اعلیٰ علیین یا سجدین نیکوں اور بُروں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو اعلیٰ کے دفتر کا نام
علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لیے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سجدین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے۔ جسے
متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ اطلاقاً صحابہ اور امام ابو حنیفہؒ کی شہادت
آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت
ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ
تمام لذتوں کو مشادیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی :-

انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت
الدور واه الترمذیؒ

ترجمہ۔ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں
کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح
کے مسکن ہیں۔ یاد رکھیے قبر آخر قبر ہے۔ اور وہ یہی ہے

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب کے سامنے یہ تحریر لکھی۔ اور حضورؐ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے۔ وفات کے بعد بنی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں یہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوة و سلام سنتے ہیں بلکہ محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے لگالی ہے۔ تذکیر آخرت سے ہمیں

انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا سرحوم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دُعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑپڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لیے دعا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے۔
قبر پر دُعا کے لیے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے :-

وَلَا تَصِلْ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقْعُدْ عَلَىٰ قَبْرِهِ .

(نپ: التوبہ، ص ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے۔ کس لیے؟ دُعا کے لیے۔
حافظ ابن کثیر (۴، ۵) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دُعا کی۔ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ
حتی قبضہ اللہ بہ

سیدنا حضرت عثمان روایت کرتے ہیں :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ
فقال استغفروا لا ھیکم ثم سلوا لہ التثبیت فاتہ الاھن یسئل بہ

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

اگر یہ سوال وجواب اسی قبر میں نہیں تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کیوں؟
 کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا
 کر دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جنازہ میں موجود تھے آپ کہتے
 ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم
 کے لیے دعا فرمائی:-

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يده

ترجمہ جب آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑا ہے تو فاتح مصر تیدنا حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے
 بیٹے حلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے
 دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا تاکہ میں تمہاری عافری
 سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب
 دے سکوں:-

ثم اقيموا حول قبوري قبري ما ينحز جرد و يقيم لهم ما حتى استانش

بكم و اعلموا ما اذا ارجع به رسل ربى

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر پر جس میں لوگوں
 نے اوقت آپ کو اتارا ہے۔ یہ سوال وجواب جس پر پورا تر نے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ
 علیتین میں یا اس قبر میں۔ اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھ ہے تو خدا را انصاف کیجئے حضرت
 عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر اگر کس طرح ان سے مانوس ہونے کے
 طلب گار ہیں۔

سوال و جواب اسی قبر میں

قبر کا سوال و جواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں۔ سو اس سے سوال کہاں ہوگا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا سئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضرت نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں۔ سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بناء پر ہے۔ ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے مچھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہوگا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:-

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او کل موضع فیه مقبرہ
فہو قیدہ

ترجمہ۔ جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا بروہ جگہ جہاں اس میت کا مقرر ہے وہی اس کی قبر ہے (جہاں یہ سوال جواب ہو گیا)۔ یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے عینین اور سجنین کے مقامات مراد لے لیے۔ کاش کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپ اس بحث میں لکھتے ہیں:-

(وفی الآخرہ) اعیالہ برزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السؤال وهو الصحیح کما وقعہ التصحیح

ترجمہ: آخرت کے عالم نزع یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا اور بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نزع یہ قبر اور یہ مدفن یا یہ جگہ ہے۔
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لیے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی
ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی
دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شہ کافؒ (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسؤال التثبيت
له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر و
قد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر وفيه ايضا
دليل على ان الميت يسئل في القبر وقد وردت به ايضا احاديث
صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضا ما يدل على ان السؤال
في القبر مختص بهذه الامة كما في حديث زيد بن ثابت عنه مسلم
ان هذه الامة تبلى في قبورها وبذلك جزم الحكيم الترمذي

ترجمہ: اس میں میت کے لیے دفن کے وقت کے مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت
قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سوال کیا جا رہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت
کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی
حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت کے سوال و جواب قبر میں سمجھے ہیں
اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی
روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح
مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلا کا
سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب تراجم الاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقرا موات یہی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔
قرآن کریم میں ہے:-

الذی یجعل الارض کفناً ۱۰ احياء و امواتاً ۱۱ (پہلے المراتل آیت ۲۵-۲۶)
ترجمہ کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؛ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر آتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے۔ قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہوگا۔
حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھادینا کیوں مشکل ہوا۔ . . . جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت متعنا دھمسنے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔

جب انسان کی تکلیف و راحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہوگی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی)

کیا اس زمین سے خدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا جسے اس دُنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سُن سکیں۔

آپ ارواح کے مقرر علیین یا سچین کو ٹھہرائیں آپ کو کون روکتا ہے لیکن ابدال یا ابدال کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اُسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں اُن کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدال ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نہیں کیا؟

منہا خلقناکھ و فیہا نعیدکھ و منہا نخرجکھ تارۃ اخریٰ ط
ترجمہ ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے
اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریائوں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے باہن ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے، مگر بعض غاصانِ خدا کے لیے وہ کبھی کراٹھا اٹھتا بھی ہے یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کرنی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

اجاب گرامی قدر! تم اس بدنہی زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اُٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی مہتیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یونون بالغب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی جلعنہ والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرنی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مُردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اُتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہر کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے کسی فرق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعویٰ یہ ہو۔

وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ

(پ، القمر آیت ۱۷)

ترجمہ قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ — کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا لیکن اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں۔

دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیتہً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس سے وراء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

بلغنا انہ من وقف عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتلا هذه الآية

ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

ترجمہ۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور یہ آیت پڑھے اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔

پ ۲۲ الاغزاب آیت ۵۶

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضہ اظہر ہی آئے گا۔ یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقام عیلتین تک آئے گا آخر کچھ قوس چمے کہاں تک پہنچے چلے باؤ گے۔

معنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اول کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بیانات سے نقل کرتے ہیں اس دور متاخر میں بھی علماء اسلام نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اول لکھتے ہیں :-

صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لیے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ حالانکہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی ناکہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پڑے ہیں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے میں ہونے کے باعث برزخی کہیں) قبر پر آنے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیاتِ برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی سرگرم حاصل نہیں و لم یقل بہ احد من السلف الخلف من علماء اهل السنة والجماعة۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر منحصر ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلا شک و شبہ افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں بلکہ اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوة و سلام کو کہاں سن رہے ہیں۔

سرخیل علماء رب نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم نا آشنا نہیں آپ نے سلسلہ عذابِ قبر اور مقامِ قبر ٹی وی وضاحت سے لکھا ہے۔

① شہادت در بارہ عذابِ قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یکہ جسم میں روح کو ڈالا جائے گا ایمان لاتے ہیں۔

② شہادت در بارہ مقامِ قبر اور حیاتِ قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ۔ اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم میں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم

اخرجوا انفسكم - (پہ الا انعام ع ۱۱ آیت ۹۴)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھبراتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے :-

يضربون وجوههم وادبارهم - (پہ الا انفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ فرشتے پٹختے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھ بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آ رہے مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملا اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ یہیں مدینہ میں بیٹھے ملا اعلیٰ میں فرشتوں کا اختتام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہاں روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرہ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملاز اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا دماغ آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذن الہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اُمّ پچھے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملاز اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں۔ اُن سے اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ پردے ہٹائے ہیں۔ انہیں اس ملاز اعلیٰ سے ایک خاص اُنس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اُتر کر بھی اُن سے مل جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاز اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ يَسْبُغُ بِهَا وَجْهٌ وَلَا صُورَةُ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا الْأَرْوَاحُ ۖ

ترجمہ۔ فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سنی تو باہر نکلے۔

فخرج النبي صلى الله عليه وسلم فاذا هو بحبس يل قاضر على الباب فقال ما منعت ان تدخل قال ان في البيت كلبا وانا لا ندخل بيتا فيه كلب ولا صورة ۖ

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل دروازے پر کھڑے ہیں

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا قصیر ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ محاذ خندق سے واپس آئے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا:

اقامہ جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیہم
قال فالی ابن قال ہمناد اشار الی بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ
علیہ وسلم الیہمؓ

ترجمہ آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کہ ہر حضرت جبریل نے کہا: ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کالمین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگ اُحد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رایت یوم احد عن یمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن یسارہ
رجلین علیہما ثياب بیض یقاتلان عنہ کاشد القتال ما رأیتہما
قبل ولا بعدؓ

ترجمہ میں نے جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو
شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں :-

فرشتہ اپنی اصل بہتیت و صورت میں سامنے آجاتے تو اس کی بہتیت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وانہم قد یظہرون لافاضل الادمین فیشر ونہم ویبذرونہم
ترجمہ اور فرشتے اس زمین پر آؤ سچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذرات کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :-

اذا جمعا اجتماعات کیف شاء اللہ و حیث شاء اللہ

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فورا عذاب اترتا ہے — اس لیے الہی مکتب مقتضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادائیں۔

وقالوا لولا انزل علیہ ملکؑ ولو انزلنا ملکاً لقضى الامر شـمـلا
ینظرون ہ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما یلبسون ہ (پ: الانعام ع آیت ۹)

ترجمہ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتر اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

اُتارتے تو اسی وقت قصہ طے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پاسکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم بھل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے طلاء اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پر طلاء اعلیٰ کے کچھ جلے اُتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہاںوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن حسبِ اطہر ایک برزخی پیرائے میں فائز حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کوئی عالم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم تو چھتے ہیں یوحی الہی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ و کفی باللہ شہیدا۔ برزخ کے بعد عالم آخرت ہے۔ اور یہ بھی بنی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا۔۔۔ ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسبِ حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالم مثال کہتے ہیں۔

عالم مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالم ارواح کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے یہ عالم عنصری نہیں اسے عالم مثال کہتے ہیں۔۔

دلت احادیث كثيرة على ان في الوجود عالما غير عنصری يتمثل فيه المعاني باجسام مناسبة للمعاني الصفة۔

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں اس میں معانی صفات اور اعراض اُس اُس صورتِ اجسام میں متماثل ہوتے ہیں جو صفات میں اُن کے مناسب ہو۔

یہ گریا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار

۱۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا اعمال کا، جو اعراض میں متحد ہونا، دنیا کا بڑی عورت کی شکل میں آنا موت کا مینڈھ کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ مصر ۳۔ عالم شہادت اور عالم غیب ایک دوسرے اعتبار سے عالم کی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو عالم الغیب والشہادة (پاکشتر آیت ۲۲) ہی جانتے ہیں۔ عالم شہادت ہمارے سامنے ہے اور عالم الغیب کی چابیاں تو ہیں اسی کے پاس۔ اس نوحہ جن جزئیات کا پتہ دیا۔ ان کے سوا ان کی خبر غیب بھی کسی کے سوا نہیں۔

یا جسم body material نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں Modes میں جاتا رہا اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مرئی visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی Evil ایک کریمہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ دنیا کا ایک بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا، اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں کبھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں جنورہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ صوت لی الجنة والنار اسی قبیل سے ہے جنت و جہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں۔

عالم مثال کا نقطہ معانی کی تصویروں کے لیے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لیے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لیے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت و دوزخ جو حضورؐ کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبریلؑ جو طائر اعلیٰ سے اس جہان میں وحیہ کلمی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں۔ جیسے لاکھڑی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا، تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامتؒ عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔

معراج کی رات حضورؐ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الہیہ وہاں لا جمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے۔ جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے۔ جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرت خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزاء منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔

چوں خدا خواہ کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کاں برد

ہاں آپؐ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ دگ سامنے رکھا اچھا صاف سُتر گرشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے دگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو بچاتیوں کے بل لنگی تھیں۔ یہ سب واقعات بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کر نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات بل رہے تھے۔ لغزیه من اياتنا انھو السميع البصير کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھیے ہو سکتا ہے اجساد اعلیہ ہوں اور ہو سکتا ہے

۱۔ سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۳۴ و تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (تفسیر بیضاوی ص ۲۸۳ مصر)
مثل لی التبیوت فصلیت بہم (تفسیر مظہری جلد ۵) ۲۔ ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۲ میں سے دیکھیے۔

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تا اب وہ جسد عالمِ برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں (معاذ اللہ) بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں یہ ایک عالمِ برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص طاری کیے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال و صور میں مشاہدہ کرانے گئے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور بحرِ معین و منبعین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا لیکن یہ سو فی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیرِ برزخی میں اپنے اصلی جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا۔ اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

كل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في مواطن

هو بينا خ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد
احكام الروح۔

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالمِ شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالمِ مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہیں۔ اس میں عالمِ شہادت اور عالمِ مثال دونوں جمع تھے اور جسدِ اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسدِ اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جبریل کے نوری پر چلتے تھے۔ یہ خاکی جسدِ اطہر اس سرمد کو ایک

آہن میں پار کر گیا۔ اب وہ جبرائیل حبیب مدینہ میں منتقل ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلال نہیں کہ روح اقدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ ناقبات قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ کیا اس کے لیے وللاخرة خیر لك صحت الاولیٰ کی بشارت شعی بھی تھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تہذیب میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ حضرت مولانا الدشہ صاحب فرماتے ہیں:-

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذي سماه اهل الشرع عالم المثال ولم يبق فرق الا في التسمية واما ما سماه الصوفية الارواح المعجزة فلم يبحث عنه العلماء.

ترجمہ۔ لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجرودہ رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصور

جو مہربان کو اَلَفِ برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ غیب کی کسی چھٹی دادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:-

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہ نظر و عنایت بحال رہتا ہے۔۔۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔

اس قبر کو قبر نہ مانتے والے عذابِ قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدنِ مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پار ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو رد کرنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر شاعتِ توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، یہ آپ اُن سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ شریعت میں عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان کسی مثالی دنیا کا تہ نہیں ملا۔ مثالی صدفِ قیامت میں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے۔ معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذبہ کی مثالی صدفِ قیامتیں۔ اصل عذابِ قبر اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو پورا ہوا تھا۔

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے، ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لیے بتلایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیباچے حضرت صوفیہ کرام کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جذبہ عنصری کو نہایت احتیاط سے سچا لیا ہو۔

منا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی مترادف مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نیم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کرام کی حیات برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو۔ روح متجدد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجدد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہو گا۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجدد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے بعض اولیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عبادت و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ کو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بناء دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے۔ صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بناء بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر۔ — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۵۴۲ء) لکھتے ہیں :-

صوفیہ کا عمل علت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے۔ نہ کہ ابو بکر ششیؒ اور ابوالحسن نورثیؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر نقص و مردودین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الہم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بناء۔ صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا اور اشاعت، توحید و سنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم فرخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اُسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی خطا اور تقار علی الخطا سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے حفاظت موعود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اتارتا ہے تو بات کبھی درست ٹھہرتی ہے اور کبھی خطا — عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

عارف جامی کہتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور بدن کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اُترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے بھرنے یا راحت کی لہریں پہلے روح پر ہی اُتریں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پر آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں۔ سو کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے، تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی۔ — عزیزانِ گرامی اس صورتِ حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اُتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متاثر ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذابِ قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پندے کی صورت میں متجسد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اُترے (اگر اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جبرِ برزخی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاق کے انکار کا ذریعہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

عذابِ قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتبِ حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے بابِ بندے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے اَلْم و

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے۔ عذاب و راحت دونوں پر حملے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے۔ بدن یک جا نہ ہو، ذرات منتشر ہیں منقسم ہو اور اُن پر ایک باریک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اُسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لا تعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض ضد و عناد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے تشکک کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات النبی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لا تعلق کی ضرورت تھی۔ عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہداء کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں۔ الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا۔ یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات النبی سے شروع ہوا، یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر سے منکر نہ تھے۔ لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر جہاں شہداء کی بھی حیات بھائی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں۔

کہ عامہ اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہائیں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گرنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اُسے کون روک سکتا ہے مختلف
 ہوتے حل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ گمراہی جس ترتیب سے اُٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں پہلے
 اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو
 جائے۔ پھر حیاتِ الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیاتِ انبیاء پر عقائد اہل
 السنۃ و الجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ
 رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔
 احباب سے گزارش ہے کہ وہ ہماری محرومات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک
 اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وهو المستعان و علیہ التکلان۔
 یا قہر الیس منکر جل و شید۔

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور ان کی
 صفات آپ کے سامنے ہیں ان میں عالم برزخ میں قبر کے الم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک
 اُس جیسے جہان (برزخ) کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس
 پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں
 میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تو اثر کا درجہ دیتی ہے لیکن اسے یہاں پوری
 طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل
 کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ و الحمد۔ التوفیق۔

عذاب القبر

①- ثم السؤال عندك يكون بالجسد مع الروح كما اشار اليه صاحب المهداية[ؒ].

ترجمہ۔ میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

②- يصح ان يعرض على الانسان المجمع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة والنار ويحق اللذة والالم[ؒ].

ترجمہ۔ یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت و الم کا ادراک کرتا ہے۔

③- ولا يرد تعذيب الميت في قبره لانه توضع فيه الحيات عند العامة بقدر ما يحسن بالالع والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحياة في تلك الاجزاء المتفرقة لا يدرى كمالها[ؒ].

ترجمہ۔ عذاب قبر کا اٹکل نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت و الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس اور اک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جاسکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اُسے نہ پاسکیں۔

④- واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت فرع حياة في القبر قد وما يتالم او يتلذذ به

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں بحالت قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ معاملات قبر میں (الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

⑤- ان مذهب سلف الائمة وائمة ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه

ترجمہ: سلف ائمت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے نعيم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت و الم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

⑥- ان النعيم والعذاب لا يكون الا على الروح وان البدن لا ينعم ولا يعذب وهذا قوله الفلاس المنكرون لمعاد الابدان وهؤلاء كفار باجماع المسلمين ويقولون كثيرا من اهل الكلام من المعتزلة وغيرهم الذين يمترون بمعاد الابدان لكن يقولون لا يكون ذلك في البرزخ وانما يكون عند القيام من القبور لكن هؤلاء ينكرون عند البدن في البرزخ فقط

ترجمہ: قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ اُن فلاسفہ کا قول ہے، جو "معاد ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے متکلمین کا جو "معاد ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاد ابدان کو صرف

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں، ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے، بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

④— بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذرند...
..... افسوس، ہزار افسوس، ایس قسیم بطلال خود را بسند شیخی گرفتہ اند و معتدائے اہل اسلام گشتہ ضلّوا و اضلّوا۔

ترجمہ۔ اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکام برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اول کو عذاب قبر اور ثواب قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کا دل پر جو شیخ ہونے کی مسند بچائے ہوئے ہیں کافلوں کے معتدائے بنتے ہیں (اور پھر ان احمق کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرے کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تفتیح المسبّحت

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ اعلم کا اجماع ہے مشتبه ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزاء کو عالم برزخ میں روح سے کئی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لیے اُس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

عبد اہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات شریفہ وارد ہوئی اور طریقانِ موت سے ”کل نفس ذائقت الموت“ کا وعدہ پورا ہوا آپ کے لیے جس قسم کی وفات مقدر تھی اُس کا مردود ہوا، اور آپ نے یقیناً اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور اذک میت وانہم میتون
مقام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کہ حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔

باجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ
اس پر بھی پورے سواذِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پر وہ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپؐ کے جسدِ اطہر میں حیات نوٹا دی گئی۔ دُخلاً روح سے اس دُنیا والے
جسمِ فُصیری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاخیرِ روح سے آپؐ کے جسدِ فُصیری میں حیات
نوٹ آئی، اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا، لیکن انجام کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فاعلِ حیات
ہے آپؐ کی یہ حیاتِ قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالروح
روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل مبحثِ مطلق حیات نہیں، بلکہ حیاتِ بعد
الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوتِ وفاتِ سید الکائنات کا استدلال
ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محفلِ نزاع
بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیاتِ البقی کے مسئلہ میں یقیناً حیاتِ
بعد الوفات کا ہے۔ پہلے وفات کا مدود بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبہ صدیقی
صرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے
طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف
کر سکتے ہیں، لیکن درودِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں، یہ حقیقت اُن کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم
کی وفات آپؐ کے لیے مقدرِ معنی وہ آپؐ پر وارد ہوئی، اور وعدہ الہیہ حضورؐ پر بھی پورا ہوا۔

طریق موت اور اعادہ حیات کے احتمالاتِ ثلاثہ

صورت واقعہ — کچھ بھی ہو

روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اول

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابدانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روحِ مبارک جبہِ اطہر سے جدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جبہِ اطہر

لہ اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضور اکرمؐ نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ انہ بقى لك عمر لم تستكملہ فلو استكملت اتيت منزلك (بخاری کتاب الجنائز جلد ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرمائیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔ جب یہ کلام اس وقت داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ اشکمالِ عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ اشکمالِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ بہر حال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصود کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

میں لڑادی گئی۔ روح اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا اور روضہ منورہ میں رکھے جسداطہر میں بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں دوسرا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں مقنا، بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیات دنیوی رزق مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالم بزرخ کی حیات عنصری جسمانی اس دنیا کے رزق مادی پر مبنی نہیں، اس کا تقوم رزق روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخول روح سے نہیں، اتصال روح سے ہے۔ روح مبارک جسداطہر سے جدا ہو کر رفیق اعلیٰ اور خطیرۂ قدسیہ میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسداطہر پر پڑنے لگا۔ اس سے جسدا عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیات جسمانی قائم ہوئی اور روضہ منورہ پر عرض کیے گئے صلوة و سلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبض روح ہے۔ انقباض الروح فی القلب سے روح اقدس سارے جسم سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلب مبارک میں مستقر ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہوٹ گیا۔ آثار حیات قلب منورہ سے پھر پھیل گئے اور روح مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔

غلام یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور ”روح بمعنی حیات“ کا کئی انقطاع نہ ہوا۔ اگر انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم

میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات بھلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حیم اسرار میں بغیر آئینِ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے درودِ وفات پر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو دفن کر دیا اور روضہ منورہ میں پھر آپؐ کے جسد اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دُنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں۔ جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور ذُن میں سے کسی ایک کے اسر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیے، جہاں ترتیبِ احکام مختلف کر دیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدرِ مشترک ایک ہی ہو اور ترتیبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جہنن ہے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کے لیے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین تو حید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتیبِ آثار و احکام ہو سکے بلکہ

گہ عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیزہ ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائدِ ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

دوسروں کو حق دیا ہے، تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرت سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا کہ روح منورہ میں جب اطہر عرض ہے جس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہر موت کیفیت موت موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورت موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گئی۔

مروج مبارک نے علینین سے پُر تو ڈال کر جب اطہر میں حیات لوثائی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلب متور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روح منورہ کی حیات جسمانی تمام احتمالات اور مسائل فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سلسلہ زیر بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روح شریف میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جب اطہر عرض سے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ۔

① ————— حضور پر دفعت شریفہ کا درود ہوا تھا یا نہیں یا

② ————— یہ طریق موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں یا

③ ————— روح مبارک کا مستقر مقام علینین ہے اور وہ وہاں سے روح منورہ میں رکھے

گئے۔ جب اطہر پر پُر تو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جب اطہر میں داخل ہے۔ اور رفیق اعلیٰ سے نقطہ ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذلک من المداہک۔ ان کیفیات کو موضوع بنالینا یقیناً خروج من المحض ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطہ اشتراک دقت شریف کی حیات عنصری کے عوارض ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالات غلطہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں پڑتا۔

اصل مبحث حیاتِ النبیؐ

باعتبار تعلق بالبدن — حیاتِ جسمانی
 باعتبار تعلق بالعالم — حیاتِ برزخی
 باعتبار تعلق بالرزق — حیاتِ روحانی

مشتک مفاد حیاتِ جسمانی برزخی ہے۔

(ولولا الاعتبار لمبطل الحکمة)

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی۔ پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:

① وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔

(پ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور تم انہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مَرُوے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احياء انہی کو فرمایا، جو میں یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

جسم ہے نہ کہ روح — پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح — اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسمی طور پر زندہ ہیں؟

جو اباعرض ہے کہ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمادیا تھا — وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔ لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا — اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسمی حیات ہے

قاضی شہرکافیؒ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء ميوزقون

وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء المرسلين

ترجمہ: نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا

ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا

ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اظہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

⑦ واذا قال ابراهيم رب انى كيف اتقى الموتى۔

(پ ۱ البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے کہا: اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح

مردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ ”موتی“ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے روح

ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور ”موتی“

اجسام ہی کہ کہا گیا ہے۔ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

③ فاماته الله مائة عام۔ (پ البقرہ ع ۲۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیزؑ کو سو سال تک موت سے رکھا

اس میں بھی امات کا محل جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔ حضرت عزیزؑ کی رُوح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ رُوح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

④ اتحیحی ہذہ۔۔۔۔۔ میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیاتِ روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ربیع اپنے مرثیے میں کہتا ہے۔

ولما تراعت عند مرو منیتی

وحل بہا جسمی وحانت وفاتی

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم

بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی۔

۱۔ پیش نظر ہے کہ جس طرح مجد بنی آدم پر فعلِ امات محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیزؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے استعجالِ دارین کا تحقق نہ تھا۔ تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائة عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعلِ امات کے بعد معاملاتِ برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے۔ پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موتِ انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے۔

حیاتِ برزخیہ

نہایت غمناک، گناہگار، ملامت کی حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہِ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیاتِ فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے، ان کی مراد روضۂ منورہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیے، ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندر میں صورتِ حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

علامۃ المرام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ :-

”سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض ہے جس و شعور پڑا ہے“ (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید نور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں :-

- ① وہ جو اہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدانِ مادیہ۔
- ② وہ جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنہیں صوفیاء ”اجسامِ مثالیہ“ کہتے ہیں۔
- ③ وہ جو اہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء ”ارواح“ یا حکماء ”جو اہر مجرّدہ“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

مہمور اہل شریع جس کو رُوح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ”بدنِ مثالی“ ہے۔
 موصوم ہے جو بدنِ مادی میں محلول کرتا ہے اور بدنِ مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان،
 ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ رُوح بدنِ مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے
 ہے اور اس عبادی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکفایت علاقہ بدن
 کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے
 پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول کے مطابق، جو بخوی نے اللہ یتوفی الہ نفس
 حین موتہا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے، مگر
 اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب
 لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔
 حضرت علامہ نور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

الحیوة فی اللغة شئء مفائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقة وقد
 زعم بعض الناس انہ نفس الحیوة ولس كذلك۔

ترجمہ: حیات اور رُوح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات رُوح
 کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ
 رُوح ہی نفسِ حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:-

سیاسے از اشاعرہ و خفیۃ در اعادۃ روح تردد کردہ اند و تلامذہ روح و حیات
را منع نموده۔

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ و خفیۃ (حیات فی القبر کے لیے) اعادۃ روح کے
باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح
کے تلامذہ کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیاتِ جسمانی کے لیے اعادۃ روح ضروری نہیں، محض تعلقِ روح سے بھی وہاں
حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقتِ بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ "روح مفارقتِ بدن کے بعد بھی حزیات
کا ادراک کر سکتی ہے۔" فرماتے ہیں:۔

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہیے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود
ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اہل موضوع "اعادۃ روح" بھی نہیں، بلکہ "ثبوتِ حیات
بعد النفات لیسۃ الکائنات" ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عودِ روح کی
بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیاتِ شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان
کی حیاتِ جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیاتِ ثابت کرنے کے لیے ایک ذینہ کے ذریعہ میں ہے
اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدلائل الترامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب
کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ اذمۃ التحقیق۔

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذابِ قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارتہً مذکور ہے۔ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالتاً ثابت ہو رہی ہے۔ حیاتِ انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوع سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارتہً النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے اس کا سمجھنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر ہم حیاتِ شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفسِ حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔
ابن عبد الہادی (دہم ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

والحیاء جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاشبت بعض انواع الحیاء
لا یزید اسم الموت كاللحیاء البرزخیة واثبت بعض انواع الموت
لا ینافی الحیاء كما فی الحديث الصحيح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ کان اذا استیقظ من النوم قال الحمد للہ الذی احیانا بعد اماتنا
والیہ النشور

ترجمہ۔ حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے
جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا ورود موت کے منافی نہیں جیسا کہ
حیات برزخی ہیں تو ایسا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ
صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ
سب حمد و ثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کر دی اور اسی
کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھاٹی نہیں جس پر پہلے کوئی
نہ آیا ہو ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔
○ — ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے
کہ عذابِ قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے
قدرے تعلق بھی ہے۔

② — ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمیب ہے نہ اس کے لیے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

③ — ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشو و نما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

④ — ایک زندگی روح اور بدن تصرفی کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس عالم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام سناتا ہے۔ یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

⑤ — چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھر گئے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لیے ذکر کر دیے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ میں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

جواب : ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ نسفا زانیؒ (۶۲ھ) لکھتے ہیں
 ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع اجزاء البدن او في بعضها فوفا من الحيوة
 قدر ما يدرك العذاب ولذة النعيم

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے
 میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام
 کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

ما فظ ابن قیّم؟ (۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں :-
 لان ذلك الرد نوع اخر فليس المهمود

ترجمہ۔ یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا کے تعلق سے مختلف ہے
 اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في القبر
 ترجمہ۔ سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص
 طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

ما فظ ابن حجر؟ (۸۵۲ھ) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس
 کی اپنی تخلیق ہے۔

ان الله تعالى يخلق فيه ادراكا بحيث يسمع ويعلم ويلذ ويألم
 ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے
 سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ آکوسیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے۔

یہی بات علامہ ابن عبد البہادیؒ (م ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

نوع حیاة برزخیہ ۔

ترجمہ - حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اس مہم موت کیلئے اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے
خلق الموت والحیاء (پ ۱ : الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی
شے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوة جنس تحتہ انواع وکذا لکھا

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی
سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔
قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو اور ول کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا :-

انک میت وانتم میتون (پ ۲ : الزمر) یہ نہیں کہا انک وانتم میتون۔ اس سے
پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے اور ول کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق
محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت
ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حس اور شعور
کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے ۔

امام احرارین (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو
عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہدار کی موت بھی عام اموات
سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منتفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق

حضور کے اہلک حضور کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبر حضور کی نیابت میں ان میں
تعارف کرتے تھے۔ صدیق اکبر جانتے تھے کہ حضور کا ملک حضور کے اہلک پر باقی
ہے جیسا کہ امام اکبرین نے کہا ہے۔

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۶۴
پر یہ باب باندھا ہے۔

باب کان مالہ بعد موتہ قائماً علی فقہ و ملکہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مستمر تھی اس کا
حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود
محض سائر حیات ہو منزل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبر امام بیہقی، امام اکبرین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کا تفرقہ نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ
ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاتہ۔

ترجمہ: ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
حضور کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی ضروری نہیں کہ ہم اس کی کہنہ پائیں
ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی
تفرقہ ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسبِ حال تھی۔

ہم انشاء آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیاتِ شہداء ہے۔ اس کے بعد حیاتِ انبیاء کی بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کی موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ از مہ التحقیق۔ یہ اثباتِ حیاتِ شہداء حیاتِ انبیاء کے لیے بمنزلہ مہتد سنجھے۔

حیاتِ شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يَتَّبِعُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

(پ ۲: البقرہ ۱۰۷ ع ۱۹۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

يُرْزَقُونَ ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

الْمُؤْمِنِينَ ۝ (پ ۱: آل عمران ع ۱۷۰۔ آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے۔

بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس کھلتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر

لے پھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرين یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے۔ اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی
 تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور
 نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات
 سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

صحابہ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے۔ شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت
 نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مُردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو
 کہ وہ مُردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب
 کیسے کہا۔ ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا کل نفس ذائقۃ الموت
 سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا
 ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں یعنی اب وہ مُردے ہیں
 ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا۔ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان
 کا کفن دفن برحق۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی
 ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قتلوا (وہ مارے
 گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں ہم اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

رد کا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

ان آیات میں بَلْ اَضْرَابِیْہِ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے۔ یہاں بَلْ قُتِلُوْا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قُتِلُوْا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ہم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا اتنا بھی برحق اور لگے جہاں میں حیاتِ جہانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قُتِلُوْا کا مورد بنے تھے۔ اختلافِ زمان سے وہ سہی بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں۔ بل کا اضراب ہم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادق یہ ہے کہ ہم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پانہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں بل اضراب کے ساتھ بل تو ثَوْدُنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْیَا فرمایا۔ اس نے مہربانے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قبرِ قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مگر وہ کہنا تو درکنار مہربانے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کیا گیا۔ یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون کہ تم شعور نہیں رکھتے، کہہ کر اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوه یقیناً بل دفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا۔ بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر واحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ انہی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا۔ اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم — زخمی کون ہوا؟ جسم — تلواریں اور تیرے کن پر چلے؟ جسموں پر — نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ اپنی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل ملت ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اُس جہان میں میسر ہیں۔ بل احياء نے ہم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی ملد ہوئی تو لا تشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لا تشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے بالا تھی۔ اس نارسائی سے جو بے چینی تھی اسے لا تشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یرزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے۔

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسد سے نہیں جسد مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما آتاهم اللہ من فضله۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں یہ احساںِ روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح و اندول کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لو یلحقوا ہم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بسترہ میں (چہرے میں) محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چڑے انہی ابدان کے ہیں، ابدانِ مثالیہ کے نہیں دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ (لواحة للبشر) (پاؤں) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوه یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ (پاؤں: عیس۔ آیت ۴۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا فاعل ابدان ہیں۔ الذین لو یلحقوا ہم سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے۔ یہاں منیر ہم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدلوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

اجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کالمین کے لیے یہ اعادہ اشرف ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

دارواح الکمل اذا فارقت اجسادھا صارت کالموج المکفوف لا
یمزھا ارادة متجددة وداعیہ سانعہ ولكن المنوس اللتی هی
دوئھا تلتصق بالہمة نوراً وھیئة مناسبة للارواح

ترجمہ کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہو جاتی ہیں جوڑ کی ہو۔ انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن سچے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملحق ہو کر نور اور ایک ہئیت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے سچے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کالمین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے۔ جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں :-

وھی المکفی عنہ بقولہ علیہ السلام ما من احد یسلم علی الاسد
اللہ علی روحی فار د علیہ السلام وقد شامت ذلک ما لا
احصى فی مجاورتی المدینہ سکنۃ الف ومائة واربع واربعین

۱۔ حجۃ الشربالغہ باب الاذکار ص ۲۷ ۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۷۷

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم بچہ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اُدھر دُٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام کو دُٹاتا ہوں۔ ﷺ میں جب میں مدینہ منہرہ ہوا تھا۔ تو میں نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحب کا مسلک قبر مبارک کے جسدِ اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضہ نبویؐ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ — کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسدِ اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی نشانِ عالمِ برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالمِ برزخ میں جسدِ اطہر کی نشان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج عالمِ برزخ کی ہی ایک سیر تھی اس رات آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال و صور میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور یہ وہاں نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں اچکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

کل ذلک بحسبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیقظة ولكن ذلک فی موطن هو
برزخ بین المثال والشماعة جامع لاحکامہا فظہر علی الجسد احکام الودع۔^{طہ}

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن
یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے باہر ایک برزخی درجہ
ہے اور یہ دونوں احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔

آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطاف
مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی
سیر سے گزارے گئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمامِ نعمت کی لبت
پانگئے (ماکان من عودا فی قولہ تعالیٰ ویت منعمتہ علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور
لطافت پر ہو گا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ مانتے
کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ
اب انک میت و انفس میتون کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آگیا تھا کہ اب تاقیامت
اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے
احکام طاری تھے۔ وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی جلا رتھام بخش دی تھی
وہ اب تاقیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم — کیا یہ عقیدہ
اسقاطِ آیت و للآخرۃ خیر لك من الاولیٰ سے نصاً متصادم نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے سلمہؒ کے مشاہدات میں روضہ النور کی حاضری میں یہ
جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحتِ عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے
سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

مہتی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کالمین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا
کی زندگی میں جھوڑ کی رویت بصری اور قوتِ سمعی صحابہؓ کی ہی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آیا

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس دادی کے میاں کے اس بیان کو بھی مان لیجئے کہ کالمین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں :-

بش تا مرغ از قفس آید بروں
تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبونؒ

ترجمہ۔ انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جاسکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراق و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے نرائین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لمحہ بندھلے؟ یا اس بدن اطہر میں وہ انجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آئیے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔
یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے بہت عجایب اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور اذ قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پالیتے ہیں جسے وہ حسا محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاملین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر فرماتا گیا ہے۔ اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے۔ اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت بتجدد بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسم میں بطریق حلول نہیں اُترتی یہ تنازع ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تنازع کا کوئی ثبوت نہیں۔ شہداء کی رو میں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں:-

بلغنا ان ارواح الشهداء في صور طير بيض تاكل من ثمار الجنة ۛ

ترجمہ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی رو میں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔ ان ارواح الشهداء في طير خضر تاكل من ثمار الجنة ۛ

ترجمہ بے شک شہیدوں کی رو میں سبز رنگ پرندوں میں اُترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز سمجھی جاسکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو سالہ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سویا رکھئے روح کا ملین کے اس درجہ لطافت اور تجدد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش مہتی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ اُن کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ مہتی۔ عالم برزخ میں تو اُن کے وہ بدن از روئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دارالبحر ہے۔ دار العمل صرف یہ دُنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دُنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ما احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما علی الارض من شیء

الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشو مرات

ترجمہ۔ کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ

پھر وہ دنیا کو جائے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں، پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل طیور میں اس طرح اترتی ہیں جیسے سوار سوار می لے لے، الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت پیش کی ہے۔ امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر باتیں ہیں کی وہیں رہتی ہے۔

قال القاضي قال بعض المتكلمين على هذا الاشبه صحة قول من

قال طيرا وصوره طيرا واكثر ما جاءت به الرواية

واستبعد بعضهم هذا ولعل ينكره اخرون وليس مافيه ينكر ولا فرق

بين الامرين بل رواية طيرا وجوف طيرا صح منقولة

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی

ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے

اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور

اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقوال میں

کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جا کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ

سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اُسے آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله

کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواحِ شہداء کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے جہنم کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحوں ارواحِ مجرودہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواحِ متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوائے حیاتِ شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت و لکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

وامانع من تعلما ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکثیف بلہ

ترجمہ روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغائر لهذا البدن الکثیف بدن برزخی کی تشریح ہے اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صریح مذکور ہے۔

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنصری سے تعلق کی نفی نہیں مبیہا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فوا حسن تا علی ضیعة العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرایہ اور پیشکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا

بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتلایئے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں۔ یہ جہنم میں ٹپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیئے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرامؓ لا تشعرون پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپؐ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں — فرق ہے تو یہ کہ —

① سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔

② سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تشبہتے پھرتے ہیں۔

③ سبز پرندوں کی روایات اور سخی کتابوں میں اور سیاہ کی سخی کتابوں میں۔

یہ سب فروق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے کیا زندگی

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ایسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور ترسنا یہ نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور لا تشعرون کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشاد الہی ولكن لا تشعرون کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-
آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴/۴۷۷ھ) لکھتے ہیں:-

فاما حصول ذلك للجسد فی البرزخ وقائله بسببه فلم يدل عليه الا السنة
فـ الاحادیث المرضیة۔

یعنی قرآن و حدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے..... اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۱۵۷ پر کہہ آئے ہیں۔ ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:-

۱۔ تفسیر معارف القرآن جلد ۶، ص ۶۰ ۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳، ص ۱۵۷

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی۔
اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم)
سے نکلتے ہیں اور بحرِ عربی کے کنارے جاتے ہیں۔ پھر جب تیسرے پہر کا وقت
ہو تا ہے تو ایسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام ابو زہریؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا :-

ان پرندوں کے حواصل میں آلِ فرعون کی روہیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش
کی جاتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ آلِ فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے۔
علامہ نسفیؒ (۱۷۱ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں :-

واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة۔

ترجمہ۔ اور کافروں کی روہیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے
پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سواگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی پرندوں
کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجدد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل
نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا
شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا و روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی
یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روہیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجدد

ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یہ نزقون بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں نزقون ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:-

بل احياء دليل على حياتهم وانهم يرزقون ولا يرزق الاحياء۔

ترجمہ۔ بل احياء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنفس قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق نہیں ملتے وہ بھی ملتے ہیں۔

بل احياء لدلالة الكلام عليهما قوله تعالى يرزقون كما يرزق الاحياء ياكلون

وليشربون وهو تأكيد لكونهم احياء وصف حالهم التي هم عليها۔

ترجمہ۔ وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام میں نزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس

کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؑ کے لیے اگلے جہان میں دو دھ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یوزقون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

عن عدی بن ثابت قال سمعت الیاء قال لما مات ابراهیم قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان له مرضعاً فی الجنة۔

ترجمہ حضرت تبرا کہتے ہیں جب حضورؐ کے بیٹے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے جنت میں دو دودھ پلانے والی موجود ہے۔
دنیا میں ابراہیمؑ کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اُس عالم کا تھا جو
فردی نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہاں والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن
یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیاتِ حسانی سے فائز الحیات ہیں وہ اُس جہاں کے رزق
سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

اجواب

کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی
غیبی رزق سے مستمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت
نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (رونے جوڑ کر رکھے) تو بعض
صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھل دی :-
لست کا حدکوفی یطعمو ربی ولسیقینی۔

ترجمہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے
حضورؐ کا یہاں کا جبہ اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا۔ سو شہداء

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدر قیل کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرمادیا اس پر بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاتِ شہداء کے تقاضے

آیت حیاتِ شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی ملاحظہ سے کہی گئی ہے ولکن لا تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیاتِ شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لاسکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے یہ کرم فرما کہتے ہیں کہ یہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لیے محتاج تک حضورؐ نے ارواحِ شہداء کے حوصلہ طیور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی جب آپؐ نے امت کو حیاتِ شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہوگی۔ اُن کی بھی حیاتِ روحانی اور ان کی بھی حیاتِ روحانی — آیت حیاتِ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا — اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ہم قادیانوں کو بارہا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (اذا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم۔ پٹ النساء ع ۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل دفعہ اللہ الیہ میں بل اضرابیہ ہے یہود کا جس چیز کے قتل کا

دعوت ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ من یقتل فی سبیل اللہ میں جو زیر قتل آئے اچھی بارے میں بل اضرابیہ البالیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لا تشعرون کے تحت قبول کر لو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ بل اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ :-

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روئیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آ سکتی“

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آ گئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں — کچھ تو سمجھاتے کہ ان میں ایک لا تشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

بکھ تو کہتے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان منقول ہوئے انہیں مڑے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بلا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اور احکام مقربین میں ملان کر کیا تم تعلق روح ابدان مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لاشعرون کے تحت ہمارے ایمان میں ہے حدیث طبرستان کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدان شہداء کو ہرگز مردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس حقیقت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالت بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالة بنانا اس سے بڑھ کر عوام سے قریب کاری کیلئے ہے؟ جو مفسرین آیت ولاتذروا ذرۃ وزرا اخروی کو قبر سے متعلق قرو دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیات جمائی کا انکار کر سکے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے لاتذروا ذرۃ وزرا اخروی کوئی کسی کا بوجہ نہ اٹھائے گا۔

اب ہم ایسی تغیرات کو کس طرح تسلیم کر لیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقابلہ میں ان کے ابدان مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کرے روح کے کو اَف سُن کر ابدان مقتولہ کی زندگی جو نص قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں تو گوارا نہیں۔

بل احياء

حياة الشهداء ثابتة في الآيات والاحادیث وقد اختلفوا فیها وذهب كثير من السلف الى انها حياة حقيقية بالروح والجسد ولكن لا ندرکها ولا نعلم حقیقتها ولا نهما من احوال البرزخ التي لا یطلع علیها۔

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور (کرامیہ میسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ والجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیاتِ حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہم اس کی تحقیق جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برنخ کے احوال میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشهداء بعد موتهم وقتلہما احیاء عند ربهم یوزقون فدرجین
وهذه صفة الاحیاء فی الدنیا واذا کان هذا فی الشهداء کان الانبیاء
بذلك احق واولیٰ

ترجمہ: بیشک شہداء اپنی موت اور قتل سمجھنے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعتِ اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

معنی الایۃ عند الجمہور وانہما احیاء حیاة محققة ثم اختلفوا فہم
من یقول اتماترد الیہم ارواحہم فی قبورہم فیتعمون وقال مجاہد
یوزقون من ثمر الجنة وذهب من عد الجمہور الی انہما حیاہ مجازیة
والصمیم الاول والمراد بالرزق المعروف فی العادات علی ما ذهب
الیہ الجمہور

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیاتِ حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی رو میں قبروں میں ان کی

طرف ٹوٹائی جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور و اہل السنۃ و الجماعۃ کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے لڑوہی رزق ہے جسے عادۃ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدان شہداء میں رو میں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا۔ جب حضورؐ نے حیات شہداء کی تفسیر پر ندوں کی سیر سے کر دی ہے۔ اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیات حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رزیدہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔ قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں۔

رد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء یرزقون و
ان الحیوة فیہم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلینؐ

ترجمہ قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر مقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک مقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے، ان سے شک کئے بغیر آپ چودہویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے، علامہ محمود اکوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واختلف في هذه الحياة وذهب كثير من السلف الى انها حقيقية
بالروح والجسد ولكن لا تدركهما في هذه النشأة واستدلوا بسباق
قوله تعالى عند ربهم يزقون ۛ

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسوف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عند ربهم يزقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ اکوسیؒ نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے مجبور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا ترو باقی رہ گیا:-

يرزقون لكونهم احياء والقول بان ارواحهم تتعلق بالاخلاق
والكواكب فتلتذ بذلك وتكتسب زيادة كمال قولها بلط الى الثرى
ولا اظن القائل به قرع سمعه الروايات الصحيحة والاخبار المصريحة
بل لم يذق طعم الشريعة الفراء ولا تراعى له منهج
المحجة وخبر القناديل لا ينور كلامه ولا يزيل ظلامه فلم يرى
ان حال الشهداء وحياتهم وراء ذلك ۛ

۱۔ شہداء کی حیات اور رزق کم روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح
آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ اپنی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کانوں میں صبح اور صبح روائیات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعتِ غزالی کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو صحیحہ بیعت کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔ — پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

ان الایۃ دلت علی عرض الادواح علی النار غدو و عشیاً فی البرزخ ولیس فیہ حلاۃ علی اتصال تالمہا بالجہاد ما فی البرزخ اذ قد یمکن ذلک مختصاً بالبرزخ فاما حصول ذلک للجد فی البرزخ وتالمہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاحادیث للرضیۃ الالہی ذکرہا بلہ شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ ہنر یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اقبال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاتِ جماعی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اٹھانے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں نعیم صالحین اور عذاب مجرمن

دونوں پردے میں ہیں جنوں سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس گڑھے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما آتاهم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی نکتبت اور تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب: آیت حیات شہداء کا جملہ ولکن لا تشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آئے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ولکن لا تشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے بائیں ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جمدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

فيه اخبار باحياء الله تعالى الشهداء بعد موتهم ولا يجوز ان يكون المراد انهم سيحيون يوم القيمة لانه لو كان هذا مراده لما قال ولكن لا تشعرون لان قوله ولكن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت ولو كان المراد الحياة يوم القيمة لكان المومنون قد شعروا به وعرفوا قبل ذلك فثبت ان المراد الحياة الحادثة بعد موتهم قبل

یوم القیمہ واذا جازان یمکن المؤمنون قد احواف قبورهم قبل
 یوم القیمۃ وہم المنعمون جازان یمحی الکفر فی قبورهم فیعدون
 وهذا یبطل قول من ینکر عذاب القبر

ترجمہ۔ اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد
 قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے لیکن لا تشعرون

کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے
 اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور
 پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیا؟

سوابت یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے
 بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور خیب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی
 ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ
 کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ الجحار عذاب قبر باطل ٹھہرتا
 ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب غیر کئی شے نہیں نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا مقابل سے جدا اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ
 کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پہل عبور کر کے
 ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی
 کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہوتا ہے جسما فی حیات بھی کہا جاتا ہے گویہ ہمارے شعور
 اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعدِ عالمِ آخرت کی کھلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالمِ برزخ میں مرنے نہیں کہا جاسکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں۔ مرنے ہوئے نہیں زندہ نہیں۔ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیاتِ شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں۔ حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔ وَلَا تَقُولُوا الْمَيِّتُ قَتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُمْ مَيِّتُوا لیکن ایسا نہ کہا۔ بلکہ فرمایا انہیں اموات (مُردے) نہ کہو انہیں مُردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالمِ برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی۔ اس کا فیصلہ میں یقتل کو دیکھ کر کریں۔ زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

بل اضرابیہ البطالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا یہاں بل سے شہدائے کے
مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور
وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون
اس پر قرآنی شہادت ہے

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ۔ مجاہدؒ
حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ لیکن اس
میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پر ندول کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن
ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اُتری ہوئی ہیں۔ صورتِ حال تو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا
ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۱ھ) لکھتے ہیں۔

ولا یعجز اللہ تعالیٰ ان یحل بہ حیوۃً مکوّن سبب الحس والادراک وان کما
نراہ رّمۃ مطروحة علی الارض لا یتصرف ولا یرى فیہ شیء من علامات الحیا
فقد جاء فی الحدیث ان المؤمن ینفخ لہ مدی بصرہ ویقال لہ ثم نومۃ العرس
مع انا لا نشاہد ذلک اذ البرزخ برزخ اخر بمعزل عن اذہا شنا
وادراک قوانا۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہدائے کے دنیوی اجسام میں زندگی اُتار
دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سٹرا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ
پائیں۔ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری
طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے
لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں لہن

کی نیند کی طرح سو جاؤ۔ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک
 کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس
 کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بزرخ اور
 عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔
 پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

والذی یعمل القلب الیہ ان لہما یتک الابدان شہما تاما صویا بھذہ الابدان وان الموات مختلفۃ
 الاجزاء متفاوتۃ۔ اذ فرق بین العالمین شتان مابین البزخین۔ ویمکن حمل احادیث الطیر علی
 تشبیہ ہذہ الابدان الغضۃ الطیریۃ بسرۃ حوکم تاو فہا بما حیث شاءت بالطیر المختصرۃ
 ترجمہ۔ اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ بزرخی
 ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں
 کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں
 فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیاتِ جہانی
 کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف
 شہداء کو کہا گیا ہے۔ سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جہانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق
 کو عند ربہم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے۔ جو جب رزق روحانی ہے تو ان کی
 زندگی بھی روحانی ہوگی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

والذین ہاجرُوا فی سبیل اللہ ثُمَّ قَتَلُوا اَوْ مَاتُوا لَیْسَ ذَہَبُہُمَا اللہُ ذَہَبًا

حَسَنًا۔ (پاک: الحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جاتا زندگی کی دلیل ہے تو چاہیے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

اجواب

اس آیت میں اوعاتوا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فخالد بن عبید (۵۷ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا۔

فاما من قتل فی سبیل اللہ ... فانه حتی عند ربہ یرزق واما من توفی فی سبیل اللہ من مہاجر لو غن مہاجر فقد قضت هذه الآية الکريمة مع الاحادیث الصحیحہ اجراء الرزق علیہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجہ شہادت ماجر ہیں اور حیاتِ جسمانی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر اشار اللہ وسیع نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

① — حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں۔

جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس کے گھڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آگئی وہ شہید ہے۔

② — حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ ھ) روایت کرتے ہیں۔

جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت پا لیا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔

③ — حضرت عمرؓ نے اثنا عشر خلیفہ میں فرمایا۔

لوگو! ایسا کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔

④ — سہیل بن حنیف اپنے دلدار سے روایت کرتے ہیں۔

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

مولانا اسماعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند رجمہ یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ

کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف

موسم پھیل آتے تو حضرت زکریا علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم

نے بتایا ہومن عند اللہ (پ آپ آل عمران ع ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ

وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریم کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب

دنیوی۔ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی

رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا۔

فَاِتَّخِذُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (پاپ العنکبوت آیت ۱۷)

ترجمہ۔ تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے۔

حیاتِ شہداء کے شواہد

① حضرت جابرؓ کہتے ہیں اُحد کے دن میرے والد نے مجھے کہا شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیدا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اُس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا۔ تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فَكَانَ اَوَّلَ قَتْلِ دَفْنٍ مَعَهُ اُخْرٰی قَبْرُهُ ثُمَّ لَمْ تَطْبَقْ لِمَنْ اِنْ اَقْرَبَ مَعَهُ اُخْرٰی فَاسْتَنْجَتْ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَلَاذًا هُوَ كَيَوْمٍ وَضَعْتَهُ هُنَا غَيْرَ اَذْنًا

ترجمہ۔ آپ جنگ اُحد کے پہلے شہید تھے میں آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ بتا اچھی نہ لگی کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں پھر چھ ماہ کے بعد آپ کے وہاں نکالا آپ اسی حال میں جیسا کہ میں آپ کو دفن کیا تھا صراحتاً ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمر و انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن ابیہؓ دفنائے گئے تھے۔

②۔ تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہرِ کفارہ کھودی گئی۔ اس کھدائی میں نسید الشہداء حضرت امیرِ حمزہؓ کا جسدِ ملا وہ اسی طرح محتاجِ طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ سلیحہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

وما وجد في صدر هذه الامة من شهداء احد وعينهم على هذه الصورة ولم يتغيرت وابتعد الدور الطويلة لحمة بن عبد المطلب فانه وجد حين حفر معاوية العين صحيحا لم يتغيرت اصابت الناس اصبغته فدميت.

ترجمہ۔ اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احمد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لیے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھودی تو انہیں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا سلیحہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جلدی ہو گیا۔

③۔ حضرت عمرو بن ابیجوخؓ اور عبد اللہ بن عمرو الفلہیؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیے گئے:-

فوجد المیت غیرا کانت مامانا بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فارسلت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت.

ترجمہ۔ وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فوت ہوئے ہیں ان میں سے ایک احمد کن دفن ہو رہا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

کر دیا گیا میں نے پیک ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

④۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بخران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تلحہؓ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے:-
 فاذا اخرفت يده عنها تنبعت دما واذا ارسلت يده سدها عليها
 فلمسكت دما۔^۱

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ میری جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔
 ⑤۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔
 ⑥۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر کفلامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تروتازہ ہیں اور بال بٹھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔^۲

⑦۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ ۶۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریازمین کاٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی۔ ایک صاحب الطاف حسین جو ان جنازوں میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے:-

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲۵ و تفسیر فاذن جلد ۲۸ ص ۱۸۶ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۶

۲۔ وفاء الوفا جلد ۲ ص ۹۳

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور غلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ
برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال
گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک
صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول
ہے اور اس کا عنوان ہے:-

ناقابل انکار صداقت

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے بہرہیل کے قاصصے پر ہے، زمانہ قدیم میں جس کا نام ”مدائن“ تھا۔
جہاں اکثر صحابہ کرامؓ گودزئی کے مہرے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار قبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ
مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ
اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک
سے دو فرلانگ کے قاصصے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوایہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو
موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس
لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جلابہ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پردائی یا انہماک امپراطنت
کے باعث بھول گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت
فرا کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ
نتیجہ راکام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فدی بند و بست کرادے۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نور محمد السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

ٹے اور اس سے اپنا خراب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خراب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتوے اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہران دونوں اصحاب رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیا کے اسلام میں یہ خبر سبکی کی طرح پھیل گئی۔ رُسر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکہ مدینہ) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلخاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی مزاروں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دو سر فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خراب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق مسلمان پلاک میں جمع ہو گئے۔ دو شنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانیؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اڑاٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹر پچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹر پچر کو علیحدہ کر کے ہنرمیں شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی مہدی مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، سچی کریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایعنی مفتی اعظم، ہاتھ ٹڑھانے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلسفہ ساز کمپنی نے کمال کیا کمال کیا کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خیر پر عین مزارات

کے اور پر دوسرے فٹ بلند فلاح کے چار کھنبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکریں لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کھنبوں کے چاروں طرف بھی پھت سے طعق چار سکریں لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلتے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس بٹر بونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترماں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لیے آتے تھے اور مطمئن شاداں و قرحاں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ”چشم دید واقعہ“ کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ پہلے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۷ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کیا ہے اور اس کے ہر جگہ چمچے رہے ہیں۔ یہ مزارات گناہ افراد کے بھی نہ تھے۔ یہ بنی اسوٰل زمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع غلائق بنے ہوئے ہیں بلکہ

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سانس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں خدا اسی بھی شائبہ حق و انصاف ہے اس کا انکار کر سکتا ہے کہ ان صحابہؓ رسول کو یہ حیات برزخی جس نسبت سے حاصل ہوئی وہ کہیں گنبد خضریٰ بھی اسی جہاد طہر سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا کیہ ہیں
عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان
کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی، کیا وہ انہی گمراہوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین
میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات
اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی
چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ
رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت
تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری
طرف حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر بستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جاتے
وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے
ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔
امول قصہ کی مشہور کتب مسلم الثبوت کی شرح فرائح الرحمن جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-
انعم بمنزل هذه الاقاريل خرجوا عن ربيعة الاسلام ولنا اراهم بعض اهل رضوان الله
تعالى عليهم اجمعين على صورة المختارين كما هو مشروح في الفتوحات المكية للشيخ الاكبر
وارد رسول الله صلى الله عليه وسلم بل حكم بعض اهل الله تعالى رضوان الله
عليهم انهم يحشرون على صورة المختارين

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور
انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیاتِ انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آپہنچے

الحمد لله وسلاماً علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کُل رُوئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اس دن جب سب مُردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا اُن کا طویل بے ہوشی سے افاتہ ہوگا بعد ربّ ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جواب اس فقرہ ثانیہ سے ہوش میں آگئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاتہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے :-

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله
ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا هم قیام ینظرون ۝ وانشرفت الارض بنور بہا
ووضع الکتاب وحیٰ بالنبیین والشہداء وقضیٰ بینہم بالحق وہم
لا یظلمون ۝ (پ ۱۴، الزمر ۷، آیت ۶۸)

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اُٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

ہنگامہ اٹھنے کی اور لایا جائے گا بنیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہو گا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور ہر جی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کہتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفع صود ہو گا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو سرچکے تھے اُن کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفع ہو گا جس سے مردوں کی ارواح اُبدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افادہ ہو گا اس وقت عشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔۔۔۔۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیفیت سے عشر کی زمین چمک اُٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔۔
صعق الرجل اذا غشي عليه وصعق الرجل اذا مات۔

صورہ پھونکا جانے پر جو صعق ہو گا وہ موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا اور جو پہلے سرچکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لیے یہ صعق غشی کا ہو گا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے سرچکے ہیں وہ تو زیر زمین تھے ہی۔ جواب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حاملہ العرش پر شاید اس نفع کا اثر نہ ہو اور وہ الامن شاء الله کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعق کا اثر بے ہوشی کا ہو گا

— نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہو گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو موت کی آغوش میں گئے تھے۔ وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ مقام حیات ہے ہو تو وہ بیہوشی سے آفاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مردوں پر تو فاذا النفوس زوجت کا عمل ہو گا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام اس دن بیہوشی سے اٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں بیہوشی سے آفاقہ میں آئیں گے۔ ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لا تخيروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا

موسى باطش بجانب العرش فلا ادري اكان فيمن صعق فافاق قبلي

او كان معن استثنى الله عز وجل :-

ترجمہ۔ تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا

جسے بیہوشی سے آفاقہ ہو گا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ کیچے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا

کہ وہ بیہوش ہو نہ لائیں میں سے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بیہوش ہی نہ ہوئے تھے، ان

میں تھے جنہیں اللہ عز و جل نے اسی آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے آفاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

اني اول من يرفع رأسه بعد النفخة الاخيرة :-

ترجمہ۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفع اولیٰ اور نفع ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا، کتنا ہوگا۔
اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت
وہی ہے جو دوسرے نفع کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے:-

ثم لنفخ فيه اخری فاذا هم قیام ینظرون ۵ رب ۲۴ الزمر ص ۶۸ آیت ۶۸
ترجمہ: پھر دوسری بار نفع صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے
کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور راحت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت
میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احادیث میں نفع افاغہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نفع ثانیہ ہر نفع افاق من قبلہ
اور اول من ینبئ کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام
عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک ہمیشی
کی سی ہوگی جو نفع ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔
یہ دوسرے نفع پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے —
حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:-

فان الناس یصعدون یوم القیمة فاکون من تنشق عنه الارض فاذا
انا ہونی اخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری کان فیمن صعد ام
حرم صعد الا اولیٰ ۱۰

ترجمہ: سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور
چھوٹا جانے سے) سر جائیں گے۔ اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر
پھٹے گی دکنے گی اور میں نکلوں گا، کیا دیکھوں گا کہ مومے عرش کا پایہ پکڑے

کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بہشتی کافی ہوگئی۔ جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مر جائیں گے پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نسبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ لکھتے ہیں:-

ترجمہ نفخہ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پچڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیلہ نہ میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بہشتی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل نبی نوح انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا اور بہت آپؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی — آپؐ فرماتے ہیں۔

يُخْرِجُ الدَّجَالَ فِي آتَمَى فِيلَيْثَ فِيهِمْ أَرْبَعِينَ فَيُبْعَثُ اللَّهُ عِزْرَجِلَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ..... فَيُظْهِرُ فِيهِ لَكَ ثُمَّ يُلَيْثُ النَّاسَ بَعْدَهُ سَنِينَ سَبْعًا لَيْسَ بَيْنَ الْأَشْيَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا يَارِدَةٌ مِنْ قَبْلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مَثْقَلٌ ذَرَّةً مِنْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ..... وَبَقِيَ شَرَارُ النَّاسِ فِي خَفَةِ طَيْرٍ وَاحِلٍ لِمِيعَةٍ..... وَهِيَ فِي ذَلِكَ دَارَةٌ أَسْرَافُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يَنْفُخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْنَعِي لَهُ بِهِ

اشر تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہو گا وہ اس کے جھونکے سے مر جائے گا صرف اہل شرہ جائیں گے طیور کی طرح ان میں توہم نفور اور اضطراب ہو گا فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے خیالات ان کے بُرے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے عقلیں ناقص ہوں گی اور علم و علم سے خالی ہوں گے قلتِ رحم، اہلاک، اتلافِ غضب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ بُرائی کو بُرائی مانیں گے۔ شیطان کے اُگلانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا۔ صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا۔

ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَتَنْبَتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ أُخْرَى فَاذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ قَالَ ثُمَّ يَقَالُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلْ مِنْكُمْ وَكُفْرٌ وَكُفْرُهُمْ

انہم مسئلہ۔

پہلے نفعہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مرجائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے
 گا سب مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام
 اگل آئیں گے۔ پھر دوسرا نفعہ ہو گا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت
 سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ ادھیما
 قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفعہ اولیٰ اور نفعہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہو گا۔ اصل
 قیامت وہی ہے جو دوسرے نفعہ پر قائم ہوگی۔
 قرآن کریم کہتا ہے:-

ثم نفع فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون ۵ (پ ۲۴: الزمر)
 ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفعہ صور ہو گا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے
 کو دیکھتے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے اٹنا بیہوشی سے اقلق کی صورت میں ہو
 گا موت سے حیات کی صورت میں نہ ہو گا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے
 سے زندہ ہیں جو نفعہ اولیٰ سے صرف بیہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفعہ سے وہ ہوش میں
 آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۲۰، ۴) فرماتے ہیں:-

وهذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرك الصعقة
 انما تصعق الاحیاء

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے
 ہیں مگر پھر بچا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا

یہ قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے برزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۴۴۴ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں:-

قال القاضي فيحتمل ان هذه الصعقة صعقة فزع بعد البعث حين تنشق السموات والارض فتنتظم حينئذ الآيات والاحاديث و يؤيد قوله صلى الله عليه وسلم فافاق لانته / نمايتال افاق من الغشي واما الموت فيقال بعث منه وصعقة الطور لم يكن موتا و اما قوله صلى الله عليه وسلم فلا ادرى افاق قبلى فيحتمل انه صلى الله عليه وسلم قاله قبل ان يعلم انه اول من تنشق عنه الارض ان كان هذا اللفظ على ظاهره وان نبينا صلى الله عليه وسلم اول من تنشق عنه الارض على الاطلاق :-

ترجمہ ہو سکتا ہے صعقة سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے صعقة فزع مراد ہو اس کے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضورؐ کا ارشاد مجھ اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ مریں افاق میں آئے تو یہ اسے ہی کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھایا جائے اسے بعث کہتے ہیں طور کی بیہوشی موت نہ تھی اور حضورؐ کا یہ کہنا میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفعہ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (باستثناء من شاء منہ) مریں جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے؛ وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر مستطانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

ان الذين يصعقون هم الاحياء واما الموتي فهم في الاستثناء في قوله
تعالى الا من شاء الله ولا يارض ما ورد في هذا الحديث ان
موسى ممن استثنى الله لان الانبياء احياء عند الله وان كانوا في صورة
الاموات بالنسبة الى اهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولاشك
ان الانبياء اعلى رتبة من الشهداء ورد الصريح بان الشهداء ممن
استثنى الله به

ترجمہ جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں مریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ
الام من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں..... اور یہ بات اس حدیث کے
خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو استثنیٰ کئے گئے کیونکہ انبیاء
سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت
میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء کو بلا شک شہداء سے کئی درجہ
اعلیٰ ہیں اور ان کے استثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الامن شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت
شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

سولفہ اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے مُردہ ہیں وہ اس
صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل
دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں تاہم (حقیقتہً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء
کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اُوپر کے درجے میں ہیں۔
انبیاء کرام صعقہ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ لفحہ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت اُن

پر اس صفت سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ صفت ان کے لیے صفت فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو آفاقہ ہوگا۔ جو مردہ ہیں وہ اس صفت ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبروں میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صفت سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی آفاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب جہنم کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک کھلی جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے مین مطابق ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلاتہ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے۔ پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو۔ اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں۔ ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل ہم احیاء و لکن لا تشعرون۔ اس سے بطور دلالتہ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زاد ہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالتہ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطور املی سمجھ میں آئے۔ اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس یہ

بلکہ مسالک العلماء ص ۱۹ معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل ہم احیاء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رُک چکی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہدین کے قرآن کریم سے نئے سرے سے احتیاط کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو مھبول کئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے۔

- ① حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔
- ② قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔
- ③ جس طرح شہداء بعد الوفاۃ زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفاۃ بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔
- ④ جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زادہم شرفاً کی دُعا ہے۔
- ⑤ جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیاتِ انبیاء کے کئی اقتضائے موجود ہیں۔

① واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا۔ (پ: الزخرف آیت ۴۵)

② ولقد اتينا موسى الكتاب فلا تكن في مريه من لقائه۔

(پ: الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث ہر صحیح کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش اہل علم نادان دوست اس مسئلے کو سمجھتے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادت حیات شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارتہ النص ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔
اب آئیے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔
روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غالب آکر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہو کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غار ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی کو ڈسا تو اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضورؐ آپ کہ اللہ کی طرف سے ان اللہ معنا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضورؐ کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر نہ کار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیات شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔
علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ زہر سے حضرت عمرؓ قتل سے شہید ہوئے۔

آنحضرتؐ کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت ماریث ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس زہر ملا یا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چمکے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض الوفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ سو آپ کا مرتبہ شہادت برحق ہے۔

ایک ہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا۔ صرف روح کا تجدد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجدد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اور پر کہا گیا ہے کہ حیاۃ انبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیت اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اور بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں ان کی بس یہاں رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-
عزیزان من ! حیاۃ الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے
ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بزرگان من ! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں۔ یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کچھ کہا ہے ؟
کم از کم اتنا ہی ہمیں بتادیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے ؟
آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں۔

مسئلہ حیات النبی کا تعارف

آنحضرتؐ بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النفس کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالتہ النفس سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا عجیب ہے کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں مسئلہ مرحلت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالتہ النفس سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہدار کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہیے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید ہونی چاہیے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے دو جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حيات بعد الوفات لسيد الكائنات

الباب الاول وفيه خمسة فصول

حدثنا هرون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوة فان صلواتكم معروضة على قال قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض الاجساد الانبياء.

سنن ابي داود جلد ١٥، ص ٢١٣، سنن نسائي جلد ١٥، ص ١٥٢، سنن ابن ماجه ص ٤٤، ص ١١٩، سنن دارمي ص ١١٥، مستدرک، حاکم جلد ١ ص ٢٤٦، جلد ٣ ص ٥٢٣، مسند امام احمد جلد ١ سنن کبریٰ سبکی جلد ٣ ص ٢٢٨ والطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ٣ ص ٢١، ص ٢٢٠ و احمد کما فی التفسیر لابن کثیر جلد ٣ ص ٥١٤ وابن خزیمه و ابن حبان و سعید بن منصور فی سننه و ابن ابی شیبہ فی مصنفه کما فی شرح العلامة البوسنی ص ٨٥، ص ٨٦، المصنف جلد ١ دلائل النبوة لابن قیم ص ٢٩٦، ص ٢٩٧

له قال ابن حبان في صحيحة حدثنا ابن جرير حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر بالتمام منه (جلاء الانبياء للمحقق ابن القيم ص ٢٤ طبع امرتسر)

ترجمہ حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دلوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صومر ٹھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی ہوگی پس جمعہ کے دن ٹھونکا جائے گا اور پڑھا کر دو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے دین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہول کو مٹی بنائے۔

① — صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔
فان صلوتکم معروضۃ علیؐ۔

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ و سلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال یہ پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا ہے گا۔ آنحضرت کا ارشاد فان صلوتکم معروضۃ علیؐ جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس استمرا پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا، تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتادی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔“

گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوٰۃ و سلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام روح الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے، ورنہ نئے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

② ————— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے“ صرف اِرمّت (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوٰۃ علیک کے جواب میں ہے۔ یعنی ارشادِ ثبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اصل سوال یہ تھا۔

کیف تعرض صلوٰۃ علیک و اِرمّت۔

ترجمہ۔ ہمارا درد آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجسادِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس و شعور پڑے ہیں، بلکہ منشاءِ رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفوظہ پر صلوٰۃ و سلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ و سلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا تو حدیث کے دونوں محلوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضائ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس شعور اگر اُما محفوظ نہ ہو، اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔

③ ————— صحابہ کرامؓ کے سوال میں ”اِرمّت“ اور اس کے جواب میں ”اجسادِ الانبیاء“ کے اطلاق قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً

گنجائش نہیں کہ شاید اجساد مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ و سلام روضہ منورہ کے اسی جسد عنقریب پر پیش ہو رہا ہے جس پر مددِ موت ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا جبکہ الطہر و ہاں مع الروح ہے، تو عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محل بنا ہوا ہے محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ اسکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ و سلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

کیف تعرض صلوٰتک علیک وارت.

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرضِ صلوٰۃ و سلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتفکر فان ذلک من مدارک الاذکیاء.

مولانا محمد بشیر قزوینی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث خطِ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

کشف

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے جا صے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں۔ جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے۔ چونکہ اسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گزنی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کشف کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا، وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئداد بعض لوگوں سے سُننے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث

کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبر میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوتِ صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعیِ نبوت اور اور جھوٹے مدعیِ نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، جھوٹے مدعی کی لاش گل ٹھڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ”مزمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسدوں کو کھائے“ سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفکارِ صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی کس طرح بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سباق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اُسے ایسا معنی پہنانے پر، جو آج تک کسی شارحِ حدیث کو نہیں سونپھے، حیرت درحیرت ہوتی ہے۔

اَلَا يٰۤاَقُوْمَنَا اَنْتَبِهُوا فَاِنَّا

مَحْاسِبُ فِي الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكَ

اگرچہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ امراء کی محفوظیت — ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوة و سلام پیش ہو سکے — اور ایسا صلوة و سلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفاات ہوتا تھا یعنی روح و جسد کے مجموع پر — پر دلیلِ نااطق اور شاہدِ صادق ہے — تاہم تائیدِ مزید کے لیے یہ بھی سنئے۔

تائیدِ مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يَّرْزُقُ بَلَدَهُ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے
پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے، جو مضمون حضرت ادس بن ادسؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا۔
فان صلوتکم معروضۃ علی — بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا
علیک وقد امنت۔

ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء — جواب برائے صورت عرض
صلوة و سلام بعد الوفات۔

نتیجہ — بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت بن کر سامنے آ گیا۔
فنبی الله حی رزق — اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔
اس جہد کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے
کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکم ادراج کہاں تک صحیح ہے۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع
نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کے محفوظ ہونے اور اُن پر صلوة و سلام
کے پیش ہوتے رہنے سے، حیاتِ البنی کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت
میں بعینہ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو
بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیثِ فخطِ اجساد کا اس کے پورے سیاق و سباق کے ساتھ
جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں
مقامِ تعجب ہے کہ اجسادِ الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی الله حی منہا کا مطلب یوں
بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیاتِ جمدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں
علیٰ دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

والبقی یصرح اہلہ والظلم مرتقہ الوخیم
حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سند اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

- ① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ — قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص ۲۹۸)
 - ② ابن حنفی عاصم بن غزیری شرح جامع صغیر — رجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹ مصر)
 - ③ تاج علی قاریؒ — باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرة بالفاظ مختلفہ (مرقات جلد ۲ ص ۲۴۲)
 - ④ قال الدمیڑی رجالہ ثقات. (فیض القدیر للنہادی جلد ۲ ص ۸۷)
 - ⑤ رواہ ابن ماجہ. بن جال ثقات (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۶)
 - ⑥ قال المنذری. اسنادہ جید (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۱۹)
 - ⑦ علامہ سہروردیؒ — رواہ ابن ماجہ باسناد جید. (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)
 - ⑧ قاضی شرف الدینؒ — اخرج ابن ماجہ باسناد جید (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱)
 - ⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ — باسناد جید. (عون المعبود جلد ۱ ص ۴۵)
 - ⑩ تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ باسناد جید (و ترکنا البقايا مخافة التطويل)
- تلك عشرة كاملة.

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ غلط ملط کر رہے ہیں جن لوگوں کی کسائی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی نادانیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سچلے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) ضد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے۔

وقد تركتني لا اعمى لمحدث

حديثاً وان ناجيته و نجاني

سُني، حافظ ابن قيم فرماتے ہیں :-

وقوله ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن مقيم وغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشبهه علي حسين هذا بهذا افتده و علمه بهما و سماعه منهما له

ترجمہ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن تمیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبد الرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔
رایت الدار قطنی قد ذکر ذلك نصاً

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

عبد الرحمن بن یزید بن جابر نے کھول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابوالاشعث، صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ، حسین بن علی سجستانی

اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے بھی شیخ حدیث تھے۔

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں ”ہو من ثقات الناس“ اُن کے بیٹے ابو بکر نے کہا ہے ”ثقة مامون“ ابو حاتم کہتے ہیں ”صدوق لا بأس به ثقة“

وفات ۱۵۳ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اہم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظ اجساد انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن ہبیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

پیش نظر ہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن ہبیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسمہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواۃ اور علل رواۃ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی — شراحیل بن آدہ

ثقة من الثمانية شهد فتح دمشق ۳۵ھ

لہ جلاء الافہام ص ۴۴ لہ تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۵ لہ ایضاً جلد ۶ ص ۲۹۵

لہ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۱۵ لہ تقریب التہذیب ص ۲۲۱

ثقة راوی ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اُن سے احتجاج کیا ہے مجلی انہیں ثقة کہتے ہیں۔ ابن جبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور اُن کا باہمی اقبال نہیں۔ ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی اُن پر اعتماد کریں گے۔ سہرن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اُسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

۱. امام احمد (۲۴۱ھ) ۲. امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) ۳. امام نسائی (۳۰۳ھ) ۴. امام
- ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ۵. ابن حبان (۳۵۴ھ) ۶. دارقطنی (۳۸۵ھ) ۷. امام بیہقی (۴۵۸ھ)
۸. حاکم (۴۳۰ھ) ۹. ابونعیم الاصفہانی (۵۳۰ھ) ۱۰. بغوی (۵۱۲ھ) ۱۱. نووی (۵۶۶ھ) ۱۲.
- ابن وحید (۵۷۰ھ) ۱۳. علامہ منذری (۶۵۲ھ) ۱۴. حافظ عبد الغنی النابلسی (۶۳۲ھ) ۱۵. حافظ ابن کثیر
- (۷۴۴ھ) ۱۶. حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ۱۷. حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ) ۱۸. خطیب بئر نزی (۷۴۳ھ)
۱۹. حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) ۲۰. حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ۲۱. حافظ عینی (۸۵۵ھ) ۲۲. حافظ
- سخاوی (۹۰۳ھ) ۲۳. علامہ سبکی (۹۴۱ھ) ۲۴. علامہ ابن عبد البادی (۹۴۴ھ) ۲۵. علامہ طبری
۲۶. علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) ۲۷. امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) ۲۸. شیخ عبد اسحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)
۲۹. قاضی شُرکانی (۱۲۵۰ھ) ۳۰. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۶۶ھ) ۳۱. شاہ اسماعیل شہید
- (۱۲۹۶ھ) ۳۲. حجت الاسلام علامہ اندر شاہ کشمیری (۱۲۵۱ھ) وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

لہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار ۱۱۹ لہ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۱۹

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:-

توالجات از بعض توالجات

① شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ

تلخیص المستدرک للعلامة الذهبي «على شرط البخاري»

② حضرت امام نوویؒ

روينا في سنن أبي داود والنسائي وابن ماجه بالاسانيد الصحيحة عن

اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... الحديث

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو

جاتی ہے۔ وللحديث طرق جمعها المنذري في جزء فتقدد الطرق يشد بعضها بعضاً.

علامہ نابلسی فرماتے ہیں حسن صحیح

③ خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

الف: ورد الامر باكثر اداء الصلوة عليه الجمعة من حديث اوس بن

اوس وهو عند احمد وابي داود وصحيحه ابن حبان.

ب: ورد الامر باكثر اداؤها يوم الجمعة في حديث صحيح كما تقدم.

ج: عند ابي داود والنسائي وصحيحه ابن خزيمة وغيره عن اوس

بن اوس رفعه.

۱۔ تخفیف المستدرک جلد ۱ ص ۲۷، جلد ۲ ص ۵۷، کتاب الاذکار کتاب الصلوة علی رسول اللہ ص ۷۸

۲۔ انوار البیوع للنسائی ص ۱۱۹، تنقیح الرواة جلد ۱ ص ۲۵۵، ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۲۹

فتح الباری جلد ۱ ص ۱۲، کتاب الدعوات ص ۵، فتح الباری ج ۱ ص ۷۸، کتاب الانبیاء ص ۱۲

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف : صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد
الانبياء عليهم الصلوة والسلام ۛ

ب : وهو اليوم راى والحال انه اليوم كما وضع لان الارض لا تأكل اجساد
الانبياء عليهم السلام ۛ

⑤ حافظ ابن كثيرؒ

قد صح هذا الحديث ابن جزيمة وابن حبان والدارقطني و
النووى في الاذكار ۛ

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیاء کے کرام
کے جہوں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل
صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تأمل هذا الاسناد لم يشك في صحته لشدة روايته وشهرتهم
وقبول الامم حدیثہم ۛ

ترجمہ اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اُسے اس حدیث کی صحت
میں کوئی شک نہ رہا، کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث
نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء
الى غير ذلك مما يحصل من جملته القطع بان موت الانبياء انما

هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء^۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

⑥ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ)

حدیث صحیح لان رواۃ کلمہ مشہورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ كابي حاتم بن حبان والحافظ عبد الغنى النابلسي وابن دحية وغيرهم ولم يات من تكلم فيه وعلمه بحجه بيّنه^۲۔
ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

⑦ امام الحدیث والفقہ تلامذہ علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری

قال ميرك ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه وذا ابن حجر بقوله وقال صحيح على شرط البخاري ورواه ابن خزيمة في صحيحه قال النووي اسناده صحيح وقال المنذرى له علة دقيقة^۳ اشار اليها البخاري نقله ميرك قال ابن وحية انه صحيح بنقل العدل

۱۔ کتاب الروح ص ۴۴۴ ص ۴۴۴ المنکی ص ۴۴۴ یہ علت غالباً عبد الرحمن بن زید کے ابن تیمیہ یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عبد الرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تیمیہ نہیں جو محل جرح تھا۔ پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجب الحافظ عماد کی فہم من العلة وراجع لاجلاء الافہام ص ۴۴۴، ص ۴۴۴

عن العدل ومن قال انه منكرا وغريب بعلة خفية فقد استروح
لان الدار قطنی ردها۔

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو ”منکر“ یا ”غریب“ و ”معتل“ کہا ہے، اس نے نہایت
پہچان کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہرین نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔
⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روزِ جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوة
شما معروض می گردد بر من۔ ازیں جا معلوم می شود کہ حیاتِ انبیاء حیاتِ جسمی
دنیادی است نہ بجز بقائے ارواح۔

ترجمہ۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کر
کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات
اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبد الغنی النابلسی

قال الحافظ عبد الغنی النابلسی انه حسن صحیح۔

⑪ خاتم المحدثین حضرت العلامة محمد انور شاہ کشمیری

ومما كُفِرَ به الفقهاء الحجاج۔۔۔ لان في هذا الكلام تكذيباً

لرسول الله صلى الله عليه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلك فانّه صحيح

عنه صلى الله عليه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم على الارض

ان تأكل اجساد الانبياء رواه ابو داود۔

۱۔ مرقات جلد ۲ ص ۲۱۱ مصر ۲۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۹۲ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۶
۴۔ جامع لہ الکامل للبرد جلد ۱ ص ۱۹ بحاشیہ الدکتور منکی مبارک جلد ۱ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴
بحاشیہ ابراہیم ۵۔ خزائن الاسرار ص ۱۹

ترجمہ فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک اُن میں سے
اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت
ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۲ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ اُن کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی
کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن زید بن تمیم ہے جو مکہ المکرمہ میں ہے۔ امام بخاری اُسے
عبدالرحمن بن زید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن زید کس سے روایت کر
رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے۔ اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن زید بن
جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن زید بن تمیم کے اساتذہ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں
کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام
بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم
ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے اُن کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا۔
حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی، کہ اُن پر اُن کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن
جابر ہے یا ابن تمیم۔ امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا
پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۴ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں۔
حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:-

لكن قدرد هذه العلة الدار قطنی وقال ان سماع حسين عن ابن جابر ثابت والی هذا اجتماع الخطيبؑ

ترجمہ۔ لیکن اس علت کو دار قطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

المبحث الثالث

ان بندگوں کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روزۃ منورہ کی حیات یقین کیا یہ نہ من تنہا وریں نے فائدہ مستم جُنید و شبلی و عطار ہم مست

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ۲۔ حافظ ابن القیمؒ ۳۔ علامہ طیبیؒ ۴۔ علامہ سید جمال الدین ۵۔ علامہ سندھیؒ ۶۔ امام ملا علی قاریؒ ۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۸۔ قاضی شوکانیؒ ۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۱۰۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم من الاکابر۔
پیش نظر ہے کہ ان عبارات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح منہم متعین کرنے کے لیے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن کے مقابلے میں کسی احتمال ثانی کی گنجائش نہیں۔

① اسخبرت کے ارشاد پر کہ ”مہتار اودود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے“ صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ ”بعد الوفاۃ یہ کیسے پیش ہوگا“ اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عام دوسرے انسانوں کیسیا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ اُن پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام ائمہ کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ ۴ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں:-

تنبیہ

یہاں فاخبر انہ یسمع الصلوة من القریب میں دو احتمال ہیں :-

اول یہ کہ یہ پہلی حدیث خطِ اجماعِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سنتے ہیں مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابوہریرہؓ سے بالفاظِ اختلافِ اصہبائی، ابنِ حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علی عند قبری الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکام مراحہ سے منقول ہیں۔ اس صورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فاخبر سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ خطِ اجماعِ انبیاء و الی روایت اور روضہ اطہر کے قریب سے درود شریف خود سننے کی روایت مآل کا ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضہ منورہ کی حیاتِ جمائی ہے۔

④ شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری
مطراً وقد سألہ الصحابة کیف تقرض صلواتنا علیک وقد
ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو
لم یکن جسده فی صریحہ لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عندہ ان اللہ
تعالیٰ وکل بقبرہ المسلمکۃ یبلغون عن امتہ الاسلام و صح عندہ
انہ خرج بین الحج بکرو عمر وقال ہکذا نبعث ہذا مع القطع
بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح

الانبیاء فالروح هناك ولهما اتصال بالبدن في القبر واشراف
عليه وتعلق بحيث يصلي في قبره ويرى سلام من سلم عليه وهي
في الرفيق الاعلى

ترجمہ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بالکل ترمو تازہ روضہ
منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ
وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے
کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب
ارشاد نہ فرماتے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت
ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

۱۔ کتاب الروح ص ۵۵ حیدرآباد ۱۔ یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قزوینی کا ہے کہ انبیاء کرام
کے اجساد مطہرہ دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیئے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ
علیین یا خلیفہ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گریا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی، بلکہ
اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حاصل
یوں بیان کرتے ہیں: پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول سمیاتی کہ پیش از وفات بود یا
(جذب القلوب ص ۱۸) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد محتمل ان
یکون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۱۸ مصر) حافظ ابن قیم اس نظریے
کی احادیث کی روشنی میں تردید فرماتے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات
جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہوا اور
اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور بشریہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ لہٰذا اس حدیث
سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روح پر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے،
اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیتین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں۔ پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روحِ منورہ میں رکھے جسبہ طہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قری تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وہذا التعلق رای موسیٰ قائماً یصلیٰ فی قبرہ ۛ

ترجمہ۔ روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر رحمت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریف کے اجسامِ مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقویم حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑤ شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ :-

صبح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء
... فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم و
ان كانوا موجودین احياء وذلك كالحال فی الملكة علیہم الصلوٰۃ و
السلام فانهم موجودون احياء لا ینالهم احد من نوعنا الا من خصه

اللہ تعالیٰ بکرامتہ واذا تقروا نمنعوا حیاء۔۔۔

ترجمہ: آنحضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم اُن کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم اُن کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ اُن کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ دُرود و سلام کس وجہ اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدن اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدن طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ سچ بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

وهو اليوم (ای والحال انه اليوم) كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام۔

ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت تھے جب آپؐ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبرؐ کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

⑥ حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری:-

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعها و فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبياء ای من ان تأکلہا

فان الانبياء في قبورهم احياء فتحصل الجواب ان الانبياء
 احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم . قائل
 ترجمہ ۲: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے
 جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیاء کے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
 ہیں (صحابہ کے اس سوال کے کہ بعد الوفاۃ یہ صلوة و سلام کیسے پیش ہوگا)
 جواب میں یہ ارشاد فرمایا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں
 اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوة و سلام پڑھے، اُسے وہ خود
 سن سکتے ہیں۔

آگے جا کر لکھتے ہیں:-

ان الصعابة رضى الله عنهم سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقاد
 جواز ان العرض كائن لا محالة لقول الصادق فان صلواتكم معروضة
 عليّ لكن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجردة او على
 المتصل بالجسد وجواب ان جسد النبي كجسد كل احد ففى الجواب ما
 قاله علي وجه الصواب :-

ترجمہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و
 سلام پیش کرنے کی کیفیت پوچھی، یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود و سلام
 تو ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے
 انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے یا اس روح پر جو
 متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح
 ہے سو آپ جو جواب دیا وہ درستگی (حقیقہ کی صراح) میں کافی ہے۔

لا شك ان حفظ اجسادهم من ان تدم خرق للعادة المسقرة فكما ان الله تعالى يحفظها منه فكذلك يمكن من العرض عليهم ومن الاستماع منهم صلوات الامة ٥

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عباد زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجسادِ کریمہ) پر دوسرا پیش بھی ہو اور وہ امت کا درد بھی امت سے کُسن پائیں۔

علامہ عینیؒ کی طرح تلامذہ قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں:-

قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بهما يتعبدون و يصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مزية فيه ٥

ترجمہ۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبدی امور سجالا تے ہوں اور اپنی قبر شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور قرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (عاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

امر لا مزية فيه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جاسکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجتہد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔

⑥ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:-

اس حدیث خطبہٴ اجسادِ انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:-

۱۔ انہیں با معلوم ہے کہ حیاتِ انبیاء حیاتِ جسمی و دنیاوی است نہ بحیثیت بقائے ابدان^۱

۲۔ گناہ است از حیات و حیاتِ انبیاء متفق علیہ است۔ پیچ کس را در دے
خلافے نیست حیاتِ جسمانی و دنیاوی حقیقی و دریں حدیث کہ فرمود،
ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء اثرات است بآں^۲

۳۔ كناية عن حياتهم كما يأتي من حديث ابي الدرداء والمذهب
ان الانبياء احياء حيوة حقيقية^۳

۴۔ بدانکہ در حیاتِ انبیاء علیہم السلام، و ثبوتِ این صفت سرایشاں را در ترتیب
آئندہ احکام ہل پیچ کس را از علماء خلافے نیست^۴

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، اُن کے واسطے وہی
ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آپکی۔ اس کے بعد اُن کی روحیں بدن میں لوٹا
دی جاتی ہیں اور جو حیات اُن کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں^۵

① معتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل جلیل قاضی شروکانی^۶ لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشر و عیة الا کثار من الصلوة علی النبی ۴ یوم
الجمعة وانما تعرض علیہ وانه حی فی قبرہ قال ان الله
حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبياء وقد ذهب جماعة من
المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم حی بعد وفاته^۷

ترجمہ۔ احادیث سے اِن اُمود کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱۔ مجہ کے دن آپ
پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲۔ درود شریف آپ پر پیش ہوتا ہے۔

۱۔ جامع التبروت جلد ۲ ص ۹۲ طبع قدیم ۲۔ اشعۃ التوحات جلد ۳ ص ۶۳ ۳۔ لمعات التفتیح ص ۳۳

۴۔ جہیز الشلوب ص ۱۸۹ لکھنؤ ۵۔ تکمیل الایمان مترجم ص ۵۵ ۶۔ نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۱، ص ۲۱۱

۴۔ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جہوں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

⑨ پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں :-

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلهما) فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔
فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہوں کو کھائے اس ارشاد نبوت کی بناء پر ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بنل میں ہے۔

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سیار پوری ارشاد نبوت کا منشاء وضع کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور اُن سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے فتوٰۃ دایا اولی الابصار۔

حقیقۃً، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا، اور کس وضاحت سے اس کا مدلل رد و منہ اطہر کی حیاتِ غمیری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آئیے حقیقہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے :-

⑩ صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابنی داؤد میں تصحیح فرماتے ہیں :-

ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن

لامحالة لقول الصادق دُعَا اللّٰهُ شَبَاهُ ان العرض هل هو على الروح

المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی کجسد کل احد
فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب۔

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ
آپؐ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس اُن کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق
تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد
پر اُس کا عروج ہو گا۔ حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں
ہوتے۔ اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے
اور روح مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے۔ یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور
بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ
والجماعہ میں سے کوئی حیاتِ انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرت
قدسی صفات عرض صلوٰۃ و سلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپؐ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض
ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپناتے ہوئے تھے اس کے لیے آپؐ
ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے
سماں عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بطرز و استہزار سے پڑھتے ہوں ان کے لیے حضرت
شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکانا بامیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ و اصحاب الشمال ما
اصحاب الشمال۔

والی اللہ المشتکی و هو المستعان و علیہ التکلان۔

المبحث الرابع

حديث ابى الدرداء واحوال رواته

حدثنا عمرو بن سعد المصري ثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث
عن سعيد بن ابى هلال عن زيد بن ايعن عن عبادة بن نسي عن ابى
الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على

لہ عمرو بن سعد المصری ابو محمد المصری ثقہ من الحادیۃ عشرۃ ثقہ راوی حدیث ہیں۔ (تقریب ص ۴۹۲)
لہ عبد اللہ بن وهب بن مسلم مولاهم ابو محمد المصری الفقیہ ثقہ حافظ عابد من التاسعة
(تقریب ص ۴۹۵) لہ ثقہ ضیہ حافظ من السابعة (تقریب ص ۴۹۸) لہ اللیثی مولاهم ابو العلاء المصو
قیل حدیث الاصل قال ابن یونس بل نشاء بها صدوق۔ (تقریب ص ۴۹۵) صدوق راوی
حدیث ہیں۔ ابن خزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن خزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا
اعتقاد تھا۔ وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجساد قبر پر کسی شتم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔
ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عود و ریح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن اذر
تھے، ان پر بھی ابن خزم نے جرح کر دی تھی۔ تنقیح الرواة ص ۴۱۲ میں ہے۔ ولما رآه ابن خزم
حدیث المنہال راہ علی معتقدۃ فی انکار عذاب الاجساد فی قبر و رهاطن فیہ و طعنہ
مرحومہ والمحدث صحیح۔ (جلد ۱ ص ۴۱۲) لہ زید بن ایعن روی عن عبادة بن نسی
وعنه سعيد بن ابى هلال ذكره ابن حبان في الثقات روی له ابن ماجه حدیثاً واحداً فی
فضل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت رجالہ ثقات۔

یوم الجمعة فانه مشهور بقسمه المشكة وان احدا لن یصلی علی الا
 عرضت علی صلواته حتی یفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت
 ان الله حرم علی الارض ان تأكل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق.
 ترجمہ۔ عباد بن نسی حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ کے
 دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور
 کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا۔ مگر یہ کہ اس کے فخر بہتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا
 جاتا ہے۔ ابو الدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپؐ پر درود
 پیش ہوتا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے
 گا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرم کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسوں کو کھائے پس اللہ کا
 پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسی

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۸۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو الدرداءؓ
 اور دوسرے کئی محدثین سے احادیث سنیں۔ زید بن امینؓ اور سعید بن ابی ہلالؓ وغیرہما نے ان سے
 روایات لیں۔ امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ
 نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

ثلاثة نفرینزل بهم الغيث وينص بهم علی الاعداء عبادہ بن نسی
 رجاء بن حیاة وعدی بن عدیؓ

ترجمہ۔ تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی
 برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسیؓ
 ہیں (وتمثل بالذوات)

”تہذیب الکمال“ میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے اُن کی حفظِ احادیثِ انبیاءؑ والی روایت

منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فتنی اللہ حق یرزق کے الفاظ موجود ہیں۔

عبادہ بن نسی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور اُن کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ عبادہ بن نسی سے سچے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم ماسنید میں پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرینِ حدیث کی ایک پوری جماعت ”اسنادہ تجید“ کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل المبحث الاول قال الحافظ المنذرخ اسنادہ جید۔

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن امین اور عبادہ بن نسی کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اصل انقطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محلِ کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے علماء الافہام میں تصریح کی ہے۔ زید بن امین اور عبادہ کے مابین دعویٰ انقطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلب ہے محض نقل و دعویٰ ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کن سی قسم کا انقطاع ہے، مضرب یا غیر مضرب پھر بصورتِ مضرب کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن امینؒ کا عبادہ بن نسی سے روایت کننا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہاں یہ سوال کہ عبادہ بن نسی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو تجید کہا ہے۔ سند تجید بھی ہوتی ہے کہ ضعفِ رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مُرسل ہے تو پیش نظر ہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے
 بلکہ اسے حضرت ادس بن ادسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس
 کا قبول کسی کے ہاں محال اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل
 بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نسا ثما
 فاطمہ کی تفسیر سند عمارت بن ابی اسامہ کی روایت میں خیر نسا ثما عالمہا و فاطمہ خیر
 نسا ثما عالمہا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور
 سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و ترویج میں پیش کی جا رہی ہے، اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو
 احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں
 بھی اس ابن ماجہ کی حید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

وکل من تأمل فیہ علم و یقن ان العلم بالام سال من الدقیق الذی لا یستدک

الا الموفق او الطالب المتحقق۔

المبحث الخامس

تدقيق الكلام في عرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان صلواتکم معروضۃ علی دمہما اور دود

مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے۔ اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشکیک نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے جانیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو بایں بالغا (ان صلواتکم معروضۃ علی) اطلاع دی تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک بزرخی کیفیت تھی۔ جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دنیوی حیات میں ان بزرخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جہد سے ہی اس بزرخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور کے دنیوی جہد اور بزرخی نظاروں کا اجتماع تھا۔ قرآن پاک کی رُود سے اسراء کے جلوؤں میں لذیہ من آیاتنا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی توجہ گر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش

ہوتا تھا کہ ہم اسی وادی کے نا آشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درد و سلام آپ پر کسی سر کی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے برزخی جملے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور کے سینہ مبارک پر اپنی قدرت کا دم تھم رکھا تو آنحضرتؐ دینہ منورہ میں بیٹھے طاء اعلیٰ (اد پر کے جہان) کی باتیں سُننے لگے فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:-

فَمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَىٰ كَسْ بَاتٍ مِّنْ أَدْرِ دَالٍ تَجْكُ أَوْ رَهْ مِی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا:-

عَرَضْتُ عَلَىٰ أَجْرٍ أَمْتِي وَعَرَضْتُ عَلَىٰ ذَنْبٍ أَمْتِي فَلَمْ أَرِ ذَنْبًا

أَعْظَمَ مِنْ سُورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أَوْ تِمَارِ جَلٍّ ثُمَّ نَسِيتُ۔

ترجمہ مجھ پر میری امت کے اعلیٰ اعمال پیش کئے گئے اور مجھ پر میری امت کے گناہ

مجھ پر پیش کئے گئے۔ سب بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ

یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اُجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے یہ کس چیز پر مرتب ہوئے؟ اعمال پر۔

سو اگر اُجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش

نہیں ہو سکتے؟ اسکا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:-

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعْرِضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمْدُ

اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ مَّثِيٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ۔

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر۔ اس مہلت میں تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے۔ اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو میرے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔ آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شروکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

انه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبطلون^۱

ترجمہ۔ آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے احباد پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

اذا كان يوم الجمعة وليلة الجمعة فاكثروا الصلوة علي^۲

ترجمہ۔ جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقع بھی معلوم کر لیں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں :-

اكثروا الصلوة علي في كل يوم جمعة فان صلوة امتي تقض علي في كل يوم جمعة^۳

ترجمہ۔ مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا۔ صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ و سلام جب اطہر پر کیسے ہو گا۔ جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام نئے سرے سے شروع نہ ہو گا۔ بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح و جسد کے مجموع پر متواتر ہوا بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام اس جسد اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ و سلام پہلے ہے اور رد اللہ علی روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے۔ حدیث کی ترتیب یہی ہے۔

حیوة الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا الا خلاف لاحد فیہ فقال
الحافظ معناه رد اللہ علی نطقی

ترجمہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح ٹوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو ٹوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رد اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علی نطقی ہے۔ چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے :-

المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جملة خطابنا بما نفہمہ

ترجمہ۔ یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے

سمجھ پائیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طبرانی میں ہے، آپ فرماتے ہیں۔

لیس من عبد یصلی علی الابغنی صلاتہ — قلنا وجہ وفاتک قال وبعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء

ترجمہ۔ کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے

آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب ہے ہو تو براہ راست اور دُور سے ہو تو بتوسط ملائکہ — یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے۔ جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و تجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی توجہ فرمادیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود و سلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات تو بہ کتنی کروڑوں ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ و سلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں وہ اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پر روح ٹٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے روح میری طرف ٹٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذمہ لے فرمایا۔ علی استعلاء کے لیے ہے اور الی تنہایت طرف کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا

(اس جہت میں) استعلام نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج محض اور اب اس کہ جسم اطہر کی طرف ٹوٹا یا گیا ہے۔
حضرت مولانا محمد منظر نعمانی لکھتے ہیں :-

اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے۔۔۔۔۔ پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والاتفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، عجیب اور متبدل (کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں مگر اس سے روح اقدس کا ذات و تجلیات الہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا۔ اس میں فرق نہیں ہوتا۔ آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں متغرق ہیں۔
آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں :-

المراد بروح النطق لانه صلى الله عليه وسلم حث في قبره وروحہ
لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ۔ رد روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب دے سکیں) کیونکہ حضورؐ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے رد روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد

جواب دیئے ہیں۔

الخامس انه يستغرق في امور الملاء الاعلى فاذا سلم اليه رجع اليه فلمه
ليجيب من سلم عليه.

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملا اعلیٰ کے جلووں میں مستغرق رہے ہیں پس
جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لٹتا
ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔
ان امور الاخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الاخرة
والله اعلم.

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جاسکتے اور عالم برزخ کے حالات
آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخامی (۵۹۰ھ) علامہ تقی الدین السبکی سے روبرو روح کا
معنی نقل کرتے ہیں۔

يحتمل ان يكون رذا مغنيا وان تكون روحه الشريفة مشغولة
بشهود الحضرة الالهية والملاء الاعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت
روحه الشريفة على هذا العالم ليدرك سلام من يسلم عليه ويرد عليه.
ترجمہ: یہاں روح سے مراد روح کا حسا ٹوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے
وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الہی اور
ملا اعلیٰ کے شہود میں مشغول رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے
تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرتے والے کے سلام
کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جملہ رد اللہ علیٰ سراجی کو جملہ عالمی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں عربی قاعدہ ہے کہ جملہ مالیہ جب ماضی کے طور میں ہو تو اس میں تد متقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے :-

او جاؤکم حصرت صدورہم ان یقاتلواکم او یقاتلوا قومہم۔

(پش، النساء، ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ۔ یا وہ آئے تمہارے پاس درحالیکہ تنگ آچکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حسرت فعل ماضی ہے جیسے ساد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی۔

ما من احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک و ارد علیہ۔

ترجمہ۔ کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری طرف لکھ دے اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آپ آئیے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے :-

لان الکن لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ۔

ترجمہ۔ کیونکہ جہاں کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لحظہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سرگزیر سلام اسی روضہ

قدسیہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت کللوج المکفوف لا یلزمها
اراده متجدده و داعیه سائحه و لکن النفوس التي هي دونها ملتصقة
بالهمة فتجلب منها لوسر او هیئته مناسبة للارواح و هي المکنی عنه
بقوله علیه السلام ما من احد یسلم علیّ الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه
السلام و قد شاهدت ذلک ما لا احصى فی مجاورتی المدیة سنة الف
و مائة و اربع و اربعون ۛ

ترجمہ اور کاملین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رُک کی ہوئی
موج کی صورت میں بھبھاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ
حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح
کی) بہت سے ان سے جا بچھٹتے ہیں اور ان سے فوراً اور بہتیت جو اپنی ارواح کے
مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور کے اس ارشاد میں کہ
جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر نوادیتا ہے
(متوجہ کر دیتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام نوادیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے
اور میں نے ۴۴۱ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا۔ میں نے اس سلام
و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کہ جبکہ اظہر پر اس طرح تجلّی ریزہ ہے کہ آپ
نارین کا سلام سُنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پُر الوار پر مجاورت
اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوئل سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) تفرد اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں :-
جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

پُر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت
و محبت تمامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش (ادھر دھیان کرنا) عطا فرما
دیتا ہے۔

اب چودہویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الاسم اللہ علیٰ روحی
کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا
خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں:-

قال القاضي لعل معناه الى روحه المقدسة في شان ما في حضرة الالهية
فاذا بلغه سلام احد من الائمة رد الله تعالى روحه المطهرة من تلك
الحالة الى رد من سلم عليه۔

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ
کے حضور حاضر ہو اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ
آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ
پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ یہ چودہ سو
سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں
ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الاراد اللہ علیٰ روحی سے یہ استدلال کیا ہو ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکیا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں
آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوة و سلام جب اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ
اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جب اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

ہر آپ حدیث ان صلوٰۃ تم معروضہ پر لکھتے ہیں۔

اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک
(دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔

اس بات سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا اور
آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھادیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذابِ قبر کی آوازیں بھی سن لیتے
اور کبھی بغیر کھائے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا۔
یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ،

آپ کی دیکھنے کی قوت اور دلوں جیسی نہ تھی۔ آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح
نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا۔ آپ کا قلب مبارک ثلثی شان کا حامل
تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

حسبوا ان جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب
ما قالہ علی وجہ الصواب۔

ترجمہ۔ انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح
ہوگا۔ جو حضورؐ نے جو جواب دیا۔ وہ صحیح صورت بتانے کے لیے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے۔ صحابہ کرامؓ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش ہوتا ہے۔ اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
(۳۱ھ) فرمایا کرتے تھے۔

اذا صلیتہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحسنوا الصلوٰۃ علیہ فانکم
لا تدرون لعل ذلک یعرض علیہ۔

ترجمہ۔ جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو۔

ہر یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الہی گئے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر النور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض محسوس ہوتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں پھر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر درود روضۃ النور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی حضور جب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے۔ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہو گا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور کو پہنچائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تو ترجمانی کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی مسلمان نہیں جو حضور پر مخصوص دل سے صلوٰۃ و سلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا :-

عن ابي الدرداء رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
اكثروا الصلوة على يوم الجمعة فانه مشهود تشهد الملك وان احدا
لن يصلي على الاعرضت على صلواته حتى يعزغ منها.

ترجمہ جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

پر ماضی دیتے ہیں کہ امت کا صلوة و سلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درد و سلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضور کے روضہ پاک کے مابین ہے جو خود اگر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ (تعالیٰ قاری ۱۰۴ھ) لکھتے ہیں:-

درد و سلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

شیخ عبدالحق دہلوی (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:-
نیز از ابن عمرؓ آمدہ ومن صلّ علی عند تبری زدت علیہ ومن صلّ علی فی مکان آخر بلغونیہ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس اگر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (مجھ) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

خاصی شروکاتی (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و سلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الاکثان من الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة وانما تقرر علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ حی فی قبرہ

وراد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء میں مرقون وان
الحیاء فیہم متعلقۃ بالمجد فکیف بالانبیاء والمرسلین ۛ

ترجمہ ۱۰ اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت درود پڑھنے کی مشورت
ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نبی اکرم پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے
کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ
وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے مصلحت ان کی
حیات صرف روح کی نہیں جس کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و
مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور پر پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جب مقام مدینہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے
اُن کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بانیں
ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو اُن کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ کہ میں زندہ ہیں،
شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب :-

① جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا
اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

② اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں
اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اور پچھلے درجے کے مقربین برزخ اور حشر میں بھی اعمال طاعت

میں لگے رہتے ہیں۔ گویا ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درودِ بار بار ادا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالمِ برزخ میں حضورؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جاسکتیں۔

۳) کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف جمعہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

۴) آپ پر اعمالِ امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالاتِ امت پیش ہوتے ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرماؤں ابراہیمؑ کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شہادت کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلواتکم معروضۃ علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضورؐ کے روضۂ پاک پر حاضر ہو کر خود باہ راست درود و سلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں اس پر ایک مستقل باب آگے آ رہا ہے۔

المبحث السادس — التحقیق المفید فی الذنب عن الشیخ الشہیدؒ

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام کے (وفاتِ شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام فرمادینے، ثابت نہیں، اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہوگی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت جو پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے :-

یعنی میں بھی ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجھے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ "مٹنا" محل اعتراض ہے اور اسی پر التزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے
حالانکہ مٹی کے ساتھ مٹنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "مٹنا" کے یہ معنی ملتے ہیں :-

پوستہ ہونا، طمع ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ قواعد اللغات جلد ۴ ص ۶۳۲
مقرر ضمیمہ خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے
سکیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضورؐ کی
طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں مٹنے والا ہوں۔ اس
سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ)
اردو زبان کا جامع ترین لغت، "جامع اللغات" جلد ۲ ص ۵۱۵ میں خاک میں مٹنا کے معنی دفن
ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ ص ۴۴ میں لکھا ہے :-

مٹیر اللغات مٹ میں ہے :- خاک میں مٹنا۔ دفن ہونا۔

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے :- مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں مٹنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن
مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمل کہنا، جو مصنف کے ماشیہ
خیال میں بھی نہ گذرے ہوں کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکی !

پیش نظر ہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس
مٹنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے" لیکن اگر اقل الذکر کو اس
ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو
تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز
یہی ہو گا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضورؐ کے جسد اطہر پر روضہ
منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لیے حضورؐ کی طرف سے یہ مقصود ان لفظوں میں
ادا کیا گیا :- مٹی میں مٹنے والا ہوں۔ تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ولیع نور اللغات جلد ۴ ص ۲۸ پر لکھا ہے کہ ”میں“ کبھی ”سے“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مجتہدین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث خفیہ اجساد انبیاء سے خواہ مخواہ نکالتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہیدؒ اور ان کے ملتہ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پر دہ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہو گا جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لیے بھی ضرور ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

مٹی میں مٹنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ غلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جبرہ انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں۔ محدثین خفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت ذریعہ بحث لکھی تھی) آنحضرتؐ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے :-

اسجد واللہ الذی لا یموت لمن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی
الان ممابۃ واجلا لا فاذا صرت دھین رمی امتنعت عنک

ترجمہ سجده تم اس ذات کو کر دو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری

تعمیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چملا
باندوں کا تو اس رقت تو سجدے سے رُک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور قاضی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلندیاء ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں
نے ارشادِ نبوت کے اس مضمون کو اس حضرت کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا
اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت دھین
ومس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں۔ عظیم الشان شہید کے مقابلے میں خود زیادہ سخت ہیں۔
بعض معتدین مٹی کی پوری بحث ہی کو بدفطن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور
الذی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا
ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور اللہؐ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا وابى بکرو عمر خلقتا من تراب واحدة فہما دفن۔ فتاویٰ افریقیہ ص ۸۵
ترجمہ۔ میں اور ابو بکرؓ دو عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔
معلوم ہوا کہ جسد اطہر خاکی ہی تھا اور ذاتِ اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپؐ اپنی صفات
میں منبع نور و عرفان اور مرکزِ ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظِ جسدِ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روضہ میں محنتی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں۔ آپ
مشنوی سلک نور میں لکھتے ہیں:-

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک بغاہر ہوا محنتی زیرِ خاک
و لے نور ان کا ہے قائم مقام کہ ہر پاک دل میں ہے انکا مقام
جو زیرِ پردہ ہے وہ آپؐ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپؐ کا نور ہے۔

الفصل الثانی

وفیه ستۃ من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 ما من احد یسلم علی الامام علی اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
 ترجمہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے
 گاہیکہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں (و علیک السلام کہوں)

المبحث الاول فی معنی الحدیث

اس حدیث پر یہ چند سوال اُٹھتے ہیں ان پر غور فرمالیجئے :-

① سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روغنہ اطہر پر یا اپنے تصور
 میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی
 بھیجا جاسکتا ہے؟

② سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جبہ اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح
 لوٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جبہ اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟

③ اگر جبہ پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود و سلام پیش ہوتا ہے
 یا وہ جبہ اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ
 ہونا ہے؟

④ جب ہر وقت روحہ منورہ پر زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اثر تھا یا اس کی توجہ بدن اطہر پر دانتا ہے یا العکساً۔ اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

الجوابات

سلام گزہم یہاں سے بھی گذارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی روئے زمین پر گھومتے ہیں جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا۔ انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور کے گذارش کر دیا مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پر ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روحہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پر ہی متوجہ ہوتی ہے جو روحہ پاک میں مدفون ہے۔ سوزائین سلام کے لیے یہی حاضری دیں۔ روح کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ منبلی (۵۶۲۰) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ۔

ما من احد یسلو علی عند قبری الحدیث

حضور کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہو تو بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دنیوی جسد اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو تو نظر نہ آئے لیکن آپ اس میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہوں بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ آفتاب کی کر وڑوں کر نیں زمین پر جلوہ ریز ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لیے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کر وڑوں روحانی کر وڑوں کا تسلیم

لہ الغنی جلد ۳ ص ۵۵۸ روایت عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کر رہے ہیں۔ قال ابن عبد الہادی ہو صلی اللہ علیہ وسلم لیجمع السلام من القبر وتبلغہ الملائکۃ الصلوۃ والسلام من البعد۔ (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

کہ لینا ہمارے دوستوں کے لیے سوداں روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلوسے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے او جمل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور درود روح کا بعد میں — اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام دائرین جبراطہ پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر المرغنی (۵۸۱۲) لکھتے ہیں :-

اعلم ان كتب السنة متضمنة للاحادیث العلة علی ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانه یجمع وین علیہ السلام۔

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹانی جاتی ہے اور آپ سلام سُنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں :-

الارد اللہ علی روحی ای ما د علی نطق لانه حی د ائما و ما روح لا تفارقه۔

ترجمہ۔ بلکہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا

جاتا ہے۔ دیکھو یہ تشریح اس لیے فرمائی ہے، لہذا آپ نہ ہیں احادیث کی روح متوسلہ آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں :-

برائیکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء

ملت وینچ کس را خلاف نیست درال۔۔۔۔۔ ایں حدیث صحیح است معلن مسلم

یسلم علی الارسد اللہ علی روحی۔

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات اللہ کے صفات اور تسلیحات ان پر

ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث

صحیح ہے کہ کوئی سلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کرے۔

ہمارے یہ کم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں شیخ فیض میں
مشابہ تھے ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو معتدل نہ تھے۔ ان سے کہنا متعدد زیادہ ہوگا۔ آپ
بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے۔

وافق الأئمة على أنه يسلم عليه عند زيارته وعلى صاحبيه لما في السنن
عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال ما من مسلم يسلم على
الاسم الله على روحى۔

ترجمہ: اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت
ابوبکر و عمر پر سلام عرض کیا جائے۔ سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے وہ اسے حضور سے نقل
کرتے ہیں کہ کئی مسلمان ایسا نہیں کہتے جب حج پر صلوٰۃ و سلام بھیجے مگر کہ اللہ تعالیٰ حج پر پیکر و روح نازل فرماتا ہے۔
امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثاني — اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابو داؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں۔

- ۱۔ ابو داؤد صاحب سنن۔ ۲۔ ابو عاتم محمد بن حنف۔ ۳۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ۔
- ۴۔ حیوۃ بن شریح۔ ۵۔ ابو صخر حمید بن زیاد۔ ۶۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط۔ ۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابو عاتم محمد بن حنف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ کو بھی امام
نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ حیوۃ بن شریح کو امام بخاری بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ علما مصر کے استاد تھے۔
ابو صخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متعدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو امام نسائی

لے فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۶ لے تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۴ لے ایضاً جلد ۶ ص ۸۴

لے ایضاً جلد ۳ ص ۱۷ لے تذکرۃ اصحاب جلد ۱ ص ۱۸ لے تہذیب جلد ۴ ص ۲۴۲

ثقة اور محمد بن معین لیس بہ بائیں کہتے ہیں۔ ان روایت میں کوئی کتاب نہیں۔ جو وہ اعلیٰ ان روایت
حدیث، کہ کتاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کتاب ہیں۔

تصحیح محدثین

① حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) امام نووی (۷۲۷ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔

امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں۔ بالاسناد الصصح ۱۰۶ اور ریاض الصالحین ص ۴۹۲
میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ امام احمد (۲۴۱ھ)

ابو داؤد (۲۷۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

② حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقاة اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

③ علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں۔ اسنادہ حسن۔

④ علامہ سہروردی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ روی ابو داؤد بسند صحیح۔

⑤ علامہ زرقانی (۱۱۱۲ھ) لکھتے ہیں۔ بالاسناد صحیح۔

⑥ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۶ھ) لکھتے ہیں۔ اس حدیث صحیح است۔

⑦ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۴۴ھ) لکھتے ہیں۔

قال النووي فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواۃ ثقاة۔

⑧ امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقاة۔

⑨ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں۔

لہ تہذیب جلد ۱۱ ص ۳۴۲ قال ابن عبد البر ثقة من الثقات لہ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۳ لہ فتح الباری جلد ۳

لہ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۶۹ لہ وفاء الوفاء ص ۴۳ جلد دوم لہ زرقانی شرح مواہب جلد ۸ ص ۳۸ لہ

مناہج النبوة جلد ۲ ص ۴۴ لہ دلیل الطالب ص ۸۴ لہ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲

عن ابی ہریرہ رفعہ ما من احد یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
ورواتہ ثقات انه یستغرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا سلمہ الیہ خرج
الیہ فہما لیجیب من سلم علیہ

① محدث العصر علامہ طہر احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعة قال السبکی وهو عقد صحیح

ایک اعتراف۔ وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور یزید بن عبد اللہؓ کے درمیان انقطاع ہے امام مالک
نے یزید بن عبد اللہؓ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ
کا زمانہ نہیں پایا ؟

الجواب وہو صدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبد اللہؓ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کی
راے صحیح نہیں۔ امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-
ویزید قد احمق بہ مالک فی مواضع من الموطا وهو ثقہ من الثقات
حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں۔ روی عن ابن عمر والجب هو یقہ۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبد اللہؓ کی
عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے
زیادہ سختی کو فیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم یہ کیسے
تسلیم کر لیں کہ یزید بن عبد اللہؓ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

مدیث مذکور آپ کی مدفن مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ایہام پیدا
ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلۃ و سلام اور دہاں ہر وقت کی ماضی خاص و عام کے باعث

کسی درجہ میں درخود اعتناء نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما اب اس کے روایات سے کھلا
تقدیم کہہ رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے کا بیان ہے۔ سو مناسب
ہو گا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر
کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث - کشف الحجاب عن وجه الاضطراب

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود
پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

ان احداً لن یصلی علی الاعرضت علی صلوٰۃ حتی ینزع منها۔

ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر
دیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے، اس میں فضیلت
کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی
تخصیص نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے
حضرت اوس بن اوش کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے۔ حصن حصین کے الفاظ میں یصلی علی احد
یوم الجمعة الاعرضت علی میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں۔ جمعہ کے دن درود
پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا۔
فانه مشہود تشہدہ الملئکة۔

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

لہ ان العمل الصالح زید فضلاً بواسطة فضل الوقت وعلى هذا الحاجة الى تقييد العرض
یوم الجمعة قاله السندی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے ہی فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ان الله ملئكة سياحين في الارض يبلغوني من أمقي السلام

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں، اگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات فضیلت میں عرض صلوٰۃ و سلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر ہے کہ ان روایات میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرض صلوٰۃ و سلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

لہٰذا سنائی جلد ۱۴، دارمی ص ۳۷۲ لہٰذا علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۲) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں خطیب اور عجمی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (متنبہ باب جلد ۳ ص ۲۲۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں :-

وزاد ان عن الثقات مروی عن اکابر الصعلبة کمر وغیرہ وراوی لہ مسلم

فی صحیحہ قال یحییٰ بن معین ثقہ وقال حمید بن ہلال وقد سئل عنه هو ثقہ لا تسأل عن

مثل هؤلاء۔ (کتاب الروح ص ۵۹)

کہہ سکتے ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرصہ صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ سُرسل روایت منقول ہے :-
ان صلوٰۃ اتقی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ ۱۰

ترجمہ :- بے شک میری امت کا درود و عجز پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔
ان روایات کی مدستی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں۔ تو غایت مانے
الباب یہ ہو گا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے توسط سے روحہ اطہر پر پیش ہوتے ہیں۔
اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لے کر جن میں یوم الجمعہ کی تفصیل ہے نہ ذکر، بلکہ
عمومی طور پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابو داؤد میں ہے :-
ما من احد یسلم علی الارحہ اللہ علی روحی فارحہ علیہ السلام ۱۱

۱۰ منقول الاخبار جلد ۲ ص ۱۱ مصرغہ رواۃ ثقات (فتح الباری ص ۱۳۹) رواۃ ثقات (فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۳)
اسنادہ ہذا حدیثا محمد بن عوف اخبارنا المقری اخبارنا حلیۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید
بن عبد اللہ بن قسیط من او اخر کتاب النسلک و تقدیر الکلام ما من احد یسلم علی الارحہ علیہ السلام
لا فی حق اقدار علیہ (کذا فی الشرح جلد ۲ ص ۱۱) قال المحدث السخاوی یؤخذہ من ہذہ الاحادیث انہ
صلی اللہ علیہ وسلم حق علی اللوام وذلک انہ محال عادۃ ان یخلوا الوجود کلہا من واحد یسلم علیہ
فی لیل و نمل و نحن نو من و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حق بنفاق فی قبرہ وان جسد الشریف لا
تاکلہ الارض و الا جماع علی ہذا ۱۲ (القول البدیع ص ۱۵) روحہ اللہ علیہ روحہ لا اجل سلام من یسلم
علیہ و اسقرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انما تقادثم ثم تقاد (القول البدیع ص ۱۶) قال
المحدث النور شاہ کشمیری الظاہر منہ انہ لم یوجد هناك قبرا من موطن الی موضع و انما هو نقل
من حالۃ الی حالۃ و تبدل ما و لعل المراد بحقیقۃ الانبیاء و اخیار فی قبورہم یصلون انہم بقوا علی ہذہ

ترجمہ۔ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرمادیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ مجھ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت سے کل یوم کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے۔ جن میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم مجھ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی ضرورت مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر مجھ کے دن عرض صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور تو سب ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر روز بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متضاد قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعویٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اُٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعیٰ فعلیہ ان یا قی بالتقل۔

یعنی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ادر ثارِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے حضورؐ نے فرمایا۔
من صلی علی عند خبری سمعته ومن صلی علی نایا بالفتۃ۔

الحالہ ولم تلب عنہ (ختیۃ الاسلام ص ۳۸) اس حدیث میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپؐ کی روح پر فخر کہ اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے ہوش فرمادیتا ہے۔ جو نہ امتی آپؐ پر سلام عرض کرے گا۔ اس کی طرف کا شعبہ لُٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا۔ یہ موجب ذوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ۱ ص ۲۴۵) والمغنی ان اللہ سبحانه ید روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص ۲۸۱ مصر) والتفصیل فی نسیم الریاض للختاجی جلد ۲ ص ۴۹۹

لہ رواہ ابوالشیخ بسند جید کا فی الفتح جلد ۱ ص ۳۳

ترجمہ: جو میرے روضہ پر اگر مجھ پر درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو
 دُور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم
 کی روایات کو ان پر منطبق کر لو۔ روضہ منورہ کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنا ہر وقت بہت ہی
 اور دُور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب اس تقسیم پر غور کیا
 تو امام احمد کی ایک روایت مامن احد یسلم علی التبری کے مضمون کی اور وضاحت ہو
 گئی۔ حضورؐ نے فرمایا:-

ما من احد یسلم علی التبری الا سجد اللہ علی روحی۔

یعنی رفع تعارض اور تطبیق بین القولین کے لیے ”عرض سلام بوقت تسلیم۔ کا مطلب
 ہم نے بتایا تھا کہ یہ قرب روضہ کے لیے ہے۔ وہی مضمون ”علی تبری“ کی عبادت میں خود
 الفاظ ثبوت ہو کر سامنے آگیا ہے۔

و کرم من عائب قولاً صحیحاً

وافته من الفہم السقیم

سیدنا طاہر علی قاریؒ فرماتے ہیں:-

درود و سلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے
 جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند تبری زدت علیہ ومن صلی علی فی
 مکان اخر یلقونہ۔

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرؤن لعل ذلك یعرض
 علیہ کے الفاظ، سو اس لفظ لعل میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کی قبولیت

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے یعنی درود شریف اچھی طرح پوری تو تہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے

مستندین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور توسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بعد کے لیے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لیے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرے فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب دوسرے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے خواہ روغنہ کے پاس حاضر ہو خواہ دور سے پڑھ رہا ہو۔ وہ کون سا بد بخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روغنہ پر ماضی ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوٰۃ و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں اگر پہلی روایات کی بعض مُرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یومِ جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا قرب و بعد کا صلوٰۃ و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مُرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغِ صلوٰۃ و سلام کو یومِ جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علیٰ آلہ بلفق صلوٰۃ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الانہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیف کاتب سے بلفق صلوٰۃ کے بجائے بلفق صلوٰۃ لکھا گیا ہے ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الانہام کے حوالے میں تصحیح فرالیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے باہین النطاق ہے۔

لہ ان التدرج فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عنہ لایکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالروایۃ

المبحث الرابع

فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام نووی کی تصحیح سے کی۔ اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدمین سے کریں۔ اصولاً یہ مطالبہ صحیح نہیں، قرون وسطیٰ کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سند سے ایک کھٹا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں، آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضورؐ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

والامام احمد اعلم الناس في زمانه لما سئل عن ذلك لم يكن عنده بما يعتمد عليه في ذلك من الحديث الا حديث ما من رجل يسلم علي الا رد الله علي روحه حتى ارد السلام به

ترجمہ: امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جاسکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

پھر امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے۔ اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوئی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے سنن ابو ہریرہ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

مالعید کرفیہ شیاء فہو صالح۔

امام ابو داؤد نے لکھا ہے :-

میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔

محدث کبیر مولانا خضر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

ابو داؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت کی جماعت نے اعتقاد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی

ابو داؤد اور بیہقی، روایت کرتے ہیں ماہن احمد یلم علی اللہ علی روحی فاروق علیہ السلام۔

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح میں چھ روٹیاں دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سلام کا جہد دیتا ہوں۔

لہ تدرب الاموی ص ۵۵ لہ مرقات جلد ۱ ص ۲۳۲ لہ اعلام السنن جلد ۱ ص ۲۳۲

لہ اثبات الالبام والبیقہ ص ۱۲ لہ الحج والعمرة والزیارہ ص ۱۵

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوة و سلام "روح انور اور جہد اطہر" کے مجموع پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود و سلام اسی جہد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائز الحیات ہے گورہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے اچکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روحہ اندر پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناه انہ یرد روحہ ای انہ یمیی فی قبرہ بل توجہ من ذلک الی هذا الجانب فهو حی فی کلتا الحالتین۔

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح ٹھائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

فاذا بلغه سلام احد من الامة ود الله روحه المطهرة من تلك الحالة
الى رد من سلام عليه.

ترجمہ جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی
روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لٹا رہا ہے کہ آپ سلام کہنے والے
پر جواب لٹا سکیں۔

فہی دائما تعرض عليه بواسطة الملائكة الاعداد ووضته فيسمعها
بحضرتہ.

ترجمہ درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطے سے پیش ہوتا رہتا ہے دائما
مگر آپ کے روضۃ النور کے پاس۔ وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔
آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے
اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی
بتا پر علماء نے جمع کی یہ صدرت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صوف بذریعہ
ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی
۔۔۔ لہذا قریب سے صلوٰۃ و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ
نار کی آواز کا آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے
شرف اور عباد کی بات ہے۔

حضرت مولانا عبد الجبار غزنویؒ لکھتے ہیں :-

بے شک حقیقتہً ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اس جہان میں حاضر اور زندہ

نہیں مگر حکماً ہیں دیکھو نیک یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں (ابوداؤد
اور بیہقی روایت کرتے ہیں)۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ السلام
جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح
مجھ پر لٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب
غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری روایت میں ہے۔

ان لله ملئكة سياحين في الارض يبلغون من امتي السلام رواه
النسائی وابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه۔

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب دو درخت
اور دو درخت پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں
اور دُور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اس کی دو سندوں میں
سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ
بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وصفا
سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ یہ بھی
اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث

میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ و سلام سننے
جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ و سلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ
ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود و سلام کا بلا واسطہ ملائکہ
پہنچانہ ذکر ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی

ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس مراحت سے موجود ہے
 جیسا کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے مولانا عبد الجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل
 کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس — فی سیاحۃ الملائکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: حضرت علیؓ نے فرمایا:۔
 ان لله ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔
 ترجمہ: تمہک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری
 امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحہ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضورؐ پر درود
 پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضہ انور پر عافری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرتؐ
 کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا
 رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں۔ یہی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپؐ کی حقیقی قبر زمین
 پر مدینہ منورہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین
 بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دور سے مسئلہ و سلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے
 پہنچاتے ہیں تقریباً سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب
 کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ
 کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات ہنکر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت البرہرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے کتاب جناب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے عبارتہً انصاف سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے صفحہ ۱۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے۔

اور حضورؐ کی زندگی قبر میں بزخمی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر مفصّل ہیں۔ کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلا شک و ریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے ص ۱۱ پر آل شیخ علامہ سید شیخ محمد بن عبد اللطیف کا عقیدہ بھی بایں طرز

مرقوم ہے۔

اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

مسئلہ نہ کہ وہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے۔ سربا بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث

وفيه ستة من المباحث

حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن فروخ قال أخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هدا بن مودت على موسى ليلة اسرى بي عند الكنيف الاحمر وهو قائم يصلي في قبره ترجمه حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نماز میں پڑھنا بصراحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:-

ولقد اتينا موسى الكتب فلا تكن في مريه من لقائه.

(پا ۱ سجده، آیت ۲۲)

ترجمہ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپؐ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی۔ بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں — اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی — اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔

المبحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر خود میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھنا، اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپؐ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپؐ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہو گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں۔ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور طارِ اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی — کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طلب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدتِ زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وصلوهم في اوقات مختلفة وفي اماكن مختلفة لا يرد العقل
وقد ثبت به النقل فدل ذلك على حيائهم

ترجمہ۔ اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقلِ صحیح اسے ثابت کر

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر ملا علی میں ملنا، ان سب کے اوقات مختلف ہیں پس تعارض لازم نہیں آتا۔ فتکروا یا اولی الابصار۔

محدث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:-

فی قصۃ المعراج انه لقیمہم فی جماعۃ الانبیاء فی السموات وکلہم ہر وکلہ وکل ذلك صحیح لا یخالف بعضہ حصہ فتدیری موسیٰ علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یرئی بموسى وغیرہ الی بیت المقدس کما سورۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی راہہ فیہ ثم یرج بہم الی السموات کما یرج نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی راہہ فیہ کما اخبرہ وصالو تمہ فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہما خبر الصادق و فی کل ذلك دلالة علی حیاتہم۔

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپؐ سے باتیں کیں۔ یہ سب معنائیں صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ کو سفر اسراء پیش آیا پس آپؐ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپؐ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس عقلاً

کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعوم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو اباعرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۴۵۲ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فان قيل هذا خاص بموسى قلنا قد وجدنا له شاهدا من حديث
ابي هريرة اخبرنا مسلم ايضا من طريق عبد الله بن الفضل عن ابي سلمة
عن ابي هريرة رفعه لقد رايتني في العجوة وقومئذ تسألني عن
مسراى..... الحديث.

ترجمہ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسرار کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ

خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں سجاوٹ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو ہادی اندرق اور ثنیۃ برشیٰ میں لٹیک پڑتے ہوئے خاص مہیت و لباس میں دیکھا۔ آپؐ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہادی عثمان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سُرخ اڑتوں پر سوار تھے، جن کی مہاریں کجور کی چھال کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسراء سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف مرسی علیہ السلام کی خدمتیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکوفی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تعلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جو اباعرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۵۸، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ ص ۲۸

۲۔ رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۱۹)

۳۔ اخرجہ احمد قال ابن کثیر فیہ اسناد حسن (البدایۃ جلد ۱ ص ۱۲۸)

طرح پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقل تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اذا القبور بعثت کے خلاف ہے یعنی قیامت کے قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آ سکتا۔ جو ابا عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال اس زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے اذا القبور بعثت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبر سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور متورہ نہیں کھلی تھیں، رات کا وقت تھا۔ کون دہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جو ابا عرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس آ سکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا۔ بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ ان میں کون سا استحالة لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے مستحق کے لیے جو اسباب کار فرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان

نفسِ قدسیہ کی مذکورہ ماضی کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تراجمِ تضاد کا دوسرا بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیِ ازرق، ثنیۃ ہر شیا اور وادیِ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور طارِ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیں سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالمِ مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبرِ شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امورِ مذکورہ بالا اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکرہ میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں، تو بھی یہ مقصودِ کلام قلعاً مثلاً نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروفِ عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدانِ مثالیہ تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ، بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں، تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ شریفیہ میں زندہ نہ ہوں گے، اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدمہ رفیقِ اعلیٰ یا خیرۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائزِ اسحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواحِ متمثل بصورتِ جسمانیہ ہو رہی ہوں۔ وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں پرتہ نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصالِ روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

لے قال الشیخ اکبر فی النصوص الروح بتشکل باشکال مختلفۃ۔ (العرف الشذی ص ۱)

لے کما ذہب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص ۵ و زاد المعاد جلد ۲ ص ۴

نوٹ:

اس بحث میں ہمارا مقصد ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہ کا اثبات یا البطلان نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں۔ ان کے الزامی جوابات اور ایراد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں۔ مذہبِ وحدت ممکنہ کے وقوع کا دعویٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مذہب کا کسی بھی وحدت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے، لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائقِ اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے۔

واعبد ربك حتى ياتيك اليقين. (پکا: الحجرات ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کئے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دارالعمل نہیں پس یہ حدیث، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد ”وَجِبَ عَمَلُ“ کا انقطاع ہے ”فَمَنْ عَمِلْ كَانَتْ لَهُ“ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی ”انہما تے مدت“ موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اُس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالمِ برزخ میں (اپنی اپنی

ملہ یہ تعداد ملتان کے ایک مدرس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہر گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

قبر میں، نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تِلْذُذًا پڑھتے ہیں، وجوہاً نہیں۔

قال القرطبي حُبَّتِ اليهم العبادۃ فلم يتعبدون بما يجدونه من
دواعي النفس لا بما يلزمون به۔

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

ان کثیراً من الاعمال قد ثبت فی القبر کا اذان والاقامۃ عند الدارمی
وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

ترجمہ: بہت سے اعمال قبر بشریہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت
سے قبر میں اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت
قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صلوا خمسکم (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی
طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا واحمد ربک حتی یاتیک الیقین
کے خلاف نہیں۔ مقربینِ ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہر نہ ہو، وہ
عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیزِ جنت میں بھی دُعا و ذکر
کی خبر دیتا ہے۔

دعواہم فیہا سبحانک اللہم وتحیتہم فیہا سلام، واخرو دعواہم ان
الحمد للہ رب العالمین۔ (پ: یونس)

ترجمہ: ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ اتیری ذات پاک ہے اور ان تجھ ایک
دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب
جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دُعا جو مع العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا مغز ہے، وہ مرنے کے بعد

ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دار العمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر و حمد کی خبر نہیں دیتا۔
قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ فالعالمات پر کس قدر ظلم ہے۔

غریب کش مکش عقل دیدنی دارد کہ میر قافلو فوق راہزنی دارد
قال اللہ تعالیٰ :-

وقال الحمد لله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض

..... وقیل الحمد لله رب العالمین۔ (پ ۲، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا۔ ہمیں
اس زمین کا۔۔۔۔ اور ہر طرف سے الحمد للہ رب العالمین کی آوازیں آئیں گی۔

والہ الحمد فی الآخرة وهو الحکیم الخبیر۔ (پ ۲، اسبا)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم و خبیر

وقال الحمد لله الذی هدانا لهذا۔ (پ ۱، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے
ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلهمون التسبیح والتحمید۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون اللہ بکرة وعشیا۔ متفق علیہ

ترجمہ۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فتیح بجمد ربك واستغفرہ میں تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں

دجو با اس پر عمل ہوتا رہا۔ بعد ازاں تِلْذَا شَيْخ و تحمید اور دعا و استغفار کا سلسلہ جاری ہے تسبیح و تحمید کا بیان ہر جگہ۔ اب استغفار بھی لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حیاتی خیر لکم و معاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔ رواہ البزار باسناد جید۔

و کذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود۔

بزار برہ مال صحیح از عبد اللہ بن مسعود می آرد یہ

ترجمہ۔ میری یہ زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور بعد اوقات بھی میری حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمالِ نیک پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہوگا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں و علمے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

مجموع روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات و اکرامِ ملائکہ کے بزرخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں۔ ۱۔ اعمالِ اتمت کا ملاحظہ فرمانا۔ ۲۔ نماز پڑھنا۔ ۳۔ غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ ۴۔ سلام کا سنتنا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ ۵۔ سلام کا جواب دیتا یہ تو دائمًا ثابت ہیں، اور اچنانچہ بعض خواص اتمت سے یقولہ میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رویا اور کشف میں تو ایسے واقعات، حصر و احصار سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تنہا کادوسرہ نہ کیا جائے، کیونکہ بزرخ میں روح کو پھر خود متاثر ہو چہ مبارک کہ بہت

وسعت ہوتی ہے مگر اس وسعت سے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصیح یعنی منفیہ یا
مسکوت عنہما کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالردام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب
سمجھ لیا جائے۔

خلاصہً مجتہد یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ مرتے فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن
پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نمازیں پڑھنا اور پھر آئی حضرت کا
ان کی امامت کرنا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔
واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت امیر سے علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث
حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن
بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال..... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں۔ پس یہ تک اس
صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت
نہیں سمجھا جاسکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ پس جو سند اس مالی سند سے نکلائے گی، ناقابل اعتماد ہوگی۔
ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے
ہیں جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمن النسائي هذا اولی بالصواب عندنا۔

مثلاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

مرسلات صحابہ میں شمار ہوا و ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہ بالاتفاق مرسلات کے حکم میں ہیں۔ اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں۔ الفیہ عراقی میں ہے:-
 اما الذی ارسلہ الصحابی فحکھ الوصل علی الصواب
 الفیہ سیر علی میں ہے:-

و مرسل الصحاب وصل فی الاصح

تحریر میں ہے:-

فلا یضرب اذا لیرسل الا عن صحابی

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:-

اما مواسیل الصحابة فحکمها حکم البصول علی المشهور الذی ذهب
 الیہ الجمهور

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ:-

صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضورؐ سے نہ سنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابیؓ سے سنا ہو کہ حضورؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دور کے صحابیؓ کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضورؐ سے ہی روایت کر رہے ہوں، تو) ان کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی مجہور محدثین کا مفید ہے۔

المبحث السادس

وادعی ازرقی، اور لیلة الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو بھی مقصد کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سلبۃ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجماع ہرئہ واقعی

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

حضورؐ نے جب فرمادیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپؐ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقیناً کامل ہے کہ آپؐ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپؐ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعہ وہی حضرات تھے، جن کا آپؐ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اٹھاتے گئے، اس نے ان نفوسِ قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرتبہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی احوال و احوال بالبدن المہدفون کے باوجود یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً مستعمر نہ ہوں۔ صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پائے کا آپؐ کا یہ دعوئے شریف ہے کہ میں نے ان ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوئے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں، ان کی توجہ میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفودہ سے متعلق سماع و عدم سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوئے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلب مردوع، خالق کو برعکس بیان

کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحثہ نہ حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:-

واستشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في قبورهم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم للاقات النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشريفا فتكرما ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس فقيه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء.

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کہ یہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں، پھر حضور کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھتا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجساد کہ یہ ہی (ان کی قبر سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکویم کے لیے لاحقہ حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں، خاتمہ الحفظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے، حیات در حیرت ہے کہ جو مباحثہ موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہو اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کے امر واقع ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔

خود کا نام جسٹوں رکھ دیا، جنوں کا خود
جو چاہے آپ کا حُسن کر شمشاد کے

بعض دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے :-

حضرت نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضرت نے انہیں واقعی
نہ دیکھا تھا، بلکہ یا :-

① ان انبیاء کی ارواحِ قدسیہ صورتِ جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا

② ان انبیائے کرام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالمِ مثال میں قائم تھے اور یا

③ انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور انبیائے کرام کی یہ

حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امر واقعِ خواد کوئی صورت ہو، اس عقیدے
کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ عنصریہ اپنی قبورِ شریفہ میں بالکل بے حس و
بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفسِ قدسیہ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسمِ عنصری سے چلتے
پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمدِ فرق الاسباب بغیر اشتقاقِ قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی
ہو کہ زمان و مکان کی دستگیر، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبر سے بدلتی
بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :-

رب العزت کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف
جہات سے اس عالمِ ہندخ میں جمع کر دینا کیا امرِ ناممکن ہے ؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ
کتاب و سنت کی کسی تصریح سے مستصداً مہر مایا ہے ؟ یا سبب کوئی سپہو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی
تفسیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو ؟
جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کہ ناشر عا اور عقلا محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کہ ناشر عا اور عقلا ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مریہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں، بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روحت میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تضاد نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔ ہاں اگر یہ تشکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواح قدسیہ ہی متشکل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواح طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواح قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پڑ تو یہاں بھی صورت جسمیہ میں مشتمل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواح اصلہ ان مقامات پر مشتمل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پڑ تو رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے مصف ہوں۔ اگر روح پاک رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے۔ اجسام پر پڑ تو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو ارواح متشکلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر تاثیر کریں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوال برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے جن حضرت کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواح قدسیہ ہی متشکل بصورت جسمیہ ہو رہی تھیں، آفرودہ

بھی تو رفیقِ اعلیٰ یا خلیفہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں اور دارج قدسیہ کے عین میں سے جدا ہونے کا ہوگا، وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ جو دارج قدسیہ کو قبر کے اجسام عتصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشاہدات میں تشبہ ارواح کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ عودت واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے۔ یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسام عتصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے روضہ شریفہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خبر دنیا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوٰۃ موسیٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں ”زہر الربی“ سے منقول ہے۔

قال الشيخ بدرالدين هذا صريح في اثبات الحيوة لموسى عليه السلام في قبره فانه وصفه بالصلوة وانه قائم ومثل ذلك لا يوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر وقال الشيخ تقي الدين سبكي في هذا الحديث ”الصلوة تستدعي جسدا حيا“ ولا يلزم من كونها حيوة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الاجسام التي نشاهدناها بل يكون لها حكم آخر.

ترجمہ: شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر مترشح دلیل ہے۔ کیونکہ حضور اکرمؐ نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے مترشح روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

کام ہے، صرف روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی ”حیات فی القبر“ پر دلیل ہے یعنی یہ عمل جبہ غصری کا ہے۔ کیونکہ قبر میں تو جبہ غصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جبہ مثالی پیش نظر ہوتا، تو پھر اس عمل صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حاجت نہ ہوتی، پس اگر یہ عمل صلوٰۃ (یا تجمد بعمل الصلوٰۃ) روح کی صنعت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین اسبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ ”نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے“ پیش نظر رہے کہ حیات حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ جیسا کہ ہم صفات اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیات جسمانی کے ساتھ وہاں رزق مادی نہیں، بلکہ معنی ہے۔ حیات دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پر ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پر وہ حیات روحانی ہے اور تعلق بالنظر کے پیش نظر برزخی ہے)۔“

عالم برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پرانہیں منکشف فرمانا عیاں ہوتے ہیں نہ پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ نفوس قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیات برزخی مضحکہ خیز ہے اور کس کی روح و جسم فائز الحیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم کی جھلکیں دیکھ پانا نقل صحیحہ کے پیش نظر ہرگز محال نہیں۔ کشف القبور سے تو بار بار غیر انبیاء بھی متصف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں۔ مسخرت نے بار بار مختلف قبروں کو دیکھا اور ان کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے یہ اطلاع وحی کے بجائے کشف پر مبنی ہوتی تھی۔

چہ گویم شرح اس حالت کہ در گفتن نمی آید

ایسے انکشافات مرتجیۃ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپ نے بار بار اس عالم میں ہوتے ہوئے اس عالم برزخ میں انبیاءؑ گذشتہ کو دیکھا، ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال —

جیسے وادی سے گزرتے یا گھاٹی سے اترتے لٹیک لٹیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تحفہ دے سلام کہنا، یہ سب امور معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دنیا سے ایک تعلق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پورے غم و خال کیا ہیں، اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ٹھٹھا ہے، نہ ٹھٹھا ہے، اور یہی بے زخمت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سنا جاتا ہے یہ محض اس عالم کی کچھ جھلکیاں ہیں یا بعض نقوش قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرام کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثیل ارواح یا ابدال مثالیہ کی بہت گنجائش ملتی ہے جیسے کافی انظر وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اٹھا کر ان حقائق پر منطبق کرنا جہاں حقیقت مراد لینے سے نہ عقل سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور کسی نقل صحیح کی پشت لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ انتم واما حکم فی کل باب۔

صور اسرافیل بھی ان کو جگا سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جی کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

الفصل الرابع

وفيه ستة من المباحث

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء
في قبورهم يصلون^۱

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے
کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حیات انبیاء کی قبر پر شریفیہ سے مترشح نسبت کے بعد اس دوسرے کے قطعاً کوئی گنجائش
نہیں رہتی کہ انبیائے کرام صرف رفیق اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ
کو اجسام قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقد تم تفصیلاً من حاشیة سنن النسائی۔

آنحضرت کا یہ ارشاد محدثین کرام نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں سچے راوی متعدد
ہیں اور مختلف ہیں لیکن ان سب کا اثر تراک اور پیکے اتنے سلسلہ اسناد پر جاقائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالك
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

پس تمام محققین کا نقطہ نظر انہی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ روایت حدیث قابل اتقاد ہیں
تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے سچے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو بھی، تو مقصود توثیق قطعاً متاثر
نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ (جامع صغیر ص ۱۳ مصر) حیات الانبیاء للامام البیہقی ص ۳ مصر ابن تبار (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۶۷
میٹھ) ابن عدی (شفا المسام ص ۳۴) مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ ص ۳۶۹ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱

حافظ ابوعلیؒ کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حدثنا ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا یحییٰ بن ابی بکر حدثنا المستم بن سعید

عن الجراح عن ثابت عن انس قال قال رسول الله الحديث

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقی کو اس طریق سے پہنچتا ہے۔

اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا

ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا ابو الجهم الازرق۔

حافظ ابوعلیؒ کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ

بیہقی کی سند ابوعلیؒ تک جن دور راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی تک

یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج محض اور حافظ ابوعلیؒ کا اسے سند

صحیح سے لے آنا اس کی تحقیر کے لیے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ

”اخبرنا الثقة من اهل العلم“ اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکما مجہول نہیں، کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی

امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقیؒ اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔

راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور

اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے، بلکہ امام حدیث حافظ بیہقیؒ اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان

کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے بھی دیجئے۔ حافظ ابوعلیؒ کے سلسلہ اسناد کو لیجئے، پچھلے روایات میں اگر

کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے روایات کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں

ملہ پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقیؒ کا مسلک دارقطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط راویوں کی روایت اس

کے لیے کافی ہو، بلکہ امام بیہقیؒ اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں کہتی، بالخصوص

جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فہمی موقوف کی کوئی نایہ مقصود نہ ہو۔

المبحث الاول فی معنی الحديث

اس حدیث میں انبیاء کے لیے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لیے قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے فلاں دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سزا بن عدی یا ابن ہزار کی ہے، اس پر جرح کر کے اس حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی۔ کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہو اور تمام علماء حق سے فکر لے رہے ہو۔

رہا یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبدم نہیں اور حدیث میں فی قبدم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کسے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو عجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا۔ پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہوتا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یذقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یذقون کا پیرایہ دنیوی زندگی کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے۔ سو نماز جہد چاہتی ہے۔ معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے۔ معلوم ہوا وہ باہر معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ اقتداء ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبياء احياء (نبی زندہ ہیں) میں الانبياء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح

اور جہد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس النسانی ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

یرید بقولہ الانبیاء و احياء مجموع الاشخاص لا الالواح فقط

ترجمہ: الانبیاء کے لفظ سے جہد اور روح کا مجموعہ اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزاء اسیلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اراد بالحيوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطللة بخلاف المقربين

ترجمہ: حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں جہد تقوم نہیں

پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان

کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ

زندگی پر دے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو

دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ بائیں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق

اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پر دے میں ہے۔ اور جس

طرح ہم یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتیں کہ بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر

پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند

الدارمی و قراة القرآن عند الترمذی

ترجمہ: قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور

اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت

ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں۔ انبیاء عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں اور

دیکھنے والا انہیں کہیں ملتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فكذلك الانبياء
فلا يبعد ان يصلوا ويحسبوا ويتقربوا الى الله بما استطاعوا ما دامت
الدنيا وهي دار تكليف بامية۔

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو
انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں
اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قریب میں اور ٹہرتے
رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ
پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں
دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کافی انظر اليه اذا المنحد في الوادي يلقي۔

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اترتے دیکھ رہا
ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکارتے ہیں)۔

عالم بزرخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں افکار
و ادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

هو في البرزخ ودعائه لربه في هذه الحالة غير ممتنع۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیات طبعی کا بیان نہیں۔ جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیات طبعی پر ایک امر زائد ہے اس کے لیے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیات طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقت یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامن حیات مقصد حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مُردہ تھے اور دل کے کافوں سے بھرے تھے، مروج الغافل میں مُردے قرار دیتا ہے۔

اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمَعُ الْقَبْرِ الدَّعَآءَ۔ (پٹ نمل، پٹ: روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں ”مُردے“ فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر

کر دیئے۔

وما انت بجمع من فی القبور۔ (پ ۲۲: فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ ان کو نہ نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مردہ۔ — بطور حیات تھی لیکن حقیقتہً موت: ظاہر سنتے تھے مگر حقیقتہً نہیں۔

کریں گے مر کے بچائے دوام کیا مائل جو زندہ رہ کے مقام حیات پانہ کے
قرآن عزیزہ احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی نظر
میں اندھا پن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا
نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

لا تعی الابصار ولكن تعی القلوب التي فی الصدور۔ (پ ۱: حج آیت ۴۶)

ترجمہ۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہر تے ہیں جو سینوں
میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا :-

من کان فی هذه اعی فہو فی الآخرة اعی۔ (پ ۱۵: بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ۔ جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح مجسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی
ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصد حیات اور راز تخلیق کائنات ہیں اسے
حقیقی حیات نہیں کہا جاسکتا۔ اربابِ خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار
دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

① — روح اور مجسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامہ الناس اور اربابِ خبرت دونوں موت
قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

②۔ روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہو، اسے عوامِ حیات اور اربابِ خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

③۔ روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اربابِ خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون رانبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، تو آپ کا منشا صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبورِ شریفہ یا ریاضِ منورہ میں ایسی زندگی حاصل ہے جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیاتِ طبعی نہیں، بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے، جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی اربابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ «الانبیاء احياء فی قبورہم» تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روحِ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے، لیکن حضورؐ نے تعظیلاً ارشاد فرمایا کہ احياء کی کیفیت حیات پر بھی متغیبہ کر دیا یعنی انبیاء بعدِ غصری سے اس طرح فائزِ حیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمالِ طہیات میں مشغول ہیں۔ نہ دنیا میں اُن کے اشغالِ طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبورِ شریفہ میں۔

غلامِ کلام یہ کہ انبیاء کے کرام کی اس حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں :-

① وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیات طبعی کی مدد تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کرمیہ کا زندہ دل جیسے کامل میں انتقال بھی موجود ہے۔

رئیس المحدثین حضرت علامہ النور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جہوں کو خوب بیان فرمایا ہے جزو اقل کے متعلق لکھتے ہیں:-

یرید بقوله "الانبياء احياء" مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔

ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ "انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں" یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں:-

اراد بالحیوة قیل الاعمال واكثر من فی القبور فی العطلة بخلاف

المقربین ومعانی الحیات فی التہمات وان المیت لا فعل له فی خلق افعال

العباد والاحادیث ارادت افعال الحیوة واعمالها لبقاء الروح وهو قوله

فنبی اللہ حی ینشق واحیاء فی قبورهم یصلون نشر فی ذکر الحیوة

افعالها لاصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض۔

خلاصہ: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور کھشہ

لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل ہیں ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات

کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی حضور کا یہ ارشاد فنبی اللہ حی یرزق۔ واللہ کا

نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے (اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں

میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ سب اصل حیات کے بیان میں

نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمالِ حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا توں کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیاتِ جسمی کا بیان ہے۔ کیونکہ انبیاء کے اجسادِ کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمالِ انہی اجسادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آ رہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو ”دروسِ بخاری“ میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں۔ اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مخالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققینِ سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم و فہم پر حیرت ہوتی ہے جو اس جزوِ اول کے عدم ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم و مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا و من تعریف المبتطلین۔

① مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

المراد بحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم

ترجمہ۔ اس حدیثِ حیاتِ انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام بدن میں روح لوٹ آنے کی، اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

② قاضی شوکانیؒ شرح حصین میں فرماتے ہیں :-

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسدِ اطہر

سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البیان المسد من حضرت المجتہد

③ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے :-

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است، گنجائش ترقی دلدرد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص متعادۃ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبر شنیدہ
باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آکہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون قبر حضرت
کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گزارد۔

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے
حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغرے میں بھی ترقی مقامات
کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جو اباعرض ہے کہ اس سے مراد ”قرب الہی“
میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقار کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ اصول و ضوابط پیش نظر رہیں :-

حضرت کے نزدیک ”عالم خلق“، ”عالم امر“ سے افضل ہے اور وہ ”قرب عالم خلق“ کو ”قرب
اصلی“ اور ”قرب عالم امر“ کو ”قرب ظنی“ قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقار کا انداز یہی ہے کہ یا ”قرب ظنی“ سے ہی

”قربِ اصلی“ میں انتقال ہو اور یا ”قربِ اصلی“ ہی میں قوت و زیادت ہو قی چلی آئے۔

اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں مستحق پذیر ہو گا۔ اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت میں حاصل ہو گا۔ پس نماز کے ساتھ ”قربِ الہی“ میں بڑھتے چلے جانا ”قربِ اصلی“ پر فائز المرام ہوتا ہے اسی لیے فرمایا:-

الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔

ترجمہ۔ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تِلْذُّذِ اَعْمَل میں لارہے ہیں قربِ الہی میں سامان ارتقاء ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؑ نے تفسیر فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالمِ امر سے افضل ہے، تو اس بنیادِ یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل ضرور عالم خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجددؑ قربِ عالم خلق ہی کو قربِ اصلی قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالم خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجسادِ کریمہ کے ساتھ فائزِ الحیات ہوں اور یہ اداۓ نماز انہی اجسامِ عنقریب سے عمل میں آ رہا ہو اگر یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہو گا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؑ کے کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس غلامہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؑ کے نزدیک اس حیاتِ انبیاء کا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنقریب سے فائزِ الحیات ہیں۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:- الصلوٰۃ تستدعی جسدًا حیًا۔ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ۔ نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

⑤ حضرت علامہ شمرانیؒ فرماتے ہیں۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی بالاذان واقامہ
ترجمہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں
اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

⑥ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیا و
الانبیاء احياء فی قبورہم۔

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی
پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں
میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے سلفی القبر (قبر کا سوال و جواب) ایک ہی
دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز بدوں جب عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا و اولیٰ
کے لیے اس کی جگہ مسجد ہے اور بزرخ کے لیے قبر وہ وہیں پڑے کی زندگی میں عموماً نماز میں انبیاء علیہم
السلام کی ارواح قدر کیہیں ملا۔ اعلیٰ میں ہوں یا اور کہیں نماز کے لیے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے
حدیث الانبیاء احياء میں کوئی حیات مراد ہے یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور
پر احیاء سے مراد روح اور جسد کی زندگی ہے اور اس کے لیے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبر شریف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا علامہ بد الدین لکھتے ہیں۔
هذا صریح فی ثبوت الحیوة لموسى علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوۃ وانہ قائم
ومثل هذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد و فی تخصیصہ بالقبور
دلیل علی هذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتاج لتخصیصہ بالقبور۔

ابو یحییٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اقبال موجود ہے۔ محدث بکیر حافظ ہشتی فرماتے ہیں۔

رجال ابی یعلی ثقات۔

سوا سب ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا

دارومدار ہے۔

المبحث الثانی — فی احوال الرواة لابن یعلیٰ

① — ابوالحکم الاندلسی

بن علی الحنفی ابو الجهم صدوق یزید من الحادیة عشرة۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔
صدوق اور سچے راوی حدیث ہیں۔

② — یحییٰ بن ابی بکیر

واسعہ نس الکرماتی کوفی الاصل نزل بغداد :

ثقة من القاسعة مات سنة ۲۹۸ ھ۔

ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجال صحیح میں سے ہیں۔

③ — مسلم بن سعید

امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق ث

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

④ — محمد بن الاسود الاسود

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بن کانی، جابر بن یزید، ابی نعترہ اور کئی دوسرے

بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جویر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبانہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ ابن حجر مستحسانی فرماتے ہیں امام احمد یحییٰ بن یعلیٰ کے ثقہ کہا ہے

لم یجمع الزوائد له تقریب ۱۵۲ ھ تقریب ۲۴۵ ھ فتح الباری ۳۱۵ ھ تقریب ۳۸۵ ھ

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب روایات اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ روایات حدیث ہیں اور حدیث بالکل حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علما کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبتین السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکتہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کن سی نشان دیا سنت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک جھونکتے کے لیے (کہ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے) یہ ایک بہانہ ضرور ہے۔ آئیے اب اس پر کچھ طور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۴۸۸ھ) کہتے ہیں "ماروی عنہ فیما اعلم سوی مستلزم بن سعید" کہ مسلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "لکھتے ہیں جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے۔ سوا سے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جاسکتا۔

ذہبی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحییٰ بن معین اور امام احمد و نزول اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن زید، ابی نعزہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مسلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "لکھتے ہیں:-

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح
المحدث وذكره ابن حبان في الثقات۔

ترجمہ امام احمد نے فرمایا، حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے امام بخاری بن معین لکھتے
ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح محدث ہے اور ابن حبان نے اُسے
ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف استتار عن وجه النکارة

مافظ ذہبی کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مترکب ہے یعنی ثابت بُناتی سے روایت کرتے
میں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔ پس ”منکر الروایۃ“ ہے۔ ذہبی لکھتا ہے۔
فلانی بخبر منکر عنہ عن انس فی ان الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون
رواہ البیہقی۔

ترجمہ حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ”منکر“ ہے
کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔
یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بُناتی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں
مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا کہ جو حیات انبیاء کا مضمون اس سے کرا
رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے۔ لیکن انہوں نے کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی کہیں
کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

غایت تاقل سے ذہبی اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰ
ؑ کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انس بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال — پر منہشی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوة موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

اور صلوة جمیع الانبیاء فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

حافظ ذہبیؒ کے اقراض سے ایسا متبادہ ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصل ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکالت کامرنگ قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

مالاکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکالت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے منکر ہوا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ ذہبیؒ وجہ ہے کہ خاتمہ الحفظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد امام بخاری بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نفی فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانہ منصف بن سکتی ہے۔ فتفقروا یا اولی الابصار۔

مخبر عن حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نفی فرمائی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کا منشاء اقراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، مالاکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبی کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے تسلیم بن سعید کے۔ اکوفی اور روایت کرنا نہیں ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو غبر مکر کہا ہے جسے پیر طریقت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظہ ذہبی کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہ نہ اس کی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السریندی البغدادی (۱۱۲۲ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کے ساتھ میں سے ہیں انہوں نے الاعتدالین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے۔ اس میں ہے :-

اخرج ابو يعلى والبيهقي وصححه عن ابن ميثان النخعي صلى الله عليه وسلم قال الانبياء احياء في قبورهم يصلون
 علامہ آلوسی کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۲۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الابیات
البينات في عدم سماع الاموات على مذهب الحنفية السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاة انبیاء
 کے بارے میں لکھتے ہیں — "قام ثابت بالاحادیث الصحيحة"

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم يصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔
 علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے
 الآیات البينات کی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں :-

حقيقته في الاحاديث الصحيحة (۲۸۷) ویلت في صححة الحديث ووه من طعن في
 احد روايته فراجعه فانه بحث مفيد عزيز قلما تراه في كتاب

ترجمہ میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے
 اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

حدیث صلوٰۃ مومنین فی القبر کو محدثین نے اس حدیث ”الانبياء احياء فی قبورهم یصلون“ کا شاہد اور توثیق قرار دیا ہے۔ پس درازل کو ایک حدیث کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں:-

وشاهد هذا الحديث ما ثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمة
ترجمہ صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبياء
احياء فی قبورهم یصلون) کی شاہد ہے۔
هذا ما ظهر لي والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

المبحث الثالث

حضرت ثابت بن ثنیٰ سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف مجاہد اسود روایت کر رہے ہیں
راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم
تائید مزید ملاحظہ کیجئے:-

حضرت ثابت بن ثنیٰ یہ روایت کرتے تھے:-

اللهم ان كنت اعطيت احدا من خلقك ان يوصلني لك في قبره
فاعطني ذلك۔

ترجمہ۔ اے اللہ! اگر تُو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا
ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔
دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سمعت ثابتاً يقول لحيد الطويل هل بلغك يا ابا عبيد ان احذا يوصلني في قبره
الا انبياء قال ”لا“ قال ثابت ”اللهم ان كنت لا احدا ان يوصلني في قبره

فَاذَنْ الثَّابِتُ اِنْ يَصَلِّي فِي قَبْرِهٖ ۛ

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنائی کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ تبھی تو وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کر رہے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس وعدے پر ابو عبیدہؓ کا کھیر نہ کرنا اس حقیقت حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؓ حضرت ثابتؓ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہؓ عن ثابتؓ عن انسؓ کی تصریح نہیں، تاہم اس کا مجموعی مغلو اس روایت کی تائید ضرور کر دیا ہے اور حضرت ثابتؓ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنائی کو خود قبر میں اُتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے اُن پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابتؓ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ۛ اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی بربخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ اللَّيْنُ سَقَطَتْ لَبَنَةٌ فَاذَارَ يَتَهُ يَصَلِّي فِي قَبْرِهٖ فَقُلْتُ لِلَّذِي مَعِيَ الْاَتْرَى قَالَ اسْكُتْ فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ وَفَرَضْنَا اَتَيْنَا ابْنَتَهُ فَقُلْنَا لَهَا مَا كَانَ عَمَلُ اَبِيكَ ثَابِتٌ ۚ قَالَ فِي دُعَائِهِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ الصَّلٰوةَ فِي الْقَبْرِ فَاَعْطِنِيهَا ۛ

وقال ابن سعد في الطبقات وابن ابي شيبة في المصنف والامام احمد في الزهد اخبرنا

عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني هكذا والله اعلم بالصواب۔

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نفس فرمائی ہے یا اسے
قبل کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

- | | |
|--|--|
| ① ابن بزار (۲۹۸ھ) | ② حافظ ابوعلی الموصلی (۳۰۷ھ) |
| ③ ابن عدی (۲۹۵ھ) | ④ حافظ ابو نعیم (۳۳۰ھ) |
| ⑤ حافظ بیہقی (۴۵۸ھ) | ⑥ حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) |
| ⑦ حافظ توربشتی (۶۶۲ھ) | ⑧ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) |
| ⑨ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) | ⑩ حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ) |
| ⑪ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) | ⑫ حافظ صیثی (۸۰۷ھ) |
| ⑬ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) | ⑭ حافظ بدر الدین البیہقی (۸۵۵ھ) |
| ⑮ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) | ⑯ حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) |
| ⑰ علامہ سہروردی (۹۱۱ھ) | ⑱ علامہ شعرائی (۹۷۳ھ) |
| ⑲ حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) | ⑳ علامہ قاری (۱۰۱۴ھ) |
| ㉑ امام ربیانی مجدد الف ثانی (۱۰۲۴ھ) | ㉒ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) |
| ㉓ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) | ㉔ علامہ احمد بن محمد الخفاف المصری (۱۰۶۹ھ) |
| ㉕ علامہ ذرقانی (۱۱۲۱ھ) | ㉖ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) |
| ㉗ قاضی شہار الشربانی پتی (۱۲۲۵ھ) | ㉘ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) |
| ㉙ علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) | ㉚ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) |
| ㉛ علامہ محمد آوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) | ㉜ نواب قطب الدین شہارح مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ) |
| ㉝ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) | ㉞ مولانا تذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) |

- ③۵ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۲۹) مولانا فیل احمد محدث سہل پوری (۱۳۴۶ء)
 ③۶ حضرت امیر شاہ کشمیری (۱۲۵۳ھ) حکیم الامت حضرت مولانا محتوی (۱۳۶۲ء)
 ③۷ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ء) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (۲۰)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

حياة النبي في قبه وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام
 عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار
 ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم به

توالجات از بعض عبارات

① حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلیٰ الموصلی ابن ہدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لاتے ہیں
 ان میں حافظ ابو یعلیٰ کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی
 طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلیٰ کی سند بھی روایت کیا
 ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

أخذنا الثقة من أهل العلم قال ابن أبي عمير بن حمدان قال أنبأنا

أبو يعلى الموصلي حدثنا أبو الجهم الزرق الحديث

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور
 عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور
 درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو متیسر

۱۰ فتاویٰ حافظ جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص ۱۴۴ جامع مصر و نسخہ فی مرقاة السعود و نظم المتناترین للحدیث المتواتر

آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے۔

واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهو والصواب
الحجاج الاسود كما وقع التصريح في رولية المبيہتی وصححه المبيہتی بـ
ترجمہ اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف
کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی
کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے
صحیح بھی کہا ہے۔

② حافظ شہاب الدین فضل اللہ تور شہتی (۷۶۲ھ)

مدینے درست است کہ ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء الى ان
قال هم احياء في قبورهم يصلون واولهم پیغمبر مابہ فیروزؑ
ترجمہ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام
کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی)، اور یہ بھی آپ نے فرمایا
ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں،
اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اٹھیں گے۔

③ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین بعلی اعنہی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے۔ اس

میں ہے۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون بـ

وقد کے الفاظ کچھ ذرا کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبروں میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے۔ کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی اشتغال رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہر حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں منہم ہے اور صحیح ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۴۴ھ)

عن النبیؐ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء واسیاء فی قبرہم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالخی لا بد من ان یكون اما علما او جاہلا ویصحزان یكون النبیؐ جاہلا۔^۱

ترجمہ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یمس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بیننا۔^۲

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ ہم (اہل سنت) کے عقیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے۔ علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو (امت کا) صلوٰۃ و سلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں:-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فاين الموت
ترجمہ: اور ہم (اطہنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں (اس وقت اُن پر) موت کہاں؟

⑤ علامہ نور الدین سیستانیؒ (۷۸۰ھ)

رجال ابی یعلی ثقات۔

ترجمہ: ابو یعلیٰ کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور سچے) ہیں۔

⑥ خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

اخرجه من طريق يحيى بن ابی بکیر وهو من رجال الصحيح عن المستمل
بن سعید وقد وثقه احمد وابن حبان عن المجاج الاسود وهو ابن ابی
زیاد البصری وقد وثقه احمد وابن معین عن ثابت عن انس واخرجه
واخرجه ايضا ابو یعلیٰ فی مسنده من هذا الوجه واخرجه البزار لكن
وقع عنده عن المجاج الصراف وهو وهم والصواب المجاج الاسود كما وقع
التصريح فی رواية التلمیذی وصححه البيهقی۔

ترجمہ: یہ حدیث یحییٰ بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں
میں سے ہے۔ اس نے مسلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور
ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور
انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے بھی اپنی مسند میں

اسے اسی طرح سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج صراف آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے تخریج کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقی کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

وفي البيهقي عن النسائي وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان
الانبياء احياء في قبورهم يصلون به
الانبياء احياء في قبورهم به

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقی کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ تفکر

⑥ حافظ بدر الدین العینیؒ (۷۸۵۵)

الانبياء — فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم احياء واما
سائر الخلق فانهم يموتون في القبور ثم يحيون
يوم القيمة. به

⑦ حافظ شمس الدین السخاویؒ (۷۹۰۲)

نحن نؤمن ونصدق بان الله صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جده
الشريف لا تاكله الارض به

ترجمہ ہم ایمان لاتے ہیں اور تقدیق کرتے ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسبات) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حیلة النبی فی قبرہ و سائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادله فی ذلك وقواترت به الاخبار

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علماً قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تو اتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حياة الانبیاء فی قبورهم۔

ترجمہ جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ)

لا شک فی حیاته صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته و کذا سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احياء فی قبورهم حياة اکمل من حياة الشهداء التي اخبر الله بها فی کتابه العزيز

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفا میں کسی شک کو راہ نہیں

دی جاسکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات
شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ
کامل ہے۔

⑪ علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۷۹۷ھ)

قد صحت الاحادیث انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلی
بإذان وإقامة ۛ

ترجمہ۔ یہ مدینیں پُوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں
زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

⑫ علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

الانبياء احياء في قبورهم۔ هذا حديث صحيح ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے۔

⑬ مجذومۃ دہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباریؒ (۱۰۱۴ھ)

صح خبر الانبياء احياء في قبورهم يصلون ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم ۛ

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس

شخص کا ملاقہ و سلام نہیں جو آپ پر درود و سلام پڑھے۔

ای یوصلون من امتی السلام اذا سلوا علی قلیلاً و کثیراً و هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقدہ المنور و مضجعه المطهر و فیہ اشارة الی حیاته الدائمة و فرجه ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ و ایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ المثلثۃ۔^۱

ترجمہ۔ فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لیے ہے جو درود ہر آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرمگاہ پاک ہے اس میں آپ کی حیات دہائی اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو آگے پہنچانے کے لیے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

وما افاده من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بما یتعبدون و یصلون فی قبورہم مع استغنائہم عن الطعام و الشراب کالمثلثۃ امر لا امریۃ فیہ۔^۲
ترجمہ۔ یہ بات کہ انبیاء کرام کے لیے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے وہ اپنی قبروں میں شغل عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی بختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔
وقد ورد بہ الاحادیث والانباء وانہما حیاء فی قبورہم فانہما افضل من الشہداء و احیاء عند ربہم۔^۳

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر بہت سی احادیث و اخبار وارد ہیں اور بے شک

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالتیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے
ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انہ علیہ السلام فی قبرہ حتی و قال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق
صوت النبیؐ

ترجمہ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ تم اپنی کوازیں حضورؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احياء حقیقۃؑ

ترجمہ۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔
المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبیاء
فی قبرہم وہم احياء عند ربہم وان لا رواجہم تعلقاً بالعالم
العلوی والسفلیؑ

ترجمہ۔ وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس
طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء
کرام) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم
علوی اور اس جہان ارضی دونوں سے ہے۔

①۴ مجتہد مآتہ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا شیخ سرمدیؒ (۱۰۳۴ھ)

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مرامن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں دطن نظر باشماص متفادۃ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی
القبورہ شنیہ باشند

ترجمہ۔ یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں آپ نے یہ حدیث تو سننی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

⑮ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

لأنه حتى دائماً وروح لا تفارقه لأن الأنبياء أحياء في قبورهم ۛ
ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

⑯ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

ابو بعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالکث آورده قال قال رسول الله صلی
الله علیہ وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون ۛ
ترجمہ۔ ابو بعلی نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالکث سے نقل کیا ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں
نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

⑰ علامہ احمد بن محمد انخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

وقد ثبت بالاحادیث الصحيحة ان النبي صلی الله علیہ وسلم وسائر الانبياء احياء
حياة حقيقية كالشهداء ۛ

ترجمہ۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

①۸ علامہ محمد بن عبد الوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

وحياة النبي في قبره هو وسائر الانبياء معلومه عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الادلة في ذلك وقواتر الاخبار به ^{بل}

ترجمہ۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں) ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تو اثر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

①۹ علامہ یوسف الشافعی الاربدیلیؒ (۱۱۰۰ھ)

و يخاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبن كاتله لان الانبياء احياء في قبورهم فيصلون ويحججون كما ورد ^{بل}

ترجمہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایہا النبی سے خطاب کیا جائے گا۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

②۰ مجدد ملت دوازدم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ مدینہ منورہ میں روحنہ اللہ پر ماضی دیتے تھے۔

لما دخلت المدينة المنورة وزيت الروضة المقدسة..... رأيت روحه صلى الله عليه وسلم ظاهرة باذنة لاني عالم الارواح فقط..... ثم توجهت الى القبر الشايع المقدسة مرة بعد اخرى.... وانه الذي اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يصلون ويحجون في قبورهم وانهم احياء الى غير ذلك ولما سلم عليه قط الا وقد انبسط الحياء وانشرح له اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے:

وهي المكثي عنه بقوله صلى الله عليه وسلم ما من احد يستلم على الارزاد الله على روضي حتى اردد عليه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في مجاورتي المدينة سنة الف ومائة واربع واربعون ٥

ترجمہ: اور یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لٹا دیتا ہے اور اسے مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لٹاؤں اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روحنہ اللہ پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ فانی فقیہ (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المنطہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي غلبت بالغة ٥

۱۔ فیوض الحرمین ص ۲۵ مطبوعہ دیوبند ۲۔ حجتہ اللہ المبالحہ جلد ۲ ص ۲۴۹ مترجم ۳۔ تفسیر منطہری جلد ۱ ص ۲۱

۲۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ادراج کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دواہر زائد دیتے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی ہی دواہر میں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دواہر اس پر ہے کہ جو سوا بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے اوّل ان کے حذر میں پیش کیے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۳) علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث۔
ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم۔
ترجمہ: حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۴) قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدر و شارح منتهی الاخبار

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره و روحه لا تغارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ: بیشک حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپکی روح اقدس آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

۱۔ فتاویٰ حسنینی جلد ۱ ص ۱۶ ۲۔ رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ مصر

۳۔ رد المحتار الشامی جلد ۳ ص ۲۲۶ باب المغنم ۴۔ تحفۃ الذاکرین شرح الحسن المحضین ص ۲۵

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان
الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمسلمين وقد ثبت في
الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم

رواه المنذرى وصححه البيهقي.

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب
کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق
رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء و مسلمین کی حیات کس درجہ قوی ہو
گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم وقد صححه البيهقي واللف في ذلك جزءاً

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفاً زندہ ہیں جیسا کہ حدیث
میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم..... ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في
قبورهم والنبى صلى الله عليه وسلم وآله وسلم منهم واذا ثبت انه حتى في
قبره كان المبعى اليه بعد الموت كما لمبى اليه قبله

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد بچھ زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء
احیاء فی قبورہم سے ثابت آ رہی ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور
انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو شہید ہیں

میں سے ہیں۔

اور حبیب محمود علی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر مہلک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس حاضری دینا تھا۔

(۲۵) علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمواد بتلك الحيوة نوع من الحيوة غير مقبول لنا هي فوق حياة الشهداء بكثير وحيوة نبينا صلى الله عليه وسلم اكل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام الى ان قال تلك الحيوة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحيوة في الدنيا المعروفة لنا من الصلوة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحيوة المعروفة في الحيوة في القبر تستلزم الخروج وانا اقول بها في حق الانبياء عليهم السلام

حاصل اس کہ آنحضرتؐ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

(۲۶) نواب قطب الدین خاںؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ وصاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف

منہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

(نوٹ) دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشبہ اور شبہ بد میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم وہ حیات برزخی ہے اور انبیاء اسے اسی طرح جسمانی محسوس کہتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں الکی جسمانی زندگی رکھتے تھے اور وہی جہد فائز حیات ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا، گویا ہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

②۶ نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں اس کی سند حید ہے۔
 من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نایا بلقہ رواہ ابو الشیخؒ
 قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں جیسا کہ
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔

②۸ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ)

اور حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کہ فوتاتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

②۹ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۳۲۷ھ) صاحب عون المغبوط شرح سنن ابی داؤد

اجساد الانبیاء ای من تاملکما فی قبورہم احياء۔
 ترجمہ۔ انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرام ہے کہ ان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

③۰ مولانا خلیل احمد محدث مہارنپوری (۱۳۴۷ھ)

المراد بالسلام عند القبر وقت حضوره للزيارة..... ان روح المقدسة فی
 شان ما فی الحضرة الالهية فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالی روحه
 المطهرة من تلك الحالة الی رد من سلم علیہ۔

آنحضرتؐ حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حد
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

③۱ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

فی البیہقی عن انسؓ وصححه ووافقه الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء
احیاء فی قبورهم یصلون^{لہ}

ترجمہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ
ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر مبرا کی ہے حدیث یہ ہے
کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

③۲ حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم
السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں^{لہ}

③۳ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

امابعد وفاته فروحہ المقدسة صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الخفی الاعلیٰ
مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یومہ من ہذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف
فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ
وبدنہ فی ضریحہ غیر مقتود واذ استمر علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد
علیہ السلام كما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کشف ادراکہ وغلظت
طباعہ من ہذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلہا وتعلقہا وتأثیرہا
فی الارض وحیاء النبات والحیوان بہا^{لہ}

المبحث الخامس — الکلام علی عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرار گاہ ہے اگلی قرار گاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں
۱۔ جنت ۲۔ جہنم۔ مقام اعزاف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔
یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرار گاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے دائمی قرار گاہ
عالم آخرت ہے۔

۱۔ عالم ارواح ۲۔ عالم دنیا ۳۔ عالم برزخ اور ۴۔ عالم آخرت۔ یہ چاروں عالم بالترتیب
چلے ہیں۔ پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرار گاہیں اور چوتھا جہاں مستقل
طریقہ ہماری قرار گاہ ہے۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں۔ یہیں سمجھئے چاروں جہاں عالم
شہادت کے مختلف پیرے ہیں علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہاں کا پتہ دیا ہے۔ یہ جہاں عالم
مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں یہاں حقائق کی ان کے اپنے
مناسب حال تصویریں اترتی ہیں عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔
خود آنحضرتؐ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی دایت الجنة والندار ممثلتین^۱
حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ قدس سرہ کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے
کئی اور آدم گذرے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت
میں صرف وہی ایک آدم گذرے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے
پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ الشرب العزیز کی ایجاد سے عالم مثال
میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔^۲

حضرت امام ربانیؒ شیخ سرہندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

ہیں کہ جس طرح اودام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں تمناؤں پر ضامن عالم مثال و وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ حسب غصہ سے نعیم قرار عذاب قبر اسی عالم مثال میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت و ہیئت نہیں۔ جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہتے کا محل نہیں، اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہ کسی صورت و شکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیر نہ تھی۔ قرون متطاوۃ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہر حال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال میں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اُترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح اودام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی العاسد ہے۔
اعلانا اللہ منہا۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

نوشته بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواهد رفت، پس عذاب قبر در عالم مثال خواهد بود

بدانتند کہ اس قسم خیالات از صدقِ قلیلِ انصیب است بعالمِ مثال کار ندارد
 نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بیش از این نیست کہ در بعضی اوقات بتوفیقِ اللہ سبحانہ
 بعضی از احوالِ خود را در مرقۃ عالمِ مطالعہ می نماید عالمِ مثال از برائے
 دیدن است نہ برائے بودن، بجائے بدن عالمِ ارواح است یا عالمِ اجساد، عالمِ
 مثال بیش از مرقۃ این دو عالم نیست عذابِ قبر از این قبیل نیست کہ حقیقت
 عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت۔

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالمِ مثال میں
 رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالمِ مثال میں چلی جاتی ہے پس عذابِ
 قبر اس عالمِ مثال میں ہوتا ہے۔ جو ابا آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی
 لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں
 قلیلِ انصیب ہیں۔ روح کا عالمِ مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ
 ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب
 العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے
 ہوں لیکن عالمِ مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں (وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ
 ہے، جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، رہنے کی جگہ یا عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔
 عالمِ مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذابِ قبر اس
 مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذابِ قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب
 اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسبِ ذیل

ہے۔۔

- ① معاملات قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت وانعکاس نہیں۔
- ② وجود عالم مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔
- ③ روح کا تعلق عالم مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

④ مفارقت بدن کے بعد روح اور اطوار روح کو عالم مثال میں ٹھہرنا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملات قبر کو عالم مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس — فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنادیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معالہ کرنا چاہیں، تو اُسے تنگی کی آغوش انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنادی جائے، وہ رحیم مطلق جیب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالم برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و وسعت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ ”قبر حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔“ — اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل مبدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ اس واقعہ یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فصاحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی محدود اس پردے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیتہً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پہلے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ نے درمختل کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ سجتا تھا اور دوسرا خنچلی کھانے کا عادی تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیتہً علیحدہ نہیں

لہ ان القبر اول منازل الاخرة (مسند رک ہذا ص ۱۲۳) و احوال البرنماخ اشبه باحوال المنفوخة (فتح الباری ص ۲۴۹)

لہ عن ابن فورک انه صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر رسولاً الی المابد حقیقة لا معجازاً قال ابن عقیل من الحنابلة هو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره یصلی (الموضوعة البہیة فیما بین الاشاعة والماترید یہ ص ۱۸ مطبوعہ

حیدرآباد دکن)۔ لہ راجع لہ البخاری جلد ۱ ص ۱۸۳

بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت و وسعت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے

اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

دَلَّوْخٌ عَلَى قَبْرِهَا

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا:

اِنَّ هَذِهِ الْقَبْرَ مَمْلُوءَةٌ ظِلْمَةً عَلَىٰ اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يَنْوِّرُهَا لِمَنْ

بَصُلُوْا۟ لَهَا

ترجمہ: بے شک یہ قبر اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے آئی پڑی ہیں اور اللہ

تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنادیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبر میں جو ہذا کا مشارالہ

ہیں۔ ہاں اس کے باقی بزرخی پہلو اور وسعت و وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری

نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس بزرخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس

کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان تعلق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم بزرخی کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط

ہے۔ مقام افسوس ہے اور محل حیرت و حیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیاتِ انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا ”الانبياء احياء“ (انبیاء

زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ ”فی قبورهم“ (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی۔

تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کی بزرخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے ”فی قبورهم“

کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محلِ حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ ہی بعد الوفاات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس اُن کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیاتِ انبیاء کی وضاحت فی قبورِ ہمع کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون دکہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں، کی تصریح فرما کہ حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجودِ جسمی کو پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تدفین میں ہے۔

الصلوة تستدعی جسدًا حیًا۔ (حاشیہ نسائی)

انفع العرب والعجم، صاحبِ جمیع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔
الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

① احياء میں حیات کا بیان مجملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

② فی قبورهم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

③ یصلون میں حیاتِ حقیقی کا جس میں اعمالِ طیبہ سے تعلق نہ ہو، بیان ہوا۔

پس انجوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریف میں (تأثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستور اشغالِ طیبہ میں استغراق ہے۔ یہ عمل تلذذ ہے نہ کہ وجوباً علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں :-

تلذذ الان التکلیف انقطع بالموت۔ ۱۰

ترجمہ۔ یہ عبادت تلذذ ہے کیونکہ تکلیف ہونا اور موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بے اوقات اور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اُٹھا

حضرت ابوالیوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد الشری (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں:-

فدفنوه لیلاً فصعد نور من قبره الى السماء وراى ذلك من كان بالقرب
من ذلك الموضع من المشركين فجاوروا رسولهم من الغد فقال من كان
هذا المیت فیکم فقالوا صاحب لبیتنا فاسلموا بماراؤا

ترجمہ: انہیں رات کے وقت قبر میں اتارا۔ آپ کی قبر سے نور کا ایک
شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب
تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ مرثیہ والا کون تھا
وجسے رات تم نے دفن کیا، انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحابی تھے جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی
شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہوگا اور زمین بھی اپنی برکتیں اُگلتی ہوگی۔
اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے کسی گنا زیادہ منع نور ہوگی۔

الفصل الخامس

وفيه ستة من المباحث

قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الا عرج حدثنا الحسين بن الصباح حدثنا ابن معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته — وفي رواية من صلى على نائياً ابلفته۔

ترجمہ۔ جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دُور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاول — في معنى الحديث

اس حدیث میں من صلی عام ہے جس نے بھی حضورؐ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپؐ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس دُور د پڑھے، اسے حضور اکرمؐ خود سنیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سامعہ کیا اتنی تیز تھی کہ منوں میں کافا صلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب — ہاں۔ جب حضور خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سُنیں جن کو مذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال، کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟
جواب: ہاں، حضور نے فرمایا، ما من احد یسلم علی الارء اللہ علی روحی حتی ارء علیہ السلام
جو مجھ پر سلام پڑے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں
رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضور کا قریب سے صلوٰۃ و سلام سنانا خود ثابت ہے۔

ثانیاً، حضور نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا :-

لئن قام علی قبری فقال یا محمد لا حیبتہ

ترجمہ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے یہ ثابت ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود سنتے ہیں۔ اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

ثالثاً، حضور نے فرمایا :-

من من صلی علی ابی بکر صلوٰۃ رواء الطیرانی

ترجمہ جو شخص صلوٰۃ پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔

یہاں پہنچا جاتا نہیں کہا، پہنچتا کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے

پڑھے، دُعا دے گا پہنچا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کا تب سے

لے متن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵۹، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۵۹۵، رواہ ابویعلیٰ و رجال اصحیح، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۸،

الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۳۷۳، رواہ ابویعلیٰ کما فی الصحاح ص ۲۹، روح المعانی ص ۲۵، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۹

مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۹۵، فی الاوطار جلد ۳ ص ۲۸، مسند ابی یعلیٰ جلد ۲

بلغنی صوته کے فطوں میں منقول ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

① ان لله ملكة مساحين في الارض يبلغني من امتي السلام

ترجمہ۔ بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی محمد پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

② يبلغني صلوة من صلى على من امتي

ترجمہ۔ وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی محمد پر درود پڑھے

③ ان صلواتكم معدودة على

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود محمد پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات میں صرف صلوة کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا۔ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے

ہیں اور سلام بھی۔ دونوں میں افراد ہو تو بھی اختلاف کے ہاں جائز ہے اور صلوة و سلام مجاڑے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوة و سلام حضور کو درود سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جاسکتا ہے یا اس امتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روح پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہیں پیش کر رہے ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جاسکتا ہے۔ یا اس امتقاد کہ آپ خود سُنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سُنتے ہیں یا نہیں۔

لہ روایہ النسائی جلد ۱ ص ۱۵۲، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۴۲۱، سنن دارمی ص ۳۶۲، المعصن لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص

البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۲، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۱۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، تخریبات حدیث مولانا حسین علی ص ۱۱

لہ روایہ الدارقطنی (القول البیّن ص ۱۱)

لیکن حضور کا سماع عند العزیم علیہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۳۴ھ) لکھتے ہیں :-

انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

مجدد صدی دہم سیدنا ملا علی قاری فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة موقد النور ومضيجه المظهر و

فيه اشارة الى حياته الدائمة وفرجه ببلوغ سلام اجته الكاملة وابعاد

الى قبول السلام حيث قبلته الملائكة وحملته اليه عليه السلام.

ترجمہ فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقہ منور اور آپ کی اس رحلت گاہ مطہر سے

دور ہو اور اس میں آپ کی حیات ائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کا مدد کا

سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کو نیا لے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے بائیں طہر

کہ فرشتوں نے اسے قبل کر لیا ہے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ہیں۔

ترجمہ۔ اس سے مجی پتہ چلا کہ روضہ پر پڑھے گئے درود و سلام کہ حضور خود سنتے ہیں حضرت

ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

من صلى على عند قبلى سمعته احب سمعا حقيقيا بلا واسطة.

ترجمہ۔ حدیث یہ جو مجھ پر میری قبر پر آگے درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں، کا مطلب

سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پر پڑھے گئے درود و سلام کہ حضور خود سنتے ہیں اور دور سے

پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے، ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزہ جزہ اپیش

کرائے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یک جا جمع ہیں۔

موجن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف ملعن بنارکھا ہے کہ اسے ابو عبد الرحمن محمد بن

مردان السدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ

سماع عند العزیزیہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

نیز ابن عمرؓ آمدہ من حلی علی عند قبری زوت علیہ ومن حلی علی فی مکان

آخر بلعونیہ

ترجمہ حضرت ابن عمرؓ سے سڑی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر یا کہ درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب اس کے بڑھ کر دیتا ہوں اور جو کوئی کسی مدفن پر جاکر پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔

حضرت مولانا مغانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں۔

جو روایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے

پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا

ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔

سویہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علیہ العزیز بن عمرؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم تین صحابہ

سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہراتے ہیں۔ یہ بھی نہ ماننے کی ایک اداسی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ ہر سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت سنا دے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آگیا۔

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو براہ دے اور حال یہ ہے کہ وہی راستہ کے اوقات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہر روز اس درمیان روضۃ اطہر پر صلوٰۃ و سلام عرض نہ کر رہے ہوں۔ اگر تبریک کی حاجتی اور وہاں درود و سلام دائماً پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور محتمل۔

اس کو جو وہ ضرورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہو گا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے مطلقہ عامہ نہیں۔ دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمدؐ کا جو یہاں سمعہ ہے۔ موضوع کے لیے جو من صلی علیٰ عند قبلی ہے دائمہ ہو۔

ہم نے ضروریہ مطلقہ نہیں کہا۔ جیسے کل انسان حیوان بالضرورۃ دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل نبی صادق بالدوام، سو جس طرح صدق نبوت سے شرعاً متمنع السلب ہے۔ کوئی مومن روضۃ اطہر پر درود پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ نشیں، یہ شرعاً متمنع ہے۔

قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں۔ حدیث کے اپنے الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

فالقضية دائمة اذ من المحال العادي ان يخلو الوجود كله عن واحد
يسلم عليه في ليل او نهار فنحن نؤمن ونصدق بانہ صلى الله عليه وسلم
يجمع مادام المصلون يصلون عليه على قبره الشريف ولا تذهب ساعة
من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ويصلى عليه في مسجده الشريف
صلى الله عليه وسلم بالدوام او بالضرورة.

المبحث الثانی — فی بیان الشاہدین الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں۔

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن
سفیان بن سعید و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و
عبد الرزاق (کلاهما) عن سفیان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوریؒ :-

عن عبد اللہ بن المسائب عن نواذان عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملکة سیاحین فی الارض یبلغونی
من امتی السلام۔

ترجمہ یہ شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروف سیاحت
میں وہ امت کا سلام بھی پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی شعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام
عرض کر دیتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پر پہنچ کر — قبر کہاں ہے؟ زمین پر — حدیث میں
ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے، سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں،
قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضۃ اطہر کے مابین مصروف
سیاحت رہتے ہیں۔ وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ ان کی آن

سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہیشمی فرماتے ہیں:-
رواہ البزار و رجالہ رجال الصیح

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد جلد ۴۲۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۷، سنن دارمی جلد ۲، سنن دارقطنی
(القول البدیع ص ۱۱۵) البیہقی ص ۱، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۲۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۴، علیہ ابن نعیم ص
الجامع الصغیر جلد ۹ ص ۹۲، مشکوٰۃ جلد ۸، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۰۴، دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

- ① علامہ ذہبی صاحب میزان الاعتدال (۸۴۸ھ) تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں صحیح ہے
 - ② علامہ سمہوری (۹۰۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے
 - ③ علامہ عزیزی (۹۰۱ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں حدیث صحیح ہے
 - ④ علامہ ہیشمی (۸۰۴ھ) لکھتے ہیں رجالہ رجال الصیح
 - ⑤ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابن نعیم والبیہقی والخلق وابن حبان والحاکم قال صحیح الاسناد
 - ⑥ علامہ ابن عبد الہادی (۹۴۴ھ) مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے
- محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

لے مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۵۱، مستدرک جلد ۲ ص ۴۲۱، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۰۴، السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۸
لے مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۹۲، القول البدیع ص ۱۱۵، المصادر النکلی ص ۱۱۸

ہر آئینہ خدا کے را فرشتگان اند سیر کنند گاہ در زمین سے رسانند مرا از امت من
سلام را و بتواتر رسید این معنی بلہ

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت
کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دہمت برکاتہم جن کا مضمون اس سلسلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن لاہور
میں چھپا ہے اور اس سے محدث حلیل حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب سابلت صدر مدرس مظاہر العلوم
سہارنپور (بہبودی تحصیل و ضلع کمیل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے
کی دعوت دی ہے۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے
بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر
صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ اتحاد پر جمع ہو جائیں اور دھنہ انور کا یہ سماع تسلیم کر لیں۔

المبحث الثالث — اکوہر النقی فی تحقیق اسانید ابی ایشخ و البیہقی

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس دو ٹپے میں سنتا ہوں جو دُور سے پڑھے
و مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت الش بن مالکؓ سے بھی اسے
مروی بتلایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث
کو حافظ ابو ایشخ الصہبانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور اعدا اعلام ہیں۔ کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں
روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ صہبانی
اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ صہبانی کی سند جدید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

تجلی نہیں یہ اسکے فلاح کا تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً۔

مغلطے کا ایک اور انداز

سبہتی کی سند کا راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہے اور ابوالشیخ کی روایت کا ایک راوی عبد الرحمن بن احمد الاعرج (۲۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبد الرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز قائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبد الرحمن کی جرح عبد الرحمن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوالشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے لان هذا الاتقان عظیم۔

المبحث الرابع

تحقیق رواتہ سند ابی شیخ

- | | |
|----------------------------|-------------------------------------|
| ① ابوالشیخ الاصبہانی | ② ابوصالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج |
| ③ الامام الحافظ حسن الصباح | ④ ابر معاذ بن محمد بن خازم |
| ⑤ سلیمان بن مہران الاعمش | ⑥ ابوصالح ذکوان (اسمان الزیات) |

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① ————— ابوالشیخ الاصبہانی

علامہ ذہبی ان کو حافظ۔ امام اور سند زمان کہتے ہیں۔ ان کے تقویٰ و تدبیر کو تسلیم کرتے

ہے عبد الرحمن بن الاعرج سے قاضی ابوالحسن محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ صہبان جلد ۱۱) اور ابوالشیخ الاصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الاہنام للحافظ ابن العثیم ص ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دو راوی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۳۱۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے حید تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ ثقتان فقدر تفتت جمالہ وثبتت عدالۃ۔ تو کیا اب بھی عبد الرحمن کی تقدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے (فتح المغیث ص ۴۷)

ہیں۔ ابن مردودہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔
ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابوالشیخ — فہو الحافظ البکیر... ثقہ۔

② — ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج

والد کانام ابویحییٰ ابو نعیم اصفہانی (۴۴۰ھ) کے تاریخ اصفہان جلد ۲ ص ۱۱۳ میں
اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے قاضی ابوالحسن محمد بن احمد اور ابوالشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی
ہیں اور اس نے سلمہ بن شیبہ اور الامام الحافظ حسن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں
حافظ ابن حجر عسقلانی سلمہ بن شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:-
احد الثقات حدث عنه الاثمة والقندماورثہ

سلمہ بن شیبہ سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے:-

قال ابوالشیخ لم یکن بالقوی فی الحدیث۔

③ — الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ قریبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر غلط الفاظ سے
ذکر کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح براسماعیلی فرقتے کا بانی مٹا مشہور کر رکھا ہے وہ
خدا کا خوف کریں۔

④ — ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفہ کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور مثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے

راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہر سکتا ہے اس میں
کچھ اضطراب ہو۔

۱۔ دیکھئے تذکرہ للذہبی جلد ۲ ص ۱۴۵ لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۹۵ ۳

۲۔ لسان المیزان جلد ۵ ص ۵۵ تذکرہ جلد ۲ ص ۵۵ ۳۔ دیکھئے تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۱

بکھا بن مہین کہتے ہیں ایش سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔

⑤ ————— سیاح بن مہران الاثمش

صحابہ شہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ مگر ان دنوں شیعیت رض کے معنوں میں نہ تھی۔ تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ رد افض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ ————— ابو صالح ذکوان

صحابہ ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں:-

ثقة ثقة من اجل الناس واثقهم۔

ترجمہ ثقہ ثقہ ہے بڑے اور سچے لوگوں میں سے اور سب سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے۔

اور اس زمانے میں تو راویوں کی بڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لائے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث تسبیح بالقبول ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھیے کن کن ائمہ قرن ۲ نے اس حدیث پر اعتماد لیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:-

① ————— شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

② ————— حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

③ ————— خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

④ ————— سخاوی (۹۰۲ھ)

- ⑤ — علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ)
- ⑥ — علامہ عبدالرؤف المنادیؒ (۱۰۰۴ھ)
- ⑦ — علامہ قاریؒ (۱۰۱۴ھ)
- ⑧ — قاضی ثناء اللہ بابائی پتیؒ (۱۲۲۵ھ)
- ⑨ — علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۲ھ)
- ⑩ — ذاب صدیق حسن خاں (۱۲۰۷ھ)
- ⑪ — حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)
- ⑫ — علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۶ھ)

حوالجات از بعض عبارات

① حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

صلوا علی حیثما كنت فان صلوٰتکم تبلغنی قال فاحبر صلی اللہ علیہ وسلم

انه یسمع الصلوٰۃ من قریب و یبلغ ذلک من بعید۔

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کر وہاں بھی تم ہو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا یہ ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچا یا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابو داؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور دوسری امام بیہقی والی — امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

وقد روی ابن ابی شیبہ والدارقطنی عنه من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی نائیا ابلغتہ و فی اسنادہ لین لکن له شواہد ثابتۃ فان
ابلاغ الصلوۃ والسلام علیہ من البعد قدر واه اهل السنن من غیر وجہ۔

ترجمہ۔ اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر
اگر دو درپڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دو سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا
جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں
اچکھو دور سے صلوۃ و سلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے

② حافظ ابن القیم کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔ یہ ابوشیخ کی سند کے بارے میں نہیں۔ ابن ابی شیبہ
اور دارقطنی کی سند کے بارے میں ہے اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول
ابن قیم اس کے شواہد موجود ہیں۔ اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا مسلک ہے
کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے۔

ابن شہاد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (نسائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کو دور سے پڑھا گیا صلوۃ و سلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ
بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں۔

قلت هذا الحديث اخوجه الطبرانی وابونعيم في الحلية وله شواهد يرتقى بها
الى درجة الحسن۔

یہ سب تاہم اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے۔ یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف
ان شواہد سے کیلئے اٹھ جاتا ہے۔

ماظ ابن قیم (۵۱، ۵۲) نے جلاء الافہام میں ابو الشیخ کی پوری سند سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عندبری سمعہ ومن صلی علی من بعدا علیہ لہ
سند یہ ہے۔

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوۃ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاثرع حدثنا حسین بن الصباح
حدثنا ابو معاویۃ تحدثنا الاحمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور کتاب الروح میں لکھا ہے۔

وقد صح عنه ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملائکۃ یملئون عن اعنہ السلام۔
ترجمہ۔ اور حضور سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی قبر پر فرشتے مقرر
کر رکھے ہیں جو حضور کو آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (رُفْعہ اقدس پر) حاضر ہوں کہ صلوٰۃ و سلام بھی پہنچاتے ہیں کہ حضور یہاں خود سنتے ہیں۔
ورنہ فرشتوں کے یہاں آنے کا کیا مطلب۔ اور جو درود و سلام دور پر پڑھا جائے یہاں پہنچا یا جاتا ہے۔
یہ مافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث سن اور اس کے معنی کی پوری تصدیق کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔

فالروح هذا ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث
یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ۔

ترجمہ۔ سور روح اقدس اپنے مقبر میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن سے ایک اتصال اشرف
اور ایک تعلق ہے باس طرح کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے
کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور اپنے روضہ مقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ
و سلام کو خود سنتے ہیں اور اس جماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی
اختلاف نہیں ہے۔

③ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شہادت

اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبر ع
سمعتہ ومن صلى على نائياً بلغته۔

ترجمہ۔ ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے
ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دُور سے پڑھا
مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے جو صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی ہے اس
کے بعد آپ اس کے شاہد ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابوداؤد کی روایت سے ② دوسرا ابوالشیخ کی روایت
سے ③ تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتکم معروضۃ علی سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے نہ حافظ اسی روایت کو لائق قبول بناسے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی
اور اس پر شاہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھا دی ہے ابوالشیخ کی روایت
پیش کرتے ہوئے وہ ضمنی بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم
کی کتاب جلاء الانہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے۔۔

ومن شواهد الحديث ما أخرجه ابوداؤد من حديث أبي هريرة رفعه وقال
فيه صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتہ سندہ صحیح واخرجه
ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبري سمعته
ومن صلى نائياً بلغته وعند الجـ داؤد والنسائي وصححه ابن
خزيمة وغيره عن ابي ان قال فان صلوتکم معروضۃ علی فقالوا
کیف تعرض وقد امنت۔

④ عاقل شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته رواہ
ابوالشیخ وسندہ جید۔

ترجمہ حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر اگر کھجور پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور
سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید
ہے عمدہ ہے۔

⑤ علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبر سمعہ سماعاً حقیقاً ومن علیہ من غیر واسطۃ
وان صلی وسلم من بعید لیسمعہ الا بواسطۃ، يدل علیہ احادیث کثیرہ۔
ترجمہ جب کسی درود و سلام آپؐ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپؐ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور
سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر دور و دور سے پڑھا تو آپؐ اسے
نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطے سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔
اور ابوہریرہؓ اس نظم میں لکھتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعہا
اذا کان عند قبر الشریف بلا واسطۃ۔

ترجمہ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے
جب وہ دور سے آتے اور آپؐ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب
پڑھنے والا آپؐ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَتْمٍ لِلطَّبْرَانِيِّ لَيْسَ مِنْ عَبْدِ يَصْلَى عَلَى الْإِبْلَغِ صَوْتَهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنْ اللَّهُ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ
الْأَنْبِيَاءِ أَمْ يَضَعُهُمُ الْحَيُّ كَيْفِيَّتَهُ كَمَا ضَعَفَ الظَّاهِرِيَّةُ لَهُ

ترجمہ اور طبرانی کی ایک سری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی
آواز مجھے پہنچتی ہے۔ ہم نے کہا اے آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا حضورؐ نے فرمایا وفات کے
بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد میں پر حرم کر دیئے ہیں
کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سنا ایسا ہے کہ اس کیفیت حتیٰ ہے جیسا کہ
ان کے دوسرے خواص (قائم ہوتے ہیں)۔

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ انہی قبر میں — حضورؐ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے
والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہؓ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے
سُنیں گے۔ آپ نے اپنے جسد اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی — ابن حجرؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
انبیاء کے دوسرے ظاہری خواص کی طرح ان کی قربت سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔
حضورؐ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سُنیں اور دور کی
بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قربت سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر
مبارک میں بھی آپ قریب سے سُنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچایا جائے گا —
سور حدیث الابلغی ص ۱۰۷ ملاحظہ ابن حجرؒ کی کہ ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی
ان احادیث صحیحہ سے بھی تعلیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا توسط ملا کہ پہنچنا مترجہ لفظوں
میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجرؒ نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے
— یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔
تو الفاظ بلغفی ص ۱۰۷ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کئے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغفی ص ۱۰۷

یہ تسخیف ہوئی ہے۔ ہر اگر اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس نصبت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شاہد میر ذکر کی جاسکتی ہے

⑥ حافظ ابن کثیرؒ (۵۷۷ھ)

باجود یکھ آپ اس کی سیرت ہی ولی سند پر برع کرتے ہیں۔ اس سے راوی محمد بن مردان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں تعلقاً بالقبول ہے

⑦ علامہ شہاب الدین انخافیؒ (۵۸۹ھ)

و بما تقر فی هذه الاحادیث علم انہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ الصلوٰۃ والسلام
اذا صدر من بعید و لیسعہا اذا کان عندہ قبرہ الشریف بلا واسطۃ۔
لاقہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ یسمع دعاء زائریہ۔

ترجمہ۔ اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ آگے دلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے۔ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

⑧ حضرت علامہ عبد الرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نائیا ای بعیدا (ابلفتح) ای
اخبرت بہ من احد من الملائکۃ و ذلک لان لروحہ تعلقا بمقربہ منہ
الشریف و حرام علی الارض ان تلک اجساد الانبیاء۔

⑩ علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۳ھ)

فانه يسمعها اي اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم وتبلغ اليه اعـ
يبلغها الملك اليه اذا كان المصلى بعيداً ۛ

⑪ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المنطهری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على
غائباً بلغته ۛ

⑫ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱۱۰۰ھ)

انه يسمع من يسلم عليه ۛ

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔
مولانا امینعل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان الفاظ میں پڑھیے:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔ ۶۵
آل شیخ کے معتقد عالم علامہ نجدی شیخ محمد بن عبد اللطیف رقمطراز ہیں:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن بزنجی زندگی کے ساتھ
اور شہادت کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔ ۶۶

⑬ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود مدفنہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ و سلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ و سلام

المطہاری مرقی علی الفلاح مشتمل ۲۵ جلد ۱۲۲۳ھ اتحاد النبلاء ۴۵۰ سے ترجمہ رسالہ از مولانا امینعل غزنوی ۱۹۲۶ء و مترجم

آپ خود سنتے ہیں۔

روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوة و سلام پڑھا جائے تو نبی کریم خود سن کر جواب دیتے ہیں
یہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

⑭ نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید — اس حدیث کی سند جید ہے۔

⑮ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی فانیاً بلفظہ۔

⑯ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضور کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تلقی بالقبول کا
درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہر جاتی ہے اس حدیث
پر ابو الشیخ کی سند جید بھی موجود ہوتی تو بھی یہی ہوتی کہ روایت تلقی بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے
محدث سہارنپوری نے بذل الجہود جلد ۲ ص ۱۱۷ اور روضۃ پروردگار المہند علی المقصد میں اپنے عقیدہ کو بڑی
وفاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم قراء نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر
قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔

①۴ حکیم الامتہ مجدد الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

خود حضرت کا ارشاد مری ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں سنائی اور دہلی کے جبرائیل بن عبد اللہ بن مسعود آپ کا ارشاد مری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کر نیوالے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھے کس سلام پہنچاتے ہیں۔

①۵ مولانا عبد الغفور غزنویؒ امرتسریؒ ۷۰ مترجم مشکوٰۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ الجدیدت کا یہی اعتقاد ہے۔

①۶ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات السلفیہ

انما احياء في قبورهم يصلون وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى على
عند قبري سمعته ومن صلى على نائياً بلغته

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر اگر کچھ پیرود پڑھے
میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ
صلوٰۃ و سلام صحیح ہے اور اس بلوغ اور سلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

المبحث الخامس

علامہ ابن عبدالبہادی کا اُسے قبول کرنا

علامہ ابن عبدالبہادی کی نظر ابوالشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مردان مدنی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچا یا جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ابوالشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت سن کر ہاں دے کر شراہ کی روشنی میں تلقی بالقبول کا درجہ پا چکی تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء کیا احناف اور کیا شوافع کیا مالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عند العتر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور آسمان کی اختلاف نہیں۔ علامہ طحاوی لکھتے ہیں:-

يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيداً ۱۔

ترجمہ فرشتہ اس صورت میں درود و سلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو۔
علامہ ابن عبدالبہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:-

وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من العتب وتبلغه الملك الصلوة والسلام من البعد ۲۔

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبدالبہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی

۱۔ طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۵۴ ۲۔ الصارم المنکی ص ۵۴

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہلسنت، کہلاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد البہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

فلما ذلک الحدیث وان کان معناه صحیحاً فاسنادہ لا یحتج بہ وانما یثبت
معناه بلحدیث اخر فانه لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان
السدی صغیر عن الاعمش کما ظنہ البیهقی وما ظنہ فی هذا هو متفق علیہ۔
ترجمہ۔ اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں
جس سے احتجاج کیا جاسکے یہ معنی کہ حضورؐ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں۔ دوسری
امادیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش
کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو
خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے،
انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے
اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو سچ کہیے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی لوی
ہیں اور وہ کوفہ میں مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا
شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقعی محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا
مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے اس کے اپنے طریق اور علم کے
مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی؟ بیہقی کی سند میں علامہ بن عمرو الحنفی محمد بن مروان ہے اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے۔ اگر یہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے، علامہ بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الأعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الأعمش والی سند موضوع ہے وہ موضوع نہیں ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے :-

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدحی فیما اری و خید
نظر و قد مضی ما یؤکدہ ۔

ترجمہ: یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدحی صغیر ہے اور اس کے لائق محبت ہونے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتی ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے۔ بایں ہمہ وہ اسے کلیتہً ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منجر کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار نہیں۔ تو اب کسی عالم کو اس انکار کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔

سویا در کیسے امام بیہقی کی روایت نفی نقطہ نظر سے متروک نہیں ہو سکتی ہے۔ عبادت حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ و قد مضی ما یؤکدہ کو کبھی نہ سمجھ لیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ پھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ حیات الانبیاء میں لکھی ہے

اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث نہ لانا بڑا
 ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے حجت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناد
 خود اس پر جرح کی اور معنی خود اسے قبول کیا ہے۔ اور کہن ہے جو اس کا انکار کرے۔

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے۔ اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ
 شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے۔ فرعی اختلاف خطا اور صواب کے درمیان دائر ہوتا
 ہے۔ مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل
 میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں۔ اصول اسلام میں سب صحابہ، سب ائمہ اور سب علماء ایک
 ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ والجماعہ ہیں۔

ابو الشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد
 ہیں۔ محدثین سے اسے بالاتفاق جید مانا ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرمایہ بحث الے اڑے
 جید ہی نہ کہا ہے صحیح نہیں کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جید اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۷۴۲ھ) اصول حدیث کے مستم امام ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں
 آپ کا شاہکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے
 کے بعد فرماتے ہیں:-

لے محدث ابن عبد البر (۴۴۲ھ) ایسے موقع پر حدیث پر بحث کا حکم لگاتے ہیں۔ قاضی شوکانی ان سے ایک بحث
 نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول فوده من حيث

(الاسناد و قبله من حيث المعنى۔ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۰۰)

من ذلك يعلم ان الجودة ليس بها عن الصحة ۛ

ترجمہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جتید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف احادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں باپ نے اپنی سنن کے ابراہم الطیب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے :-
هذا حديث جتيد غريب ۛ

دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابراہیم کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔
اس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہتی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن ابراہیم کی روایت میں اعلتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلتہ میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی ضرر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباہی نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے ہی اٹھا کر دیکھ لیں :-

ان الغرابة لا تنافي الصحة. حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

کی صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے۔

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیه وقال اللہ اکبر غربت خیر... قال ابو عبد اللہ دفع

یدیه فانی اخش ان لا یكون محفوظا وان کان فیہ فرفع یدیه فانه غریب جدا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مردان صدی صغیر جبرائیل کی سند کا راوی ہے۔ اس پر مشتمل سند کو

کمزور تو کہا جاسکتا ہے مرفوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق جتید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے۔

اس حدیث کی جو سند صدی صغیر پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور

کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے۔ ... بلا علی قاری

انہی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال مبرک نقل عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ

... باسناد جتید۔

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کہہ کر فی جلیل القدر عالم اس کا

مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خطیب اور واعظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام

کی بھی توجہ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دامن میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ

رحمۃ ربہ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیه اشعار بان من خالف الستۃ وان کلن فی الظاہ من تینا خطیبا مکوما

عند الناس فہو فی الحقیقۃ نجس اخس من الکلب۔

ترجمہ۔ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے

گو ظاہر وہ بڑا بنا ٹھنا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا

مقام بھی جو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

یہ ابوالشیخ کی سند خبیثہ نہ بھی ہوتی تو اصولاً یہ بھی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

① حافظ ابو بکر الجصاص (اللاذی ۴۶۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں:-

ان الفقهاء قد تلتقت هذا الحديث بالقبول وعملوا به فثبت حجه

بقبولهم له فقولہ علیہ السلام لا وصیہ لوارث یلہ

② حافظ ابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتد

عظمہ کرتے ہیں۔ قاضی شوکانی (۴۷۰ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول یلہ

ترجمہ۔ اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ

علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

③ علامہ ابن عبد البر (۴۶۴ھ) حدیث من حلی علی عند قبری کو ضعیف

کہتے ہیں مگر ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں، لیکن وہ اس کے معنی سے جو تعلق بالقبول

پسندی طرح متفق ہیں۔ حدیث کی سند کا مکمل فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط

ہونا اور بات ہے، اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تعلق بالقبول سے کبھی

کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی۔ تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں

ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) خبیث

سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے خبیث سند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت

نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس

ارشاد العوام لعرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضری ہو اور مومن بہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضورؐ کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے یہ صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آئی۔ آپ پر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضورؐ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کبنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ صوابت حال یہ نہیں۔ حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ و سلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فرسوخ و احکام کے اختلافات تو ہیں۔ اصول و عقائد میں چاروں امام اہل السنۃ و الجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم معتدین پر حجت ہے علامہ سمہودی حضرت امام مالکؒ کا فتوے نقل کرتے ہیں :-

نقل عن الامام مالك انه كان يكره ان يقول رجل نزلت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن رشد من اتبعه ان الكراهة لغلبة الزيلة في الموقى وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياة تامه

ترجمہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا نفل عام طور پر مرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نوازا رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا نفل کیوں؟)

فتہاء احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارة النبی یا زیارة الرسول کا عند ان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پر حاضری نہیں، آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور نہیں تو نور الایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل اصحاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے۔

يَسْتَفِي لِمَنْ تَحْضُرُ يَزَارَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْثُرَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ
فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا

ترجمہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضہ اطہر پر حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں یاں تصور جانا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے۔ حضورؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پہا ۹ آیت ۶۴)

ترجمہ اور جب انہوں نے اپنے جانوں پر ظلم کر لیا تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ رسول کے بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمیٹگی میں ہے۔ یہ اسی صورت میں مقصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔

محدث کبیر حضرت مولانا طہر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

تثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ ثابت ہوا کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضورؐ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ سحر العلوم عبدالعلیؒ یہ دُعا بدیں الفاظ

لکھتے ہیں :-

وارزقنی من زیارة رسولک صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ اور مجھے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی زیارت نصیب فرما۔

سوجب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوة و سلام عرض کرنے

کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لہم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلا تردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

فقہائے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱) نے قبر اطہر پر حاضری کے لیے آداب بتائے ہیں۔

کہ یہ قبر پر حاضری نہ رہے اس میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی

زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے کیونکہ حکم کی علت باقی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ

قبر کی طرف رہے اور تو کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ — اور یہ اس تصور کے

ساتھ کہ حضورؐ قبر شریف میں اپنی دائیں کرٹ پر لیٹے ہوئے ہیں — اور آپ پر کثرت سے درود

شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں :-

و یجتہد فی خروج الدمع فأنه من امارات القبول و ینفی ان یتصدق بشیء

علی جیران النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یصرف متباک یا متعزاً علی الفراق
الحضرة النبویة والقرب منها ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة یقول
یا رسول اللہ اسألك الشفاعة یا رسول اللہ اسألك الشفاعة واتوسل بک الی اللہ
ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک ویزکر کل ما کان من قبیل استعطاف۔

ترجمہ: اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر کچھ مدد کرے۔ پھر وہ رتقا ہوا وہاں سخت
ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو پھر وہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شفاعت کی درخواست کرے۔ اے اللہ کے رسول: میں
آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور آتا ہوں
کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر سہماں رہتے مڑوں اور ہر وہ بات یاد کرے
جس سے نرمی اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ (۲) ، کی یہ حدیث نقل کی ہے۔
روی ابو حنیفہ فی مسنده عن ابن عمرؓ قال من السنة ان تأتی قبر النبی صلی اللہ
علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجہک
ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وب کانتہ۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آ
رہی ہے کہ تم حضورؐ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ ہتھارہ پشت قبلہ کی طرف رکھ
اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سوا امام ابن ہمامؒ کا مذکور فتوے بلا اصل نہیں ہے۔ ۱۰ سے ایک جلیل القدر صحابیؒ کی سند

حاصل ہے۔

قبر مبارک پر عافری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے
اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عافری ہے۔ یہ اس
لیے ہے کہ روضہ افر پر عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں مابینہم تعلیم القرآن راہلپندی
کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

قد التبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں
اللہ وصل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

هذا والله تعالى اعلم وعلمه اتم۔

(مولانا) عبد الرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راہلپندی
الحجاب ایضاً
لاشی (مولانا) غلام الشرفاں

۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ

مہر دارالافتار

حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

آپ ہی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات
پیرانہ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے عقیدت نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے۔
حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں:-

① السلام علیک یا رسول اللہ ② السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔

③ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ④ السلام علیک یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیک یا سید ولد آدم ⑥ السلام علیک انما النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر امتی اپنے عقیدہ توحید و رسالت کا اقرار اور حضور کے احسانات کا بایں طرہ اعتراف کرے
اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے :-

یا رسول اللہ انی اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ — وانک عبدہ
رسولہ — واشہد انک یا رسول اللہ قد بلغت الی سالة وادیت الامانة
ونصحت الامة وکشفتم الغمة فجزاک اللہ عناخیرا جازاک اللہ عنا
افضل ما جازى نبیا عن امتہ -

اللہم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدًا الوسيلة والفضيلة والدرجة
العالية الرفیعة وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المثل
المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم

اس کے بعد اپنے لیے وقت کے پیرایہ میں اور پھلکے اشرفوں سے شفاعت کی درخواست
کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور
حاضر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبرئے کے مقام پر آپ کے سوا کوئی
نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض
کرنے کے لیے کہا تھا اور غالی جگہیں اس کا نام مع ولایت کے ذکر کرے۔
السلام علیک یا رسول اللہ من — بن —

گنبدِ خضریٰ کے سب مکیتوں پر سلام ہو

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کہتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ
پر بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گواہی دہندہ ہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو۔ لیکن بایں سبب

کہ حضورؐ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبدِ خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:-

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے اور ان کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے:-

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

و يبلغه سلام من اوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان ابن فلان
يستشفع بك الى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين

ترجمہ۔ اور زائرِ حضورؐ کو اس کا سلام پہنچاتے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضورؐ فلاں بیٹا فلاں کا سلام عرض کرتا ہے اور آپؐ شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے انبیاء۔ تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اور مل کے بعد الوفاۃ اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کا طین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں اور جو درست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قیل اسلام میں قطعی اور یقینی درجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:-

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے مستقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جو انہیں ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

ہمارے دور کے کرامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت مینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سرحدیں نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ و سلام سنے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہو گا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

ان تدعوہم لاسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمة یکفرون بشرکم لکم ولینبئکم مثل خبیرہ (پ ۲۲، فاطر ع ۲ آیت ۴۱) ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے مہتاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں مہتارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے مہتارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خیر تجھے بتلا رہی ہے۔

ومن اضلّ ممن یعدو من دون اللہ من لا یتجیب لہ الی یوم القیمة وہم عن دعاءہم غافلون (پ ۲۶، الاحقاف آیت ۴۴)

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

① — ان دونوں آیتوں میں کہیں پارس سے سننے کی نفی نہیں — دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کسے کہتے ہیں دُور سے بلانے کو — دُور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سننے — سو ان آیتوں سے حضور کی قبر مبارک پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہ سنے جانے کے معرض میں لانا اور ان کے اسے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل غلم کے دل اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو تہہ بوم تہہ بوم کر پڑھنا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امر دیگر ہے۔ ولایت باؤل قادوۃ کسرت فی الاسلام فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

⑦ ————— پھر ان تدویم سے براہ راست انبیاء و شہداء مراد لینا امد یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آتی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء امد شہداء کہ ٹھہرنا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا اس پر بھی کچھ غور فرمالیں۔

کیا تفسیر مدارک جلد ۴ ص ۱۴ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لہذا جمادات لا ارواح لہا کیا روح الحانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شوکانی کو لیجئے لکھنا جمادات تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص ۴۲۲ کیا آپ کے سامنے نہیں۔
مفسر حقانی نے لکھا ہے۔

اگر تم ان کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔

گرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لایسعود عاؤ کہ کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور اپنے روضہ پر عرض کئے گئے معلوۃ و سلام کو نہیں سنتے۔

② ————— پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ وہ انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا، کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطلك فبصرك اليوم حديدہ

(پ ۲۶ اق ع ۱)

ترجمہ۔ تو بے خبر رہا اس دن سے سوہم نے اٹھا دیا تیرا سرورہ۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ جو بھجاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے۔ سو یہاں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔

اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ موردِ موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے و مایشعرون ایتان یبعثون۔

وہم عن دعائکم غافلون سے کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ انہیں کوئی اس طرح دھیان نہیں اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالة ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شانِ علم ہے۔ کفار سنتے تو تھے دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ لقد کنت فی غفلۃ من ہذا۔

افسوس کراچی حضرات وہم عن دعائکم غافلون کا ترجمہ کرتے۔ اس آیت لقد کنت فی غفلۃ من ہذا کو کیر مبادل ملتے ہیں۔

یاد رکھیے آیات کے عمومات سے دعویٰ البطلان احادیث یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا نہیں رہا۔ سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج ان کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کراچی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کہہ سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام کہنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی سماعت

سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟

مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ عظم حضرت مولانا نصیر الدین غورخشتری اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں :-

میں اور مولانا غلام اللہ خاں عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر جگہ سے

مولانا عبدالرحمن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر عاضری دیتے تو درود و سلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے :

خواجه بسفرے روم چہ فرمائی
”آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے۔“ جواب ملا۔

بسلا مت روے و باز آئی

”سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں“

ایک سال صرف یہ جواب ملا ”بسلا مت روے“ پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے

بتایا کہ یہ آخری عاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود و سلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی۔

اور یہ سب سننا اور سننا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

مولانا عبد الرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ
(۷۶۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے
ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضۂ اطہر پر حضور اکرم کو
یار رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یا رسول اللہ استسق لاهلک فاتهمم ملکک

ترجمہ۔ یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔
پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے
حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون
کہتے ہیں اسلئے کہ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

انت عمر فاقراءہ السلام واخبرہ انہم مسقون

ترجمہ۔ آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش
سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ و سلام ہی نہیں کہتے تھے۔ کوئی اور عرضداشت
(بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ
پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۵۸۵ھ) نے
دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاذ یہ محمد بن قازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو

الباب الثانی و فیہ خمسۃ فصول

الفصل الاول

مسک خلفائے راشدین

شان و رود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت پیغمبر خاتم کی امدادیت شریفہ و رضہ منورہ کی حیات جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبر کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات البتہ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبر ہی کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیات البتہ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرت نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شان و رود دیکھئے :-

زول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلب منور پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان امکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمام وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی سے کیفیت بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلب مبارک پر نزہ مل فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرت پر جب اذاقت موت کا وعدہ الہیہ پڑا ہوا تو بعض صحابہ نے اس وود وفات کو

مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دُنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنا بریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:-

① — کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

② — ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر وُردِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

③ — انہیں وُردِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت وُردِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

④ — اس انکارِ موت کا منشاء و مبنی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الخس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صفت میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ مرکزِ صحیح نہیں، اگر غلبہٴ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں، پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب احوال ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلال یہ ہو کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ اُن کے حواس میں احتمالِ ہرگز نہ تھا۔ ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے خود

فرماتے ہیں :-

والله ان كنت اظن انه صلى الله عليه وسلم سيبقى في امته حتى يشهد علي

بأخراعمالها وانه هو الذي سملني علي ان قلت ما قلت .

رواه البيهقي وراجع له تنسيب . وكذلك جعلناكم امة وسطا .

اگر وہ سرے احتمال کو بلکہ دیکھے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضورؐ پر ورود موت بھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکار وفات کی وجہ وہ حضرت فاروق اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتے ہیں

ثانیاً حضرت فاروق اعظمؓ خود حافظ قرآن تھے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ افان مات او قتل وغيرهما من الايات ان سے معنی نہ تھیں۔ پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ تھا۔ ان کا علم و دہم بھی کچھ مستحب نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذت موت کا وعدہ الہیہ پورا ہوگا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

باید دانست کہ متعہ دلالت می کند بر آن کہ فاروقؓ می دانست کہ موت بر آن حضرت شدنی است۔ پس مخالف آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ اعتقاد نہ کردہ بود لیکن گمان می کرد کہ آنچه واقع شدہ است موت نیست، بلکہ تعطیل و برآں علیہ امت است۔

ترجمہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ ورود موت آنحضرتؐ پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ الخ کے خلاف ہو گز نہ تھا، لیکن وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ عورت پیش افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثار حیات روک لیے گئے ہیں، یعنی جو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر قیصر احتمال سامنے رکھئے کہ انہیں ورود موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرین قیاس

نہیں۔ ماحولِ عرب سے کچھ کم آشنانہ تھے۔ ہزاروں انسانوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ ان سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔ پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردہٴ قبر میں تشریف لے جاسکیں، صورتِ فاروقِ عظیم کی نگاہیں اس حیاتِ قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو ذریعہٴ پردہٴ سُورِ تھی و آخرِ محدثیت کا مقام کچھ کم متبع عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجودِ حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیشِ افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ بھی باقی ہے، بیشتر ازیں وہ آیتِ شریفہ **انک میت و انعمہ میتون** کے پیشِ نظر آپ پر قرآنِ موت کا قبضہ نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیشِ افتادہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کی وفاتِ الٰہی کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ پر ورودِ وفات کی پیشگی یوں یا امکان کا بیان تھا، ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرح صدر ہو گیا کہ ان آیاتِ شریفہ کا منشاء وفاتِ الٰہی کے متعلق کیا ہے فرماتے ہیں کہ

۱۰۔ ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا۔

”گو یا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں“

مقام غمد ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر اپنی معنوں میں ہوتا، جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ حافظ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے۔

کافی لواحاً ہا الایوم مئذ۔

ترجمہ گو یا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاحب ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا ورود کچھ ایسے طریق سے ہوا جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جبہ میت سے قرآن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو ٹمک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرآن موت سے تطبیق محال تھی، وہ ان قرآن کو غنٹی سمجھتے رہے کیونکہ ان کے ماضیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے جو عام طور پر معروف ہیں اور جس ہستی مقدس کو رازدار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، ورود وفات سے متصادم نہ جانا تھا۔ اس وجود حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا۔

فان محمداً اقدمت۔

ترجمہ حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرآن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورود وفات کے قابل ہو

گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

معنی قول اُد کافی لہذا سمعہا ایں سنت کہ استماع ایں آیت مائل گردانید اور را بہ
تبع قرآن و پیش ازیں میلان باں نہ داشت۔

ترجمہ۔ آپ کے اس ارشاد ”گویا کہ یہ آیت میں نے پہنچے سنی ہی نہ تھیں“ کا مطلب
یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرآن کی طرف متوجہ کر دیا کہ
یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریعہ کا مورد ہے، اور پیش تر ازیں آپ
کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات کو عام جذبات
محبت پر بحمل نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان
حضرات کرمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرآن سے اسے آیت
انک میت و انتھم میتون سے منطبق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ
مختلف تھی۔ ورنہ اول و ثلثہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آئے گی جس طرح عام دوسرے انسان پر
آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ
وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے عین حیات ہی آپ کی ایک
میدان قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار
کرنا ہو گا۔ جو حضرت عمرؓ نے بلا آخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح درود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت
قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا
ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

تنوع موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصات لوفاات سید الکائنات

① — آپ کو آخری غسل پہنچے پہننے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ گرتہ تک جبہ اطہر سے نہ اتارا گیا۔

② — نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ سلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

③ — اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدِ حکمِ شریعت میں ہے، اس کے خلاف فرمایا پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا اور کسی ایک صحابی نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

④ — پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیزِ مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنادیا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔

⑤ — اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو معرفت اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

⑥ — اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے ہمکونہ مجرورں کو تازییت اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ کے اطلاق سے اپنا نفع تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ درنوں حق حاصل تھے حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں :-
 ”ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا۔“

تنوع موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے :-

النوم اخو الموت

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

لہ جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱۸ ص ۱۸۳) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحفۃ الاسلام للشیخ الافرد ص ۲۳) وكذلك فی کتاب الروح ص ۵ والتعلیقات علی النیراس ص ۳۲۳

اگر انبیاء اور غیر انبیاء میں "تنوع نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنوع موت" کیسے
ثابت نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
ان علی تنامان ولا ینام قلبی ۛ

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :-
انا معاشر الانبیاء تنام اعینتنا ولا تنام قلوبنا ۛ

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

و كذلك الانبیاء تنام عیناھم ولا تنام قلوبھم ۛ

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں، دل نہیں سوتے۔

خاتم احمد ثنین مرانا السید اندر شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

عدم قنص الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء ۛ

ترجمہ: سونے سے وضو نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے

ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے، نیند کی طرح

ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں۔

روایا الانبیاء وحی (ترمذی) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا

فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں :-

کنا لا نوقظ بنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منامہ اذا قام حتی یتقیظ ۛ

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

ۛ رواہ الشیخان ۛ احمد بن محمد کافی الخصاص ۛ بخاری ۛ اعراف الشذی ۛ شیخ مسلم جلد ۱ ص ۴۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون
اُن کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی،
حضرت یوشع نے فرمایا:-

لا اذ قظہ۔^۱ میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں اُن پر کیا اسرار
منکشف ہو رہے ہوں کیوں نکلے لیے سبب حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی
ثم المدنی لکھتے ہیں:-

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت
کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی
طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی
ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی اُن پر زندہ کا
اطلاق آیا ہے۔^۲

۱۔ سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے یقلت کا

کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان عقائد کی روشنی میں غور فرمائیے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک
بھیڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے
کے لیے تنوعِ حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم
نہ آئے گا۔ علامہ راغبؒ فرماتے ہیں:-

الحیاء تستعمل علی اوجہ^۳۔ لفظ حیات، کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اعتقاد الصديق لحیات الریق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ مقامِ سخی میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :-

مامات رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

ترجمہ: آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :-

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذالک۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے ضمیر کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو آپؐ نے حضورؐ را نورؓ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی،

آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :-

بابی انت واقعی طبت حیاً ومیتاً والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ

الموتین ابداً۔

ترجمہ: میرے مال باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں

کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ

آپؐ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکمائے گا۔

اما الموتۃ القی کتب اللہ علیک فقد متہا۔

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے لکھی تھی وہ آپؐ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ

بات سُن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورتِ حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

فكشفت عن وجهه ثم اصب عليه فقبلة وبكى ثم قال بابي انت واتي والله

لا يجمع الله عليك موتين اما الموتة التي كتبت عليها فقد متها

ترجمہ: پس آپ نے حضور کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا،
اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ
پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ
آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر ہیں :-

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس شخصیت
سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا امواتِ محمد
کے لیے آتا ہے یا اس دعا و تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے بحث
کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتین کی تعیین

لا يجمع الله عليك موتين (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے)، اس کی
شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لیتا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیق حضرت عمرؓ کی تردید کے لیے تھا۔ کیونکہ اگر
اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے، تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی آئے گی اور اس
طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوں گی۔ اس کے نفی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے اس صورت

پروردِ وفات ثابت فرمایا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد لا یجمع علیک موتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں، حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرتؐ پر پھر کبھی ورودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورودِ موت ہو چکا ہے، تو اس پر یہ لزوم کیسے لایا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں آپؐ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتین، تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے ورودِ موت کا قائل ہوا اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس جملہ بلیغہ

۱۔ بخاری کے ماشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے۔ قالہ ابو بکر رد الما قالہ عمر (جلد ۱ ص ۱۶۶) لیکن جلد ۲ ص ۶۴ کے ماشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ مہتہد میں آگیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ تنہید لود مقاله عمر۔ (ماشیہ بخاری ص ۵۸) محدث سہارنپوریؒ کا اصل فیصلہ اسی جگہ ہے۔

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وهما من تتان المعروفتان
المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما من تتان الواقعتان
لكل احد غير الانبياء عليهم السلام فانهم لا يموتون فی قبورهم بل هم
احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون فی القبور ثم يحيون يوم القيمة
ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حياة وموتاً فلا بد من
ذوق الموتین لكل احد غير الانبياء علیہ

ترجمہ۔ دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے،
اور یہ دونوں موتیں تعلیمات اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ
ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔
انبیاء کو اپنی قبر میں پھر دوسری موت نہیں آتی، بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں
ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں درود موت ہوتا
ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے، اہل سنت والجماعہ کا مذہب
یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں
ہیں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمہ الحنفیہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب
کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته فی القبر لا يعقبها موت بل يستمر
حيًا ولا انبياء احياء فی قبورهم ولعل هذا هو الحكمة فی تعريف الموتین
حيث قال لا يذيق الله الموتین ای المعروفین المشهورین الواقعتین

جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اند بحیاتِ کائناتِ اقبیاء در عالم برزخ و
باین معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متبتعال پوشیدہ نیست و
این قول نمد ما احسن اقوال است۔

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں محکوم و نکیر کے سوالات کے
بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فنیہ کے مطابق ہے، وہ عالم
برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث
وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ معنی نہیں اور ارشادِ صمدی کا یہ معنی
ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح ہے۔

مراد آنست کہ نئی میر و مہوت دیگرہ در قبر بچو دیگران کہ زندہ گردانیدہ می شود
برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست کہ موت دیگرہ نیست بر دئے و بعد
از جریان سنت الہی بر اذقت موت و زندہ گردانیدن بعد اذال حیات باقی
و مستمر خواهد بود و ممات بر آن طاری نخواہد شد۔ پس ایں سخن اشارہ است
بحیات آن حضرت۔

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح
آپؓ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عالم لوگوں
کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ و دوسری موت
ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے
اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپؐ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر پھر کبھی طریان
موت نہ ہو گا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابو بکرؓ کا اشارہ مسک حیاتِ الہی کی طرف ہی تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ الاسلام
ذراحقؒ اور دوسرے اکابر محدثین نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات
عقل اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لایمجمع اللہ علیک موتین کا صحیح مفہوم
یہی ہے کہ موتِ ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، انبیاء پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت
شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربانِ اوفاتِ الہی کا اعلان بعد میں فرمایا
پہلے حیات بعد الوفات پر اشدہ فرمادیا تاکہ وقوعِ موت کی مراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی
لازم نہ کر لی جائے۔ مولانا احمد علی صاحبِ محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہلسنت
کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں:-

والا حسن ان یقال ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم لا یعقبھا موت بل یتم
حیا والانبیاء حیاء فی قبورہم۔

ترجمہ: بہترین جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ موت چھٹنے کے بعد حضورِ انورؐ کی حیات
ایسی ہے کہ پھروں پر بھی موت نہ آئے گی اور پھر دائمی طور پر انبیاء کی طرح اپنے
روضہ میں فائزِ الحیات رہیں گے۔

غور فرمائیے! حضرت ابو بکرؓ کی بصیرت اور فطرتِ نبوت کی مزارِ شناسی کہاں تک پرواز
کر رہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپ کے یہ حیات
بعد الوفات کا اثبات فرمایا جامعیت، شان اور بلاغتِ بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے
میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلامِ عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

وَرَدِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر
قربانِ جائے گے وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا، جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات
کی حیات کا اثبات نہیں فرمادیا۔

تنبیہ

پیش نظر ہے کہ "لا یذیقک اللہ الموتین ابدا" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے اہل محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی ترجیح قرار نہیں دیا، بلکہ اُسے پورے اہلسنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج من اہل السنۃ ہے۔

ومذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیۃ وموتاً فلا بد من ذوق الموتین لکل واحد غیر الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیاء کے کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ مدحیۃ فی القبر کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسک بہ من انکر الحیۃ فی القبر واجیب عن اہل السنۃ...

ان حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستقر حیاً
ترجمہ۔ حیۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطیہ صدیقیؒ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اِقْتَادِ الْقَارُوقِ الْاَعْظَمُ لِحَاثِ النَّبِيِّ الْخَاتَمِ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا۔ اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلے اس اصولی مسئلے کو پیش نظر رکھئے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝
(پ ۲۶: حجرات)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اور آپ کے سامنے
بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ
ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو۔ جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے
سے چپک کر یا تشریح کر بات کرتے ہو۔ آپ کے سامنے دینی آواز سے بات کرنا چاہیئے۔ مبادا بے ادبی
ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ فَلِلَّتْمَوِي ۝ (پ ۲۶: حجرات)

ترجمہ۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دینی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے
دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابر اہلسنت اور جمہور منسربین کا اجماع ہے کہ درودِ وفات کے بعد بھی حکمِ قرآنی روضہ طہر
کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا مقتضی ہے۔ مسجد نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے
علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھئے۔
 حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:-
 آنحضرتؐ حیات میں لہذا بیت آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حدود
 میں کتنی ہی بیت آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔
 قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-
 بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ زمی عرض کرے اور جس کا
 سلام کہتا ہو، عرض کرے۔ یا رسول اللہ من فلان بن فلان یتشفع بک الی ربک۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فخصبني رجل فنظرت
 الیه فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذهب فاتنی لہذین فجئتہ بہما فقال من
 انتما ومن این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد
 لا وجعتكما ثم فغان اصواتكما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ترجمہ۔ سائب بن یزید کہتے ہیں میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کندھی ماری
 کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”جاء اور ان دونوں شخصوں کو
 میرے پاس لے آؤ“ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے ان سے پوچھا
 ”تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہم اہل طائف میں
 سے ہیں“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں
 سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپؐ

روضہ منورہ سے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو“

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اظہر ہے۔ جس طرح آپ کی اس دینی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپ کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جسدِ عنبری سے زندہ ہیں۔ مددِ مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ ”اصل“ ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشاء نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً، علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان اکواب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالک الامام وغیرہ من الائمة الاعلام۔ ثالثاً، اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد کے لیے ہوگی، حکم نکیر براہِ راست اس اصناف سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظمؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں پس اس میں تاویل مذکور یقیناً، صرف عن الظاہر ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں، صرف عن الظاہر، درست نہیں ہوتا۔

رابعاً، حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اصناف ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربارِ رسالت نص قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر ضرور یہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معروضِ دلیل میں لائے بغیر ہی منشاء نکیر کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

خامساً، محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابلِ اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فخلہ عبد اللہ بن مسعودؓ) مگر واہ الدار می فی سفنہ، لیکن اسے قابلِ سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے

کسی نے نہیں کیا، ہاں آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابلِ سزا رہا ہے اور یہاں ایجاب کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کے اعتقاد میں حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرت فاروقؓ اعظمؓ حضورؐ اکرمؐ کے پاس دینی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدودِ مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابلِ سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مدرک الاموات سمجھتے تھے۔ پیش نظر ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے۔

مزید تائید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا ینبغی رفع الصوت علی بنی حیا ولا میتاً وروی عن عائشةؓ انها كانت تسمع صوت الوتد یوتدو والمسمار یشرب فی بعض الدور المطنبة بمسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فتسل الیهم لا تؤذوا رسول الله صلی الله علیه وسلم قالوا وما عمل علی بن ابی طالبؓ مصراعی داره الا بالمناصع توقیاً لذلك هکذا رواه الحسنی فی اخبار المدینة وهذا معایدل علی انهم كانوا یرون انه حی ۛ

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نجیبہؓ کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے، کسی منیخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دے اور حضرت علیؓ

لہ المناصع التی یحتل فیہا البول او قضاء الحاجة والواحد مصنع. غفر لہ شفاء السقام ص ۱۸۷

نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بڑائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو افیت نہ دے) ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپؐ کرتے، وہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی سب دوسروں کو یقین فرماتے تھے۔

اول کارے کہ عمرؓ ابتداء کر سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپؐ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:-

روا ندارم کہ از دارالہجرت خود و مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم بے

ترجمہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دارالہجرت کو چھوڑ جاؤں اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ حضور اکرمؐ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں حبید اطہر محض بے جس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی، تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

مافظ ابن کثیرؒ (۴/۴۷۷) کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

ان معاویۃ لما ودعه عثمان جین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان
یرحل معہ الی الشام فانہم قوم کثیرۃ طاعتہم للامراء فقال لا
اختار بجوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہؑ

ترجمہ حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع
کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں
وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں حضورؐ کے جوار
(ہمسائیگی) پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دوری کو قبر رسولؐ سے دوری نہیں کہا۔ خود ذات رسالتؐ دوری قرار دیا
ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔
یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے حضورؐ نے فتح مکہ کے
باوجود اپنے دارالہجرت کو نہیں چھوڑا حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے
اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دارالہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ کی یہ بتائی کہ میں
حضورؐ سے جُدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسولؐ میں نہ رہتے
اس سے پتہ چلا کہ جوار رسولؐ یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقان رسولؐ وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں
جہاں جمال جہاں آزار ہر وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہر وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت
عثمانؓ نے جوار رسولؐ سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہاں میں (عالم برزخ میں) آپ
بدن جوار رسولؐ میں ہیں۔ اگر جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبدِ خضرا سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آپ
بھی اپنے پیشروں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسولؐ میں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؑ کا اعتقاد

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :-

من زار قبر رسول الله كان في جوار رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: جو حضورؐ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انورؐ کی روح القدس آپ کے حیدر اطہر سے مفارقت ابد بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسولؐ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا :-

مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں۔

علماء کرام نے حضرت علیؑ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے :-

اذ هو حي في قبره يصلی فیہ ۛ

حضرت علیؑ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل علی ابن ابی طالب مصرامی دارہ الا بالمناصع قویا لذلك ۛ

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنائے

تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

عہ محل بالمدينة كان متبر من النساء ليلا قبل اتخاذ الكنف وهي ناحية بؤرابي ايوب. (زرقانی جلد ۸ ص ۴۸)

بہ غیب تقرب منہ ۛ وعظ امينع ۛ بخاري ۛ ۴، ۵ ۛ زرقانی جلد ۸ ص ۴۸ کے شمارہ مستقام ص ۴۸

علامہ ازیں عافہ عبد اللہ مصباح النظام میں حضرت علی المرتضیٰؑ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی
حضرت ائمہ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :-

یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا، ہم نے آپ سے سُن لیا اور جو کچھ آپ
نے خدا سے یاد کیا، ہم نے آپ سے یاد کر لیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں
یہ آیت شریفہ بھی ہے :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پ: ۵: التوبہ)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ
سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دُعا ئے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ
تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضہ منورہ سے آواز آئی :-

اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔

حضرت علیؑ کی یہی روایت علامہ البوحیان اندلسیؒ البحر المحیط جلد ۱ ص ۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ

قطر النوار میں (خلاصۃ النوار ص ۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص ۲۲۵ میں نقل فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ
کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا، ان کے اس عہدے کی تائید
کرتا ہے کہ :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت
حضور اکرمؐ کی مہمانگی میں ہے۔

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل
نہ ہوتا اور روایت میں کلام ہونا مفسر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جاء وک (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور ان کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاء وک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے رومہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔

وراجع له شرح المسلك المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامة الحفاجی المصری جلد ۳ ص ۲۹۸

والزیر قاف جلد ۸ ص ۲۹۹، ص ۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

فتہا نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

مع فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوکل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک و سنتک و یذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق انتہی قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع له تجدہ کافیا فی کل باب شافیا من کل ارباب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ لہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۰۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں ”جامدوں“ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جامدوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول
 لوجدوا الله قوابا رحیما کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکہ ہو آپ کا وجود
 باوجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی
 خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا، جب ہی تصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں:-
 حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مواہب میں بسند امام ابوالمنصور صباغ اور ابن النجد اور ابن عساکر اور ابن الجوزی
 نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے
 بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ
 نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا
 انفسهم جامدوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله قوابا
 رحیما میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب
 کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوں آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے
 ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے اور غرض زمانہ
 غیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نیکر منقول نہیں پس محبت ہو گیا۔
 فثبت ان حکم الآية باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلم
 ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی
 باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ ماقط ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۲ ص ۱۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

جميع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، اس حکایت را آورده
و استحضار نمودہ و بسیارے انائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت اس کردہ۔
ترجمہ چاروں مذاہبوں کے علماء نے، جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس
حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحکین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی
اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؑ سے منقول ہو، اختصار کے
باعث محمد بن حرب سے اُپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور ”اعتماد علی محمد بن حرب“ کے سبب اس
کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے
لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

تہذیب الفضل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکیؒ نقل فرماتے ہیں :-

روی عن عائشہؓ انہا كانت تسمع صوت الوتد یوقد والسمار یدضرب فی بعض الدور المظنۃ بمسجد رسول اللہؐ فتقرسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ

و كذلك فی شرح العلامة الزرقانی جلد ۸ ص ۳۴۳ مصر .

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھر میں سے جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے کسی میخ یا کیل لگانے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

عن عائشہؓ قال كنت ادخل بیۃ الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی واضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فر اللہ ما دخلت الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر وراہ احمدؑ

رجال اسناد احمد رجال صحیح (تتبیح الرواة جلد ۳ ص ۳۴۳ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

میں وہاں پر دے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔
 دیکھئے: حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس جس جہرے میں داخل ہوتی تھی، جس
 میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن میت مدفون تھا، بلکہ یوں فرما رہی ہیں:-
 ”جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے“

نبت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذات مدفون محض بے جس و
 بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو
 محکم طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے جس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط و روح اقدس کے لیے تو فقط ”رسول اللہ کے اطلاق
 کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق باریب صحیح ہے۔
 لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً
 نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ حضور اقدسؐ کو آپ کے روح اقدس میں زندہ یقین
 کہتی تھیں حضرت عائشہؓ کا سماع موتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا اہتمام ہے۔
 بلکہ روایت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پر دے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حیا
 اور پر دے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح
 قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پر دے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصود
 وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصود وجود ضائع
 نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عائد
 الناس سے پر دے میں کرنا ہوتا ہے، عائشہؓ الناس کو ذات مدفون سے پر دے میں لانا نہیں ہوتا۔
 اگر ایسا ہوتا تو ضمناً ہوتا ہے۔ پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر

والے اسے عادت نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چرکہ مقصود وجود ہی اور پہنے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی مدد اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے :-

اوضح دليل على حیات الميت وعلى انه ينبغي احتدام القبور عند زیارة
مهما امکن لا سيما الصالحون بان يكون فی غاية الحياء والتأدب بظاهره
باطنه۔

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام
جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صاحبین کی قبور کے سامنے بہت ادب
و حیا ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس کے
روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان
کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ والی مدینہ تھے تو ایک
دفعہ آنحضرتؐ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت
گھبرائے یہاں تک کہ :-

جاء سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب و عرف الناس انما قدم
جده عمر بن الخطاب۔

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا
حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضریٰ کے کلین مٹی کی دبیز ترے سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظراس دبیز ترے کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اور پختی روحانی اثر ان اثر نے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی عامل سہنے سے ادھر کی نگاہ اُدھر نہ جاسکے اور دنیا کی آنکھ احوال برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ ملے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کر لے۔ دسویں صدی کے مجدد و محدث شہیر طاعلی قاریؒ (۱۱۴۲ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں:-

ثم من اُداب الزیارة ما قالوا من انه یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لامن قبل براسه لاجله انقب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یكون متقابل بصره۔
ترجمہ: قبول کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے۔ کیونکہ اس طرح کرنا میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے عامل نہ ہو اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھادیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھادیں تو یہ مٹی کی عادت ہے۔

کہ جب یہ عامل ہوتا تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصل فقرہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائد کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہوگی اور دائرِ میت کو بالکل نیگا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بقیع کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔ یہ بات مافی جا سکتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبدِ خضریٰ کے مکینوں کے باہر مٹی کی دیوار تھ عامل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المؤمنینؓ نے روضہ اطہر پر عافری کے وقت پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضورؐ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضراتِ شیخینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

فہذا اوضح دليل على حياة الميت وعلى انه ينبغي احترام الميت عند زیارته
مهما امکن لاسيما الصالحون بان يكون في غاية الحياء والتادب بظاہرہ
وباطنہ۔

ترجمہ۔ اس میں حیاتِ میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارتِ قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے۔ جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا۔ ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیا۔ وہاں آئے۔

بتائیے یہ احترامِ میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے

یا زندہ — اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیاتِ میت کی روشنی دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاوية عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر ان الله كان اراد ان يخرج دخل المسجد فصلى ثم اتى قبر النبي فقال السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابا بكر، السلام عليك يا ابيه ثم ياخذ وجهه وكان اذا قدم من سفر فيعمل ذلك قبل ان يدخل منزله.

اخرجه عبد الرزاق ايضا بسند صحيح. (وفاء الوفاء للسهمی دی جلد ۲ ص ۴۲)
ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر دو منہ انور پر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہ، یا ابا بکرؓ، اور السلام علیک اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو محکم لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ و سلام عرض کرتے۔

عبدالرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدم سے آرد، اول بقبر شریف می رسید می گفت، السلام علیک یا رسول اللہ! وراجع له المؤطا للامام محمد ص ۳۹۶

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ملتا ہے :
السلام علیک یا رسول اللہ۔۔۔ وغیر ذلک۔

البتہ شرح شریعۃ الاسلام میں جو ترکی اخلاف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فہمی سرمایہ ہے۔ یوں بھی مرقوم ہے :-

يقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

عن نافع كان ابن عمر يسلم على القبر رأيت في اليوم مائة مرة واكثر
يحيي الى القبر فيقول السلام عليك ۞

ترجمہ حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پر سلام
عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد
بار بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہؐ پڑھتے دیکھا،

حضرت مروان بن رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغہ سلام کے لکھے ہیں :-
السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک
یا حبیب اللہ ۞

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پر حاضری دیں گے۔ حضرت
ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولا ردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ ۞
ترجمہ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی
اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی علیٰ جلد ۲ ص ۱۸۱ میں یہ حدیث بدیں الفاظ مروی ہے :-
واللی نفس ابی القاسم بیدہ لی نزلن عیسیٰ ابن مریم اماماً مقسطاً
حکماً عدلاً... ثم لمن قام علی قبری فقال یا حاتم لا حیتہ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی
اعلیٰ علیین والی۔ یہ آپؐ میں یا محمدؐ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت
کر رہے ہیں۔

روضہ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضور مدد مسجد کے قرب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرز ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضور روضہ مطہرہ پہ بھی خود نہیں سنتے تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موسومہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ و سلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔ علامہ شامیؒ کہتے ہیں :-

قد اختار جماعة من العلماء كليات في الصلوة. ومقتضى كلام ائمتنا
المنع من ذلك الا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على من اختاره الفقيه.

ترجمہ علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہیں۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے کہ ماسوائے ماثرہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موسومہ سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضور اپنے روضہ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود نہ سنتے ہوتے۔

تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر قیاساً تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا وجہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں معین فرد واحد کے خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔
فاہمہ وتفکر۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوما فوجد رجلاً واضعاً وجهه علی العبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابوالیوب الانصاریؒ فقال جئت رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم ات الحجر سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولید اهلہ ولكن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اهلہ ۛ

اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد جلد ۴ ص ۵۵۵ واقرب علیہ الذہبیؒ فقال صحيح ۛ ترجمہ۔ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضۂ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ اس نے اسے گردن سے پکڑ کر بٹھایا اور کہا ”جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟“ اس نے کہا، ہاں۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابوالیوب انصاریؒ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”میں رسول اللہ کے پاس آیا ہوں، پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

لم رواہ احمد ایضاً بستہ حسن قال حدثنا عبد الملك بن عمرو حدثنا كثير بن زيد عن داؤد بن الجراح صالح قال..... الخ قال المهيثي رواه احمد والطبراني في الكبير والاسطوخذيه كثير بن زيد وثقه جماعة وضعفه النسائي (كفاي كتاب الضعفاء والمتروكين للإمام النسائي) وغيره ورواه يحيى بن الحسين بن جعفر الحسيني في اخبار المدينة حدثني عمر بن خالد حدثنا ابونباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله قال السبكي وابونباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضير فانت احمد رواه عنه عبد الملك بن عمرو وهو ثقة عن كثير بن زيد وقد حكم السبكي بثبوته (كذا في وفاء الوفاء جلد ۴ ص ۴۴۳)

پر درودنا جب اس کے والی اُس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کی دین
کی ملایت غیر اہل ماعتوں میں آجائے۔

پیش نظر ہے کہ یہ مقام فقط انہی حضرات کا ہے، جنہیں انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے
نہیں، صاحب قبر سے معصوم بننا ہوں پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر
روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں اس حدیث میں کوئی دلیل
اور حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے، وہ قطعاً
ناجائز ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کا ملین کے لیے
کس طرح برزخی پردے اٹھے ہوئے تھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے
تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلہ نور کس پر شکوہ پڑے میں پورے فوجی کیمپ کو منور کر گیا
علامہ خرسنیؒ (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:-

ودفنه ليلاً فصد من قبره نور الى السماء وداى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع.

ترجمہ: مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا مگر آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور
وہ امر پر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائد قدسیہ، ام المؤمنینؓ
کے عملی فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر
مشترک یہ ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضہ اطہر میں فائزہ انبیاء ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوة وسلام
کو خود سنتے ہیں، احادیث خمسہ اور خلفائے ربیعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے:-

مذہبِ اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذہبِ اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضورؐ کی حیات بعد الوفا پر چاروں متفق ہیں کیوں کہ اہل السنۃ و الجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں مسئلہ حیاتِ النبیؐ میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرے پر طرہٴ فاسدہ کا نام ترتیب دے سکتا تھا لیکن مسئلہ حیاتِ النبیؐ کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بے بیعیوں اختلافات کے باوجود اس میں سب موافق ہیں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوا۔ دیکھو کہ یہ ۱۳۰۵ھ کا مفصل فتوے یہاں ہدیۃ قارئین ہے۔ غور فرمائیں کہ پنجاب کے مہتمم گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علیٰ قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک محروم شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں ضدادہ انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو۔

الفصل الثانی

مذہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ
روحہ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام
مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مسدود ہے،
کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالت حیات
میں تھا، سو ابو جعفر دب گیا۔

(و کذلک فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳ طبع مصر)

نقل عن الامام مالکؒ أنه کان یکره ان یقول رجل خارت قبر النبی قال
ابن رشد من اتبعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموقی وهو صلی اللہ
علیہ وسلم احياء اللہ تعالیٰ بعد موته حیاه تامه واستمرت تلك الحیوة
وهی مستمرة فی المستقبل وليس هذا خاصة به صلی اللہ علیہ وسلم
بل یشارکہ الانبیاء فهو حی بالحیاه الكاملة مع الاستغناء عن العظام
الحسی الدنیویؑ (و کذا فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳، ص ۴۲۴ مصر)

لہ نشر الطیب از حضرت مٹھانوی ص ۴۲۳ مطبعہ دیوبند لہ نور الایمان بزیاہ حبیب الرحمن ص ۱۳۰ مولانا عبدالحلیم فرنگی محل

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی (جلد ۵ ص ۲۷۵) امام ابو جہان اندلسی (سبحانہ جلد ۱ ص ۲۳۳)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی حجرہ و غیر ہم من الکبار نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شواہع

شواہع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیاتِ انبیاء کے عزائم پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ نے بھی اپنی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلکِ اہلسنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ جمیع اکابر شافعیہ بھی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیاتِ جسمانی ہے اور وہی جسد اطہر فائز انحیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قزولویؒ (شافعی المسلک) کا تفرّد اس میں تو ہے کہ وہ انبیاء کرام کے استقرارِ قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبرِ مشرعیہ سے اٹھنا لے جاتے ہیں اور طلاءِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجسادِ کریمہ سے ہرگز عید انہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیاء کرام کے یہ دُنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیاتِ جسمانی پر بہر صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا مدحیات فی القبر پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرّد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکیؒ الشافعیؒ طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں :-

عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نحس ويعلم ونعرض عليه اعمال

الامة ویبلغ الصلوة والسلام۔

ترجمہ ہم شافعیہ کے نزدیک حضورؐ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے
آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔
علامہ یوسف اردبیلی الشافعی کتاب الاقوال و الاعمال الاہلہ میں لکھتے ہیں۔
ویناطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان
الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويحجون كما ورد في

خاتلہ

خاتلہ میں سے حافظ ابن قیمؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضورؐ اپنے روضہ اطہر کے قریب عرض کئے گئے
صلوٰۃ و سلام کو خود ہوا واسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر۔ باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آ
چکی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
قال ابن عقیل من الخاتلہ هو صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ یصلی علیہ
ترجمہ خاتلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضورؐ انورؑ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حقیقۃ کرامت

① علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے
ولما هو مقدر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی ینشق متجمع بجمیع

لہ طبقات شافعیہ جلد ۲۲ ص ۲۸۲۔ کتاب الاقوال جلد ۲ ص ۱۵۵ مصرعہ الردۃ البہیۃ ص ۱۵۵
عہ مسالک اربعہ میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبہ تحقیقاً اور قبلہ باقی سب مسالک پر فائق و
مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی واور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے
ہو دین کم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

الملاذ والعبادات غيرانه اسجب عن ابحار القاصوين عن شريف المقلمات
ترجمہ محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق بھی
ملتا ہے اور عبادات سے آپؐ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان
نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

② مراقی الفلاح میں ہے۔

يفضي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم ان يكثر الصلوة عليه
فانه لسمعها ببلغ اليه

ترجمہ جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے
درد عرض کرے۔ کیونکہ آپؐ اُسے خود شن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپؐ
کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

③ طحاوی میں ہے۔

(فانه لسمعها) ای اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم (و ببلغ اليه)
ای يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيداً

ترجمہ آپؐ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا
رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو
اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے چلے جاتے
ہو کسی مقام پر اُسے نشانہ ضعف کیا جاتا۔ جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے۔ تو اس
یقین سے چادر نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضہ اطہر میں جماعتی طور پر

فانزال حیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

④ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته
..... وذلك انه عليه السلام في القبر الشريف المكرم على شفقه

الامين مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقب
الصلوة وعند القبر وبجته في خروج الدمع فانه من امارات القبول

وينبغي ان يتصدق بشيء على حيلان النبي ثم ينصرف متباكيا متحسرا
على الفراق المحزنة النبوية والقرب منها ثم يسئل النبي الشفاعة

فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة يا رسول الله الخ

ترجمہ: تم حضور اللہ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ

عرض کرو اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کر وٹ قبلہ

کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس

پھر کثرت سے دعا کرے اور اس کو آجانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت

کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے

پھر بدلتا ہو آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس

ہو پھر حضور اللہ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ

میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

⑤ علامہ ابن عابدین شامی :-

امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی

وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچنا ہے کیونکہ آنحضرت کو یہ حق قیادت اور قیام باہم اور العاصمہ کی بناء

پر پہنچتا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بعورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں۔ پس حقیقہ کے نزدیک ہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقہ نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقہ باقی ہے۔ یعنی حضور اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

اذا دنا في الدرامنتي انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الى الامام الاشعري
امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان
والمصرح في مكتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه
لان الانبياء عليهم السلام الصلوة والسلام احياء في قبورهم وقد اقام
الشك في علي افتراء ذلك ابو القاسم القشيري؟

ترجمہ۔ در منتقی میں ہے کہ حضور کی رسالت آپ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقہ باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہل سنت امام شافعی کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقہ باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تراپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع هنا لا تنقام الشرط وهو اعدام وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه
الحديث واما اعدام موت الوارث بناء على ان الانبياء احياء في قبورهم
كما ورد في الحديث. لہ

① علامہ عینیؒ

انفس لا يموتون في قبورهم بل هم احياء
ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔
④ امام ملا علی قاریؒ

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم
ترجمہ: بے شک انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ
سُن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔
المعتقد المعتمد انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره كسائر الانبياء في قبورهم
وهم احياء عند ربهم وان لا تدوا سمع تعلقا بالعالم العلوي والسفلي كما
كانوا في الحال الدنيوي

ترجمہ: عقیدہ میں پر پورا اعتماد ہے، وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں
اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم
علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا
میں بھی حاصل تھا۔

اکابر فرقہ اہل حدیث

اہلسنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ ان کے اکابر کی تصریحات
بھی دیکھئے۔

① قاضی شوکانی مینیؒ

روحہ صلى الله عليه وسلم لا تفارق قلوبا صح ان الانبياء احياء في قبورهم

یعنی شریعہ بخاری جلد ۲ ص ۲۹۰ مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۹۰ شرح اشعار علی القاری جلد ۲ ص ۴۲۰ مجمعۃ تذکرین ص ۳۸۰

ترجمہ حضور انورؐ کی روح مبارک اپنے حبیب اطہر سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہی فی قبرہ وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته۔

ترجمہ حضور اکرمؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔

① شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی۔

والذی یعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الإطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوة مستقرة ابلغ من حياة الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذا هو فضل منهم بلا ريب وانہ یجمع من یسلم علیہ۔

ترجمہ۔ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپؐ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپؐ اپنے روحانہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

② نواب صدیق حسن خاںؒ۔

حدیث ”من صلى على عند قبري سمعته“ (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اُسے

عہ آپؐ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید ہے جو اس طبقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں آپؐ متعلقہ غیر متعلقہ تھے۔

میں خود سنتا ہوں، کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اسنادہ جیدہ۔

حج الکرامۃ ص ۲۸۵ میں واقعہ ترہ نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں حجۃ شریف سے اذان اور اقامت سنتا تھا۔ مدفنہ اطہر سے اسرار آنے کی اس روایت کے متعلق ذاب صاحب لکھتے ہیں۔

ابن جوزیؒ بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا ہے کہ سعید نے ایسا فرمایا۔

④ حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں جھوٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

⑤ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب

اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت فیوض پہنچتے ہیں۔۔۔۔۔ اگر مردوں میں عمرنا احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا کیا کئی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کا دیا۔ اس کا وہی قائل نہ ہو گا جو نادان ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) شارح سنن ابی داؤد

ان الانبیاء فی قبورہم احياء ص ۲۸۵ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث مامن احد یسلم علی الارواح اللہ علی روحی کے تحت لکھتے ہیں۔

والقول الصحيح ان هذا من زاره ومن بعد عنه ببلغه الملائكة سلامہ۔

عہ و سیاقی تفصیلہ وراجع لہ ص ۲۸۵ من هذا الكتاب صہ الدلیل الطالب ص ۸۴۲ ۵ حج الکرامۃ ص ۲۸۵

۶ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۵ منیہ کہ تیسرے بار کی کتاب الدعوات جلد ۶ ص ۹۵ عن المعبر ص ۹

⑥ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے :-

انہم احياء في قبورهم يصلون وقد قال النبي من صلى علي عند قبوري سمعته ومن صلى علي نائياً بلغته۔
(التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۱۲۴)

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص ۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان ہے) منقول ہے اور مولف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

⑦ مولانا فضل الرحمن بری ٹوری

کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں قبر شریف میں۔ اور الہدیت کا یہی عقیدہ ہے۔

⑧ مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان

عالم برزخ میں خصوصیت نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود و سلام زائر کا سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ و سلام پہنچایا جاتا ہے یہ

⑨ مولانا شتار الدین امرتسری

آپ میت کی حیات فی القبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں :-
فرشتے میت کو سمجھاتے ہیں یعاد مردحہ بھی ہے۔

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت الہدیت میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب

سعودی عرب کے منبلی ملہا۔ جو گو متقدم ہیں مگر الہدیت حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا موقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے :-

اب علمائے نجد کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے نجد کا عقیدہ

- ① شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں ص ۱ پر استحقاق النبلاء المتعین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔
- ② علامہ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف من آل شیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے ص ۱ پر ملاحظہ کئے ہیں کہ مدآپ اپنی قبر میں زندہ ہیں برزخنی زندگی کے ساتھ۔
- ③ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رُتَبہ حضور انور کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے کمال و افضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔
- ④ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبد الحمید الخطیب فرماتے ہیں :۔
کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا حرام ہے ؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اصناف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط مطر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت اور نفع وہابی کے نام سے مشہور ہے مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اعلیٰ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔ اس قصیدہ مصمیمیہ کا پہلا شعر یہ ہے ۔

علیک سلام اللہ یا مستد الودی

ومن قدرہ عندالہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ”تحتیہ للحبیب“ علامہ مذکور نے روضۃ الطہر کے سامنے لکھڑے ہو کر خود پڑھا۔

لہ الہدیۃ النبیۃ والحقۃ الہامیۃ النجدیۃ ص ۱۰ مطبوعہ مہر دیا چہ رسالہ اسکی الرسالات ص ۱۰

عقائد مسلمین در حیات النبین

علم کلام کے مشہور امام علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں :-
 صلوات و تبرکات چندہا کہ فہم از او پر شود و اندیشہ در دگم گردد از سر پرودہ
 کبریا کے ادنیٰ شمار رواں پاک و کالبہ زندہ ساکن مدینہ
 پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 و ازاں جملہ اس سست کہ بدانند کہ کالبہ دے رازین نخور و بوسیدہ نشود
 و چوں زمین از دے شگافہ شود کالبہ دے بحال خود باشد و حشر دے و جملہ
 انبیاء جنیں باشند و حدیثی درست است کہ ان تقوم علی الارض اجساد
 الانبیاء — ہم احياء فی قیوم ہم یصلون — و اول ہم پیغمبر مابریخیزد
 از گور — دانستن اس ہمہ کہ یاد کریم ہمہ است ۔
 اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

① ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حی یموت و یعلم و تعرض علیہ اعمال
 الامۃ و اللہ تعالیٰ خلق ملتکة سیاحین یبلغون الیہ الصلوة من امتہ ۔
 ترجمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں
 برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے
 فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوة
 و سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

② عندہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ ۔
 اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابو منصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہلسنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاته۔

ترجمہ: امام ابو منصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب عقیدتیں متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔ خلفائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

(تمتہ الفصل) عقائد علمائے دیوبند اور الملہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے هجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو پسپا کیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف متزلزل و غیر متزلزل تھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودہویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آراء ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں کے ہوا۔ پھر ربلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۱۲۷۲ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ الملہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبیؐ پوری صراحت سے موجود ہے۔

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الوقعات

واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ نسخہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ منطالم کہ بلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرام اور اکثر تابعین کرام تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیسے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرہ هذا ارض بظاہر المدينة لها حجارة سود كثيرة۔

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن مسیب بڑے علیل القدر تابعی تھے، ان کے غلبہ شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سیکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا، جن کی آنکھیں آنحضرتؐ کی دولت دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام طبرانی، ابن سعد، ابوالنعمین، زبیر بن بکار اور علامہ ابن الجوزی روایت کرتے ہیں کہ

حضرت سعید بن المسیبؓ نے ارشاد فرمایا :-

اذا حانت الصلوة اسمع اذا نأ يخرج من قبل العترة الشريفة لا يأتي

وقت الصلوة الا وسعت الاذان من العترة ثم اقيمت الصلوة فتقدمت

فصليت وما في المسجد احد غیریؑ

ترجمہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا، پھر اقامت

مبھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا

اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخامیؒ نے بھی القل البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن

خال صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وقتیہ سماع سعید بن المسیبؓ ایام واقعة قرہ اذان از حجرہ شریفہ تاسہ روز

کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند

ترجمہ۔ آیام قرہ میں سعید بن المسیبؓ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے

کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری

میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورۃ بقرہ اذکر الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی۔ حتیٰ کہ اس

نے تمام سورۃ شتم کی۔ صحابہؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، تو

آپ نے فرمایا :-

هي المآفة المنجية و تنجية من عذاب القبر.

ترجمہ: یہ نورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے، حکیم الامت حضرت محققؒ نے بھی انکشاف میں یہ نقل فرمایا ہے۔ دانشور اعلم بالمراتب و علمہ اتم و احکم فی کل باب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ قرہ کو ”واقعہ حال“ کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے، اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات سے ایک اصول اہل ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي
وقراءة القرآن عند الترمذي.

ترجمہ: بے شک سے بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ قرہ) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نور الدین شہید محمود دین زنگیؒ (۱۱۵۷ھ)

سلطان نور الدین شہیدؒ (شاہ مصر) نے ایک رات سردار انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ”جلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو“ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آ رہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار رہتے ہوئے تھے،
روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سُرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ حبیب اطہر کو وہاں سے
منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابرو باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا
زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں
اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ
شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تاکہ حبیب اطہر تک پھر کسی رسائی
نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحی محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

اس قصہ را جمیع متوہ خاں مدینہ منورہ و مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین
فیردز آبادی و غیر ایشان از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح حمودہؒ۔

قلت و كذلك في خلاصة الوفاء باخبار دارالمصطفىؑ ۱۶۷ وافی الشیخ

السمهودی بالسناد والاعتقاد۔

تتمۃ الفصل

عجب طبری ریاض النضرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں :-

رواقص حلب کی جماعت دالی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطیا) بہت سی رشوت اور

لاپنج دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریفہ تک بار یا بی دے (تاکہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے احباب مطہرہ کو کسی اور جگہ مقتول کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے، گرنے کے آلات اور شمع لے کر ”باب السلام“ پر آگئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گرشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس سٹون کے قریب ہی تھی جو حضرت عثمانؓ کے ایندہ کردہ حنفی مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ والی مدینہ، جو بد مذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا اس نے ٹھہرے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنایا۔

امیر نے کہا، کیا تو دیکھتا ہے ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے ؟

میں نے کہا، امیر خود جا کر دیکھ لیں، ان کے دھنسنے کے آثار اور ان کے کپڑوں کے نشان

ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

ان دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کبیر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اٹھاڑ کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جاسکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ مدو حنة من دياض الجنة کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ یہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی۔ تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ قاری ص ۱۰ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے۔ ————— دراجع لہ کتاب الاستقصار للفاضل السہتانی القاضی۔

طبری نسبت اس حکایت بشقات سے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مہر خان
مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔

ارشادات نبوت، خلفائے راشدین کے نظریاتِ تہذیبیہ، ائمہ المؤمنینؑ اور صحابہ کرام کے بیانات
عالیہ، مذاہب اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرامؒ کے فیضیے اور شواہد واقعات کیے بعد دیگرے آپ نے
ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخِ اسلامی کے ان غنیمت اور وار میں حیاتِ انبیاء کا سلسلہ اس کثرت سے بیان
ہوتا رہا کہ ان تمام نقل کا استقصاء اور دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے۔ ہاں یہ حقیقت
لعن سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ سلسلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک
مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سب مٹو بھی
نجات دے کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ امت میں
سے کسی کا اس پر نیکر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیاء کرام کی حیاتِ بزرگ
کے جہانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہلسنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں
اجماع رہا ہے۔

شہاداتِ اجماع

① محدثِ کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذہ خاتمۃ الحفاظ ابن حجر عسقلانیؒ:-

نحن نوؤمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یزق فی قبرہ ان جسدہ
الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علی ہذہ۔

ترجمہ:- ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں
زندہ ہیں، آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی،
اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ۔

(۱)

ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتاً فلا بد من ذوق
الموتين لكل احد غير الانبياءؑ

ترجمہ۔ پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت
یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے
انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاد حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ۔

(۲)

امام (ای الانبياء) فحياتهم لا شك فيها وخلاف الاحد من العلماء في ذلك....
فوصلى الله عليه وسلم حتى على الدوامؐ

ترجمہ۔ انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے
اشتلاف ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

(۳)

حيات متفق عليه است يسبح كس رادروے خلافے نیست

ترجمہ۔ حضور انورؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں) کسی کا اختلاف نہیں۔

نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ۔

(۴)

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں“ یہ مسئلہ متفق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں

کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی جیسی ہے۔

لہ عینی علی البخاری جلد ۱ ص ۶۱۰ رسالہ مدنیہ ص ۱۴۱ شتہ المصاحف جلد ۱ ص ۶۱۱ مظاہر حق جلد ۱ ص ۴۲۵ عہ جن ایمان
امت نے آنحضرتؐ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے
جو اس دنیا میں تھا، یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم وہاں ثابت ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا
مفہم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں ”انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھنا سوں“ لہائف قاسمیہ ص ۳

① قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
قبر کے پاس انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے

جب جمع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر وضو اطہر کی

حیات جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

① شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :-

من انكرو الحیوة فی القبر وہم المعتزلة ومن غا نحوہم واجلب اهل السنة
عن ذلك

ترجمہ جن لوگوں نے حضرت کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے
ہم عقیدہ ہیں، اہلسنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

② حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں
سے نہیں ہیں۔

قد تمسك به من انكرو الحیوة فی القبر واجیب عن اهل السنة ان
حیوۃہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیاً

ترجمہ منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے
ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور
آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱۱ پر نقل اور تسلیم کیا ہے

ملہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۷ عینی علی البخاری جلد ۱ ص ۱۷۷ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۷۷ مصر

الفصل السابع

وفیه اربعۃ من المباحث

مبحث اول

حیات فی القبر

جمع اہل اللہ و اجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں دیا جہاں بدن منیت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو ”دخول روح در جسد“ سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق ”الصال روح بجمہد“ سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اُسے ”موت فی القبر“ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے، کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور خفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی ”حیات فی القبر“ روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ ”اعادۃ روح بجمہد“ کے ساتھ خواہ ”الصال روح بجمہد“ کے ساتھ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ امانت جتنی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادۂ روح کا قائل ہے اور دوسرا انصالِ روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کے حاصل ہے، براہِ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں، یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت کشناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”حیات فی القبر“ کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ روح کے قائل ہیں اور بعض انصالِ روح یا تاثیرِ روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادۂ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق انصالِ روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

آئیے! چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے، یا انصالِ روح۔

حضرت براہِ بن عاذبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

فتقاد روحه فی جسده فیاتہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک
الحديث رواه احمد بہ

ترجمہ پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور وہ فرشتے
اس کے سامنے آتے ہیں پس اُسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔
والحديث صحيح۔ (تتقيح الرواة جلد ۱ ص ۴۷)

ما فظ ابن قیّم فرماتے ہیں :-

سواء الامام احمد وابوداؤد وروی النسائی وابن ماجه اوله ورواه ابو عوانه
الاسفرائینی صحیحہ وذهب الی القول بموجب هذا الحديث جميع اهل
السنة والحديث من سائر الطوائف بہ

النص الصحيح الصريح وهو قوله صلى الله عليه وسلم " فتقاد روحه
فی جسده بہ

فالحديث صحيح لا شك فيه بہ

رواه احمد محتج بهم في الصحيح والحديث حسنة المنذرى ورواه ايضا
ابوداؤد والحاكم وابن ابی شيبه وابن منده وابونعيم وابوعوانه الاسفرائینی
فی صحیحہ من طرق صحیحة والبیہقی وقال هذا حديث صحيح لا سناد بہ
ابن منده کی پوری روایت ما فظ ابن قیّم نے کتاب الروح ص ۵۶ تادم نقل کی ہے۔ اس میں
یسی الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکے سے فرماتے ہیں :-

ودا روح عبدی الی الارض فانی وعدتمہ ان اودم فیہا بہ

ترجمہ میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹاؤ کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں
پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں عظیم یا سچیں سے تعلق قائم کر کے وہاں سے ہو کر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

هَذَا حَدِيثٌ ثَابِتٌ مَشْهُورٌ مُسْتَفِيزٌ صَحِيحُهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحَفَاطِ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ أُمَّةِ الْحَدِيثِ طَعَنَ فِيهِ بَلْ رَوَاهُ فِي كُتُبِهِمْ وَتَلَفَّوْهُ بِالْقَوْلِ وَجَعَلُوهُ أَصْلًا عَنْ أَصُولِ الدِّينِ ۝

ترجمہ۔ یہ حدیث ثابت ہے مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کے اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني

رد الاشتباہات فی تحقیق الروات

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد:-

قال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی واما حدیث البراء رواہ المنہال بن عمرو عن زاذان عن البراء وحدث مشہور رواہ عن المنہال الجعفی عن زاذان عن البراء عن عدی بن ثابت و محمد بن عقبہ و غیرہما و رواہ عن زاذان عطاء بن السائب قال وحدث اجمع رواة الاثر علی شہرۃ واستفاضة وقال الحافظ ابو عبد اللہ بن مندة هذا الحديث اسناده متصل

مشہور مرواہ جماعة عن البراء . (شرح حدیث المنزول للعلامة ابن قیم)
حافظ ابن قیم کا ایک اور حوالہ :-

وهو حديث صحيحه جماعة من الحفاظ

اجتماع جیون الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجمعیہ لابن القیمؒ
امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ "فتاد روحہ فی جسدہ" کے قطع روایت
میں منفرد ہے۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے :- "لیس بالقوی"

جو اباعرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام
عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث
ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو
ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواة میں ہے :-

وفي اسناد الحديث منہال بن عمرو وثقه ابن معین والعجلی وقد تكلم
ابن حزم في المنہال ولا يلفت لكلام بن حزم بعد احتجاج الشيخين به و
لما رآح ابن حزم حديث المنہال راد علی معتقده في انكر عذاب
الاجساد في قبرها طعن فيه و طعنہ مردود والحديث صحيح

ترجمہ :- اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معینؒ اور عجلیؒ
ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے
کیونکہ حدیث کے درجہ امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر
کے جہانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے
انہوں نے اس پر جرح کر دی، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مؤدبہ ہے

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

فالمہمال احد الثقات العدول قال ابن معین المہمال ثقہ وقال العجلی کوفی ثقہ واعظمہ ما قیل فیہ انہ سمع من بیئہ صوت عناء و ہذا لا یوجب القدح فی روایتہ و اطراح حدیثہ و تضعیف ابن حزم لہ لا شیء فانہ لم یدکر موجبا لتضعیفہ غیر تفرد بقولہ فتقاد روحہ فی جسدہ وقد بینا انہ لم یتفرد بہا بل رواہا غیری قدروی ما ہوا بلغ منہا۔

ترجمہ مہمال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ جو ان پر اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا مرتکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں ہو جب قدرے نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشع ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت برادر بن عازبؓ سے اس حدیث کو داذان نقل کر رہے ہیں اور اس کا سماع حضرت برادرؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو کلام ہے۔

جو اہل گزارش ہے کہ حافظ ابو عوانہ اسفرائینیؒ نے داذان کنندی کا حضرت برادرؓ سے صیغہ سماع نقل کیا ہے پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

هذه العلة باطلة فان ابا عوانة الاسفرائني رواه في صحيحه باسناده
قال عن ابن عمرو زاذان الكندي قال سمعت البراء

ترجمہ یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابو عوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی
سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔
تفرد زاذان کے متعلق فرماتے ہیں:-

فالحديث لا شك فيه صحيح وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غير
زاخان منهم عدي بن ثابت ومحمد بن عقبه ومجاهد

ترجمہ پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براءؓ سے اسے
زاخان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت
محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توشیح زاذان کے متعلق ملاحظہ ہو:-

امام یحییٰ بن معینؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیبؒ
اور عیسیٰؒ نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدیؒ اور حاکمؒ نے بھی توشیح کی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۳)
علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ (السراج المینر جلد ۱ ص ۵۱۳ مصر)
حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

وزاخان من الثقات روى عن اكااب الصحابة كعمرو وغيره وسوى
له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة قال حميد بن هلال
وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء

ترجمہ زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے
روایات لیں ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معینؒ

اسے ثقہ کہتے ہیں، حمید بن ہلال سے رازدان کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، ایسے ذمہ دار و داروگر کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب میں "اعادۂ روح" کے قائل ہیں، لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادۂ روح کے قائل نہیں، بلکہ انتقال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

ليس المراد بالحي ههنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما لم يدرك الالء واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا يكون حيا لا جمادا .

ترجمہ: اس جگہ سے "حی" سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الہم و لذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے مکمل جلتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کئے جاتے ہیں:-

① — میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلسنت والجماعت کا ہے۔

② — میت قبر میں جمادِ محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ دروافض کا مسلک ہے۔

③ — میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ”جو بعضہم تعذیب غیر الحی“ میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے اس پر حضرت مولانا سید لکھنویؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ اَلْمَوْلُذَاتُ کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہو گئی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سید لکھنویؒ حیاتِ میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس ”صورتِ عذابِ قبر کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آ رہی ہے۔ ہاں اس صورتِ حیات میں اعادہ روح لازم نہیں، چنانچہ ”بنا براس علی شرح العقائد“ میں ایسے جواب پر لکھا ہے۔

هٰذا جواب اشکال اوں وہ المعتزلہ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یدوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ

ترجمہ۔ یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، معتزلہ نے اس میت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا، وہ نہیں حکمیں گے وہاں کوئی اور موت، انکے لیے تو وہی موت ہے جو آپسکی

یہ صورت جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادہ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیثِ برابرینِ عادت کی رو سے
خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حجت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادہ روح
کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس عذابِ قبر کی روایات چونکہ حد تو اتہ تک پہنچ رہی تھیں،
اور ان کی رو سے میتِ مدفون کے لیے لذتِ دالم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں
اسے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب
باصرا بے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے میت میں مہر روح نہ کہنے کو، کیا تحقیقِ واقعی کے
طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک لازمی شکلِ جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسک وہی ہے جو محدثین
کا تھا، شرحِ نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندى فى هذا الجواب بحث و هو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة
بان الروح تعا فى الجسد عن السؤال فالجواب بانكار الاعادة غير مرجح
وقد اجاب المشائخ عن هذه الالية بوجوه ١٠

ترجمہ میرے نزدیک یہ جواب محلِ نظر ہے، اس لیے کہ احادیثِ صحیحہ پکار پکار کر کہہ
رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ پس اعادہ روح کا انکار کر کے
معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور
کئی جواب دیئے ہیں۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح ان البدن اذا
المسيئة للبدن بلاه روح قول قاله طائفة من الناس وانكرو الجمهور
مبتدع

و كذلك السؤال للروح بلا بدن قاله ابن مسيرة وابن حزم ولو كان كذلك
لم يكن للقبور بالروح اختصاص.

هذا قول منك عند عامة اهل السنة والجماعة.

واذا قبضت (الروح) عرج بها الى الله في احدى زمان ثم تقاد الى البدن
فتسأل وهي في البدن.

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں "حیات فی القبر"

کا حکمی ہونا رد افق کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ حق یہی
ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے ثبوت ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ
ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے، وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے۔
جب جملہ اموات کے لیے اعادہ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس دلیل کی بناء
پر مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں۔

وعود الروح الى البدن..... في سائر المراتي فضلا عن الشهداء فضلا

عن الانبياء وانما النظر في استمرارها في البدن.

ترجمہ۔ روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا۔ یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے شہداء اور

انبیاء پر تو بدرجہ اعلیٰ اس کا تحقق ہوگا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن
میں دائماً رہے گی یا پھر یہ قلعن ٹوٹے گا۔

۱۔ شرح حدیث النزول للمحقق ابن تیمیہؒ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

۵۔ اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال و جواب روح اور بدن کے مجہد سے متعلق ہیں علامہ صدر الدین
الحنفیؒ کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے۔

وكذلك عذاب القبر يكون لمنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتغيب
مفرده عن البدن ومثله به۔ (شرح عقيدة الطحاوی ص ۳۳)

احادیث شریفہ میں "حیات فی القبر" کے لیے اعادہ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے یابدن میں ادراک المہلذات کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة قدل علی عود الروح
الی المبدن دقت السؤال

ترجمہ۔ احادیث الصحیحہ متواترہ تمام ہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں
لٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعد حیات مرہرمت را چنانکہ در احادیث ورود یافته۔

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو
اختلاف نہیں اور مجملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادہ روح
کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں، عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی
مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر بطبعاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے لیے یہ مفارقت قطعاً
ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح
انبیاء کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر بطبعاتی قائم ہے۔ فافہم و تدبر۔

المبحث الرابع

اعادہ روح اور اتصال روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادہ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اسجدِ مطہرہ میں ارواحِ قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورتِ زیر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آ جاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصال روح کا موقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی دوائی ہے اور اس صورتِ کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنسری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتِ کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ کچھ بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبر پر تشریف میں زندہ رہنے اور عند القبر خود سننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا۔ اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قدسیہ کا مستقر قرار دے کہ اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں، اور منتقل ہو کہ ارواحِ قدسیہ کو وہاں مان کر ابدانِ مدقونہ سے ایک قوی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی تھا اور اتصال روح کا موقف علمائے کبار نے محض تطبیق بین الروایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار

کیا تھا۔ پہلی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبر ے سمعته و
من صلی علی ناساً بلغته فكیف التطبیق ؟ قلنا وجه التطبیق ان
مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابقه و نحو
ذلك كما مر و مقر اسرار کفار فی سبعین ومع ذلك لكل روح
منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرك كنهه الا الله تعالى وبذلك
الاتصال یصح ان یرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد
والروح مقعده من الجنة او النار و یحس اللذة والا لعروسیع
سلام الزائر له

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر
درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور دُور کا پڑھانچے پہنچا یا جاتا ہے (اور
یہ بھی سابقاً گذرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دو نول مضمونوں میں
تطبیق کیسے ہوگی ؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقررہ علیین یا ساترین آسمان
ہی میں ہے۔ اسی طرح ارجح کفار مقام سحجین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق
کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزلے جسد) سے بھی ضرور
ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہاں جس کے جسد
کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملہ
قبر و روح و جسد کے مجموعے سے ہوتے ہیں اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع
ہوتا ہے۔

پس جب اعادۂ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصالِ روح کا موقف من

حیث الاستدلال اجتہادی ہے۔ تا اگرچہ بہر صمدت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصال روح کا معرفت اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صمدت کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پرے بھی دنیا نے بار بار دیکھے ہیں ہم پہلے بہت ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جعفرت عذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودہویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدان مبارک کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:-

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا منہ نہ
برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نفیس تیرہ سو سال گزرنے
کے بعد بھی بالکل سالم تھے۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب
کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام
سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو
بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دینی نشان ہے۔
واللہ اعلم و علمہ اتعوا حکم۔

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُس کے ادراکات

① — جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستانِ اُمدِ اُمت تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھودی گئیں تو شہدائے اُمدِ اُمتی اصل حالت پر بالکل تروتازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُمد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

② — یہی قی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنتِ خزاعیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا :-

علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

③ — حضرت عمرو بن عبسہؓ نے بھی شہدائے اُمد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے اُن کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُمد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۶۴ سال کا فرق تھا۔

فرجہ الم یتغیرا کا نفع ما نأ بالامس وکان احدهما قد جرح فوضع یدہ

علی جرحہ فدفن وهو كذلك فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجہ

کما کانت بہ

ترجمہ پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ انہی کی ہی قوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

②—حضرت خدیجہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے اعظم میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریبان جنازوں میں شامل ہوئے۔ قاضی ثروکانیؒ لکھتے ہیں:-

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء ین ذقون وان
الحیاء فیہم متعلقۃ بالجسد۔

ترجمہ شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی، اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی محض من الافعال ہیں۔ پردہ برزخ اس ادراک لطیف میں حائل ہوتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

مسک ارجمند از اکابر دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علی

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبی کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسک دیوبند سے کیا مراد ہے :

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر اپنی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہور لہا بالحدیث سے ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرز امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فروعیات میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسک عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسک فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اچانک اوپر سے تاریک ہوا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اد اہل سنت میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیزی دستاویز تیار کر کے جہاز پہنچ گئے۔ تاکہ علمائے حرمین سے اس پر

دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جا سکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے ”موضوعات زیر بحث“ اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہلسنت پر جانچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار کی قلمبند کر دیئے۔ اور اس پر اپنی ہر ہر ہر ثابت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرمادیں اور فقط اعتقاد نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

رأيت الاجوبة كلها فوجدتها حقة صحيحة.

ترجمہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق و صریح پایا ہے۔

ان عقائد پر پھر مکہ منظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار و جن میں کہ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے) سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ ”المہند“ نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی۔

اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح، معین اور مشخص صورت میں سامنے آ گیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

دیوبندیت کے مقابلہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے، جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم انکار و آزار کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ سجاوہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس "مرکزی مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جزو تبلیغ تو حید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے عقل و خرد سے کھینے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے آنکھوں دیکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و ترجیحات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو "تعلیحات عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلک دیوبند کا مرکزی نقطہ "المہند علی المنقذ" ہے جسے وقت کے تمام اکابر دیوبند اجتماعاً آمینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائل حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے اختلافات ترجیحات اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقف عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپید اکنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دقاتر اس حقیقتِ حال کے پرزور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند انکارِ بشریعت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی تدرہ ہونے نہیں دیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

انکار و آزار کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا

نہ اسے اس پہلو سے کسی شے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسکب دیوبند سے
 ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسکب
 دیوبند کی مرکزی مسکلی دستاویز ”المہند علی المغند“ سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے مسکب دیوبند
 کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے، وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر ”المہند علی المغند“
 ہی ہے۔ مسکب دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی ”المہند“ سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ ہاں باعتبار کیفیت
 یعنی قوت و ضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسند حیات النبیؐ کا مدار اگر صرف ”آب حیات“ پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسکب
 دیوبند سے خروج نہ تھا۔ اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نالوتویؑ
 کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسکب عمل کے بانی تھے بلکہ حضرت نالوتویؑ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم
 دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہلسنت کی اعتقاد اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان
 اکابر سے کسی ایک مسند میں اختلاف یہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت
 سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی سمون سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی
 تھی کہ یہ مسکب دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نالوتویؑ یا حضرت گنگوہیؒ
 کی تقلید غنوی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت غنوی نہیں کہ مسند حیات النبیؐ میں مسکب
 دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں بلکہ ”المہند“ کی اجماعی مسکلی دستاویز پر ہے۔ پس اس سے
 اختلاف یقیناً مسکب دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے، ورنہ ان تمام اکابر کی
 تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے ”المہند“ کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی
 تجہیل ہوتی ہے، جو اسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسکب ٹھکر کے ترجمان کی صورت میں
 پیش کرتے رہے۔

مسند ذریعہ بحث میں مسکب دیوبند تو ”المہند“ سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم

اکابر دین کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرثومین

① — بحمد اللہ العالمین، مرکزہ دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم نانوتوی الصدیقی انار الشریعہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب ”ہدیۃ الشیعہ“ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں :-

رسول اللہؐ بلکہ تمام انبیاءؑ بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپ کی ہلک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو دار ثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم

عہ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایہ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اول الذکر حضرت نانوتویؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہیؒ کی مولانا نانوتویؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہیؒ کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آپ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے حضرت مولانا نانوتویؒ آپ حیات میں لکھتے ہیں :-

ارشاد حضرت مجتہد علم و عمل جامع کمالات عیانی و دینیہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب غلیظہ ارشد حضرت پیر و مرشد امام اللہ فیوضہ باعث تھریا صل رسالہ اعلیٰ ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔
(آب حیات ص ۵ مطبع مجتہانی)

ہدیۃ الشیعہ میں حیات البنی کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے نازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتویؒ کی اقتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے نفوذ پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کو اس سے بالکل لاعلم قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات البنی کے بیان پر حضرت نانوتویؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہیؒ تھے۔ فافہم و تدبر

کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور سہارے لائق وغیرہ جاری اشیاء کو برقیں اور اس سے ہماری ملک داخل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں نہیں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ جو البکر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بعقیدہ حیات ہیں، پیشیہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

پھر نالوتویٰ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں :-
انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔
اصل معنایں کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

۱۔ بدیۃ الشیخہ ۲۷۸ از حضرت نالوتویٰ ۲۔ لطائف قاسمیہ ۳۔ عہ اس معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویٰ اور علماء دیوبند جو اس شخص کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جبراطہ سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات جمیع الوجہ دنیاوی حیات ہے جب حضرت نالوتویٰ حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں دنگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علماء دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور متعلق دار من الدار کے قائل نہیں، انہیں حضور کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطہ ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے، واللہ ہدایہ، عہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویٰ حیات البنی کے معنوں کو محض الہامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے، خصوصاً کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات البنی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا، بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لیے بیان کیا تھا، رب العزت تعین کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

جانے منکوں کا کام یہی ہے

پھر لگتے ہیں۔

انبیاء کو ابدانِ دنیائے حباب سے زندہ سمجھیں گے، پر حسبِ ہدایت کل نفس ذلعة

الموت اور انک میت وانہم میتون، تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرورِ اہم

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔

حضرت نافذ قرنیؒ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا

اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

باجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استعار

حیات زیر پر وہ موت ہے اور یہاں القطارِ حیات، ہر چہ عرضِ موت ہے

اگر موت ضدِ حیات، اور صفتِ وجودی ہو یا بوجہ دیگر اگر موت، عدم اور ملکِ حیات

ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم کو بعدِ خطاب

کر کے ارشاد فرمایا: انک میت اور سر آپ کے اوروں کو بھی بعدِ ارشاد فرمایا،

انہم میتون اور مثل جملہ لاحقہ ثمر انکم یوم القیمة عند ربکم تختصمون

سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ انکم میتون، باجملہ جیسے حیاتِ نبویؐ

اور حیاتِ مومنین امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریرِ وافی

اور تحریرِ شافی کافی ادراکِ گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبویؐ اور

لے آبِ حیات سے لے لطائفِ قاسمیہ سے حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتِ ناک

ظہا پنچ ہے جو یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نافذ قرنیؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ پر ورودِ موت ہی نہیں ہوا

اور وہ حضورؐ کے لیے کسی قسم کی وفات کے قائل نہیں۔ یہ حضرت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ ثانیاً اس جہالت سے مکہ میں

حیات کا یہ پراپیگنڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفاتِ نبویؐ کی یہ مذکورہ آیات حضرت نافذ قرنیؒ کی یاد نہ تھیں یا بیان

حوادثِ الہی کے وقت مستحضر نہ تھیں اور سامنے نہ تھیں۔

موت مومنین میں بھی فرق ہے اور درجہ فرق بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہو۔ اس لیے کہ النوم اخو الموت۔ چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو ایک مسلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لہ تمت فی منامہا۔

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی۔ چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے۔ جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔ تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا۔ جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا، اُس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہوتا شدت استتار وضعف استتار ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا کلام اس سچیدان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

تبنا عینای ولا ینام قلبی او کما قال۔ (رواہ البخاری ومسلم بالغایۃ مختلفہ)
ترجمہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

لہ عزیزی شرح جامع صغیر جلد ۱۔ لہ فیمسک التی قضی علیہا الموتی ویرسل الاخری الی اجل مستی
(پ ۲۴، الزمر) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی، پھر انہیں ان کے متعلق رو کے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا۔ اور دوسری جانوں کو پھر نوادیتا ہے کچھ مدت تک کے لیے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے بنوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح خنک جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جن سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع دیا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن للشیخ العثماني منتہا) ہاں انبیاء کرام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔ واللہ اعلم لہ آب حیات ۲۱۹ ج ۱

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانو توئیؒ حضور پروردگار وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد تھے۔ آیت اَلَمْ يَتَّخِذْ لِنَفْسِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاَنَّهُمْ يَعْتَمِدُونَ اِلَيْهِ اَوْ تَهْلِكُ مِنْهُ لَمَنِ الْفَصْلُ وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی حقیقت یہی ہے، البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

② — فخرالحیثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

وَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّ نَوْمٌ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَاِلَیْہِ رُجُوْمٌ
اَلَا حِیَآءٌ مِنْہُمْ عَلَیْہِ

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت سب کے سب زندہ ہیں۔ اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا۔ پھر فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ صلی علیہ وسلم اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”آب حیات“ میں بحال مزید علیہ ثابت کیا ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:-

(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ

سید الکواکب الدرری جلد ۱ ص ۲۳۲ ۲۳۳ ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتہبائی عم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: تقریر انتقا میں بغی ان یکتب بماء الذہب (اور جز المسالک جلد ۲ ص ۴۸۲)

عم سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانو توئیؒ کے پورے حامی تھے۔

میرا کام کر دیسے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کہتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہانے بعد اسلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرفین کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم نوردہ مرقدہ نے حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ سے آنک متیت الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اوسچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیائے کرام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پران کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ انتہی کلامہ الشریف۔

عہ معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روضہ اطہر میں خد سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر کسے اجماع امت کا منکر ہے۔ عہ ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ اسألك الشفاعۃ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲ ص ۳۴ مصر) لہ حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اس پر کفایت ہے۔ لہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ جزاء اللہ الرحمن الخیر۔

③۔ رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (۱۲۳۹ھ)

”الہند علی المقصد“ میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-
 عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ
 الشریف وحیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتویۃ برئاختیۃ لکونہ فی عالم
 السبرناخ بل

اس پر حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :-

ہو معتقد ناو معتقد مشائخنا جمعاً لادیب فیہ

ترجمہ۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی
 شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ ص ۱۵۶ میں ہے :-

ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالمجد حسب ان
 جسد النبی کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ العلوب

ترجمہ۔ وفاتِ شریف کے بعد حضورؐ پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کہ
 گایا روح متصل بہ جسد پر اس کا سروض ہوگا؟ حضورؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے
 اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④۔ فخر المحدثین زبدۃ العارفين حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث بہار نیوری

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احياء
 فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت سجاہما کما لا فرق

علمائے دیر بند کی مرکزی مجلسی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے
برہنہا برس پہلے آپ نے مولانا عبد السمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی
تھی۔ یہ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا
خال میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ
نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے۔

اس بات کو خوب یاد کر لینا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
اپنی قبر میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور خبت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے
پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوة و سلام ملنے
پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ
دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں مگر یہ کہ
ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت
وہ نما اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدوں اعلام
حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو
ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم
برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے تھی اور اس
میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی مہدک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔
اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر سی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات النبی صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں
ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پہلے آپ ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے

فی حضوره و غیبتہ فی زمان حیاتہ و لہذا العلة لم یذهب الیہ احد
من الاممۃ۔

ترجمہ۔ یقیناً بنی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی
قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا
پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپؐ کی اس دنیا
کی زندگی میں آپؐ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار
سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں:-

ان الانبیاء فی قبورہم احياء۔

ترجمہ۔ یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رأس الاقتیاء حضرت مولانا غلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ
سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے:-

استاذ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا سوا جہہ شریفہ
کے قریب یا مقابل بھی آپؐ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ، مودبانہ، دبے
پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بکمال خشوع و سلام
عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت حیات ہیں۔
لہذا سب آواز سے سلام عرض کرنا چاہتے۔ مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی
پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:-

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حتى في قبره

الشریف وحیونہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف فثبت
بہذا ان حیونہ دنیویۃ لکنہما فی عالم البرزخ لہ

ترجمہ ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور آپؐ کی حیات (اس دُنیا دالے حیدر اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دُنیاوی
ہے، ہاں (بجميع الوجہ دُنیاوی نہیں)، اس میں آپؐ مکلف بالا احکام نہیں ہیں
آپؐ کی حیات اس طرح دُنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے بذنی ہے۔

⑤— شیخ الاتقیار زبدة الصلح حضرت مولانا الحاج الشاہ عبد الرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ العزیزہ مذکورۃ الصدر "المہند علی المنقذ" (جس کی عبارت در بارہ
حیات البتی اور پرہیزہ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

الذی کتب فی هذه الرسالة حق صحيح وثابت في الكتب بنص صريح و
هو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیہما اجمعین احیانا اللہ بہما و
واماتنا علیہما وانا العبد الضعیف عبد الرحیم عفی عنہ الرائی فورئہؒ
ترجمہ جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح
کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں
ہوں بندہ ضعیف عبد الرحیم عفی عنہ رائے پوریؒ۔

⑥— امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلامة ایشخ امام نور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔

لہ المہند ص ۱۳۱ اعزازیہ لہ ایضاً ص ۱۳۱ نتیجۃ الاسلام ص ۳۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ”انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں“ کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ) زندہ ہیں۔
پھر لکھتے ہیں:-

المواد بحديث "الانبياء احياء في قبورهم يصلون" انهم ابقوا على هذه الحالة ولو سلب عنهم فلا يرد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوة ورد السلام فكيف وجه في الحديث بقاء الحيوة بفعل الصلوة وكذا رد السلام برد الروح^۱ ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (فائز الحیات ہو کر) اشتغال باعمال طیبہ کی یہ کیفیت اُن سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادا کئے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضورؐ نے حیات النبیؐ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح نوٹنے (متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔
پھر ارشاد ہوتا ہے:-

قوله فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورهم يصلون سر د فی ذکر الحیوة افعالها لا اصلها اور ادمع الاجساد فان اجسادهم حرممت علی الارض^۲ ترجمہ: حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا تو ان کی یہ کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

④ — حکیم الامت، مجدد الملت، محی الستہ الخرار، قاضی البدعہ الظہار

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقعے ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المصاب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تہذیبی ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے بلکہ

بدا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے۔ دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں، نثار غائب لازم نہیں آتی۔

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت مفتا فاضل کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ فرماتے ہیں :-

① جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقتین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک مخصوص مع الروح جس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

② ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں :-
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

③ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود بہ طہیسی الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام علیہم السلام کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :-

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں

کھا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے :-

حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث وراثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں اموروں سے۔ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

③ حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں :-

غیب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں، مرنہ واقع میں

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے امواتِ مرمتین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے بلکہ ایک مرتبہ فرمایا کہ ۱۔

(۵)

ایک شخص نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے۔ بل احياء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کہ زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے ۲۔

(۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے۔ وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب اقرب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندگی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے ۳۔

④ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں :-

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

مدینہ طیبہ جانے والوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں :-

⑤ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک غلیظہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا
رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :-

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا :-

یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی خویہ مک یسلم علیک ویسئلك ان یدعوا

اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ومحشرہ معک :-

⑥ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :-

بس اب میں بیان کرو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارتِ قبر شریف کے برکات
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہو گا :-

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض

کیا۔ السلام علیک یا جدی۔ جواب مسوع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو

رجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے :-

فی حالة البعد روحی كنت ارسلمها تقبل الارض عتی وھی ناشلتی

فہدہ دولة الاشباح قد حضرت فامد یمینک کی تحفہ بہا شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا۔

انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا ہوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے :-

- ⑥ پھر فرماتے ہیں :- آپ نبضِ حدیثِ قبر میں زندہ ہیں بلکہ
 ⑦ مدینہ منورہ جانے والے..... یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ
 حضورؐ زندہ ہیں۔

مذکورہ بالا تحریرات و ارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا
 اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔
 ⑧ — رئیس المتکلمین، فاتمہ الحقین، محدث کبیر شیخ الاسلام

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون۔
 ترجمہ: انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔
 ان النبي حتى كما تقرر وانه يصلي في قبره باذان واقامة۔
 ترجمہ: بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں
 اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اما بعد وفاته فروجه المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت في الرفيق
 الا على مع ارواح الانبياء عليهم الصلوة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار
 حياته في قبره الشريف فان لروحه صلى الله عليه وسلم اشراقاً على البدن
 المبارك المطيب واشراقاً وتعلقاً به وبدنه في ضريحه غير مفقود و اذا
 سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث

لہ انکشف ص ۴۴۱ ۱ وخط التبلیغ ص ۲ جہادی الاولیٰ ص ۳۷۲ فتح الملہم جلد ۳ ص ۲۴۲ لہ ایضاً ص ۴۱۹
 معہ قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله على رد روحه كانت سابقة عقب دفنه لانها تعاد ثم
 تنزع ثم تعاد كما في الفتح ص ۳۳

لَمْ يَفَارِقِ الْمَلَأَ الْأَعْلَى وَمِنْ كَثْفِ دِرَاكِهِ وَغَلِظَتِ طَبَاعَةُ مِنْ هَذَا الْأَدْرَاكِ
فَلْيَنْظُرْ إِلَى الشَّمْسِ فِي عُلُوِّ مَحَلِّهَا

ترجمہ۔ وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے
ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں
زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن
پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر
کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا اور جب
بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو
آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے
ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملا اعلیٰ اعلیٰ علیٰ علیین سے
جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک
کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا پائے۔

⑨ — محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیاء، مفتی اعلیٰ ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

حضرت مفتی اعظم ”المہند“ جس میں سلسلہ حیات النبیؐ ایک مستقل سوال اور جواب کی
صورت میں مرقوم ہے، اس پر لکھتے ہیں:-

رَأَيْتُ الْأَجْرِبَةَ كَلِمًا فَوَجَدْتُهَا حَقَّةً صَرِيحَةً لَا يَحُومُ حَوْلَ سِدَادِ قَاتِمَاشِكُ
وَلَا رَيْبَ وَهُوَ مُعْتَقَدِي وَمُعْتَقِدُ مَشَائِخِي

۱۔ فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۲ ۲۔ المہند ص ۵۲ اعزازیہ

عہ جیسا کہ علامہ قزوینیؒ کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب

ترجمہ میں لے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق مرتبہ پایا ہے۔ کوئی شک
یادیں اس کے ارد گرد بھی گھوم نہیں سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ
بھی انہی عقائد پر تھے۔

⑩ — رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحداد

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہم

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی
زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ دیگر مومنین موت میں
برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کی حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احاد امت کو
ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد شبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعبد لوگوں

عمہ یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام ”المہند“ کی تصدیق میں لکھ دیئے تھے یا
یہ کہ دوسرے اکابر نے ”المہند“ پر صرف اعتماد و استحضار کر دیئے تھے، عبارات خود نہ دیکھی تھیں۔ دیکھئے
حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں۔ اب بھی
اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسکلی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انہوں نے جوابات خود ہرگز
نہ دیکھے تھے، تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن
عمہ اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں ورنہ متقدمین نجدیہ تراجم امت کے مخالف نہ تھے شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن
عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں :-

والذی نقصد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق
وانه حتى في حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التذليل
اذا هو افضل منهم بلا ريب وافه يسمع من يلزم عليه. (اتحاد النبوة ص ۴۵ مطبوعہ کا نجد)

کی زبان سے الفاظِ کرم یہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ دربارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام
 سنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمائیے
 کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی
 قدس سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتب تحریر فرمائی ہے۔ جو کہ مشہور
 بین العالم ہے۔ اس میں کس زور شور سے حیاتِ نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب
 اہل سنت و اجماعت اور فضائلِ نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے
 ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی
 تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں
 بہت طویل واقع ہو رہی ہیں اور متعہ در سالے اسی مضمون کے تفصیل و اجمالاً
 چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بحذفِ تظہیل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے
 "آبِ حیات" و "ہدایۃ الشیعہ" و "اجوبۃ اربعین" و "لطائفِ قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ"
 و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے جس
 میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بار بار جدال و نزاع کی نوبت
 آئی۔ اس مسئلہ میں آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز ہوتا ہے
 پھر لکھتے ہیں:-

عہ اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ النبیؐ کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت میں سے ہے جو اس کا
 قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیاتِ النبیؐ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مابین کوئی اختلاف
 نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ حیاتِ النبیؐ کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا بچا جاتا ہے۔
 لا رجوم المذنبین ص ۴۸ مطبوعہ مکتبۃ برقی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ دہلیتہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین اہل السنۃ و بینیم) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح و الجسم" کے منکشف ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبہ اربعین"، "حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس سرہ الغریزہ اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۵۲ھ۔ ۲۔ نقش حیات جلد ۱ ص ۱۵۲

عہ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقا، علاقہ "بین الروح و الجسم" کے منکشف ہست میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ عہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آنحضرت کے تعلق بین الروح و الجسم کا اقرار کر لیا جائے بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحت خاموش ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ اب حیات لکھنے کی غرض محض رد و انقض ہی نہیں بلکہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اہل مقصد و عقیدہ حیات النبی کا اثبات تھا۔

جہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیزہ آل حضرت کی شان مبارک
میں وہ بلند پایہ معنایں ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معلیٰ تک جلیل القدر علمائے
امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ رسالہ ”آب حیات“، ”قبلہ نما“
”تذکرۃ الناس“، ”ہدیۃ الشیعہ“، ”اجوبۃ اربعین“ و ”قاسم العلوم“، ”منظرہ عجیبہ“
وغیرہ لیے معنایں سے بھرے ہوئے ہیں۔

دس اکابر دیوبند قدس سرہ ہم کا بیان ختم ہوا۔ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

① — صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں :-

مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، اقباوے، مقالات اور
متواتر ذوق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ بزرخ میں آنحضرت کو حیات
دنوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام
دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر
مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے درجیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت
گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی کہ اس عالمِ بزرخ
کی حیات اسی حیدرِ اطہر میں ہے، جو اس دُنیا میں تھا، ہے۔ پھر آخرا الذکر دو بزرگوں
کے تلامیہ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امجدی، حضرت مولانا غلیل احمد

سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا عاقظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لیے دیوبندیت تو حیات النبیؐ کے بارے میں حیات دُنیوی (باعتبار ابدان دُنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

محمدہ و نصلی، احرار و احرار کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ”المہند“ وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بحسبہ عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وارڈ مٹان

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں:-
 در آب حیات، وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درمادر مٹا پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن و ذکر فرمایا کہ میرے بس

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے مالا نقول کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟
 حاصل یہ ہوا کہ سرورِ عالمؑ ہر آن مشاہدہٴ جمالِ الہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں
 ہیں اور امت کی طرف بھی آپؑ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں
 مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارفِ کامل
 حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا، تو
 اس نے سرورِ عالمؑ کو اس حال میں پایا :-

ورأيتہ مستقرًا علی حالة واحدة متوجهًا الی الخلق لا بسلباس
 العظيمة فاذا توجه الیہ انسان مجتهد همتہ ولا ارید الانسان
 العالی الهممة فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شیء ویتوجه الیہ بقصدہ
 وشوقہ فانہ یتدلی الیہ ورأيتہ صلی اللہ علیہ وسلم ینشرح
 انشراحًا عظیمًا لمن صلی اللہ علیہ وسلم ومدحہ .

ترجمہ میں نے سرورِ عالمؑ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؑ بندگانِ الہی کی طرف متوجہ تھے
 پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپؑ کے ذیبتن تھا جب کوئی خدا کا
 بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپؑ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالمؑ اس
 سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور
 آپؑ کی تعریف کی، تو آپؑ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے، یعنی حضرت
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب

عہ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث ”ما من احد یسلم علی الا ذاللہ علی روحی“
 پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمائے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت
 قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

”فیوض الحرمین“ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(مضمون حضرت علامہ القاری محمد طیب صاحب مابینامہ دارالعلوم دیوبند)

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ ————— ۱۹۵۲ء

②- زبدۃ الحرمین شمس العارفین شیخ المصباح حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ متلاہر العلوم سہارنپور

مکرم و محترم مدنیو شکم بعد سلام سنون

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنا، جو نہ تو منفی نہ مولوی۔
اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و
اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے، اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں۔ اسی کا نام شرع
موظا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف
کے کچھ لوگ تبری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو
اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ
مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں، وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے
ہیں۔ بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات
اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائے پوری
حضرت مصلوی قدس اللہ اسرارہم نے ہلکسی اجمال کے ”ہذا معتقد ناو
معتقد مشائخنا“ لکھا ہے کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے

عہ فیوض الحرمین ص ۱۳ پھر یہ بھی فرماتے ہیں۔ ما تو جمعت قبل قنبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا وریثہ
حاضرًا ظاہرًا اما بان الفتح بصورہ وحی فرأیتہ علی ما هو واما ان تأثرت نفسی منه تأثرًا

(فیوض الحرمین ص ۲۳ مطبوعہ دیوبند)

جو انھوں نے آپ نے مہمات کے متعلق لکھی ہیں، ان سے کوئی بڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟
 بالخصوص جن حضرات کی رائے ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریس بخاری
 شریف وغیرہ کتب حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات
 میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے
 حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ
 تدریس حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم
 و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے
 کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیث پاک میں کوئی مہمات
 والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ
 رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق
 ارشاد فرمایا کہ ”فانهم على علم وقفوا وبصيرنا فذكفوا وهم على كشف
 الامور كانوا اقوى وبفضل ما كانوا فيه اولي فمادونهم من مقصر
 وما فوقهم من محسرو وقد قصر قوم دونهم فجهلوا وطمع عنهم اقوام
 فخلوا وانهم بين ذلك لعلی هدى مستقيم“، حقیقت یہ ہے کہ اس دور
 فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلف صالحین کے
 خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی ”ان من
 وراءكم فتنايكث فيهما المال ويفتح فيهما القرآن حتى ياخذ به المؤمن و
 المنافق والرجل والمرأة والكبير والصغير والعبد والحرفيوشك قائل
 ان يقول ما للناس لا يتبعوني وقد قراءت القرآن ما هم بمتبعي حتى ابدع
 لهم غيره فاباكم ما ابدع الخ لئلا يهنا ناكاره لو حذو والنعل بالنعل ان حضرت

کا جامہ مقبوع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے، تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفترات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ بعینہ حیات کے درجات متفادات ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جمیہ کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح مہمات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے »الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا« وارد ہے، قرآن پاک میں »الله يتوفى الانفس حين موتها« الآیہ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا »لا تقولوا لمن يقتل فی سبیل الله« میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ یا اکابر دیوبند یا مہتد کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایان شان ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع مہمات کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ارشاد »ان رجلا من المنافقین یزعمون ان رسول الله صلی الله عليه وسلم توفی والله مامات ولكن ذهاب الحاربه كما ذهب موسى ابن عمران والله لیرجع رسول الله صلی الله عليه وسلم كما رجع موسى فلیقطعن ایدیك رجالا وارجلهم زعموا ان رسول الله صلی الله عليه وسلم مات« یہی ہی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت و كذلك جعلكم امة وسطا الآیہ کے متعلق فرماتے ہیں »والله ان كنت اظن انه صلی الله عليه وسلم سیدتی فی امتہ حتی یشہد علیہ باخرا عا الہما وانه

هو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت، لہذا شیخین کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ
 متنازعہ سے کہ فی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے
 تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں
 گے۔ اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من
 الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمع الوجہ سے ہے کہ
 نوع خاص من الحیات فی الجسد اطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجسادِ انبیاء
 کے بقا کے قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع
 کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ
 حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے ”اکثروا علی من الصلوۃ
 فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی“ اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔
 قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بیت“ اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں
 ان اللہ حرم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں،
 تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال ”کیف تعرض“ کا جواب کیسے
 بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابن سنان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری
 بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت
 قبرِ اطہر کا وہ حصہ جو جبہِ اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرشِ معلیٰ سے متصل
 ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس جبہِ اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق
 رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مومنے مبارک جو کبھی جبہِ اطہر پر
 پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابرِ دیوبند
 قدس اللہ سرہارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ ”المہندہ“
 میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح

ہو گیا۔ مختصر نمبر وار بھی عرض ہے لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں:-
صفحہ نمبر ۵۔

- ①۔ اچھا! انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔
- ②۔ یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ تر روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیات کا کیا مطلب؟
- ③۔ اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی؟ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: ”نحن توّمن وتصّدق بأنّہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ“
- ④۔ ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتداء ہے یا نہیں، بے محل ہے، علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں قال البیہقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃ أنّہ لیتہم بیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالك بن صعصعة فی قصة المعراج انه لیتہم فی جماعة من الانبیاء بالسّموات فکلہم وکلّوہ وکلّ ذلک صیحح لا ینخالف بعضهم بعضاً فقد یرى مرسى علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یرى ہوسى وغیرہ الی بیت المقدس کما اسرى بنینا فیراہم فیہ ثم یرج ہم الی السموات کما یرج بنینا فیراہم فیہا کما اخبر قال وحلّوہم فی اوقات مختلفة لمواضع مختلفة جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کلّ ذلک دلة علی حیوۃ ہم، یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرت

اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواقع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

⑤ — جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس اس کو سنتے ہیں۔ ”من صلی علی عند قبوی سمعته“ نص صریح ہے علامہ شیخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے ”سند جید“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟
① — یہ اُدب بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوۃ ہے۔

② — یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیوۃ کی ہے۔

③ — مجھے حضرت نازتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بہتہ میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رُپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد ”هذا معتقدنا ومعتقد مشائخنا“ واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیر الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہؒ نے حضرت گنگوہی رح قدس سرہ سے ”انک میت“ الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نازتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی اُدبج ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدہ جمال و جمال حق تعالیٰ شانہ و تعالیٰ

آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر
اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین
ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس
تحقیق سے نکتہ ان الله يحرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء بھی ظاہر ہو
جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔
(۴) معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد
ہے یقیناً مہذب میں جو ہے صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(۵) حضرت رائے الدی دہلوی دامت برکاتہم اربعہ بار بار ترابانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں
کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا
کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہوں کہ میں د
الى اذل العمول لكيلا يعلم من بعد علم شيئا من داخل سو گیا ہوں۔ اور بھی کس نفسی
کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کا نقل و شراہ ہے کہ میں ان حضرات اکابر کے
مقابلے میں کیا پزیر ہوں۔

نوٹ : علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو
دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے
اکابر کے خلاف ہوگی، تو خود کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقل سے اونچے ہیں۔ اردو
رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لا یدرک
الصبي مدارك العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ
جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

ذکر یا تعلم خود منظر اہر العلوم سہارنپور

۱۵ جولائی ۱۳۸۸ھ

③ — فخر المحدثین و الفقہاء اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا مظفر احمد صاحب عثمانی

دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یاسندھ

من ینکو حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ کان فؤادہ فارغاً من
حبہ و عقلہ خالیاً من لہ

ترجمہ جو شخص حضور اکرم کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا
دل حضور کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

④ — زبدۃ الفقہاء بدرالادبار حضرت مولانا احجاج محمد شفیع صاحب

دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد اکسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیاتِ انبیاء
علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہورِ اہلسنت و الجماعۃ
کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقبات
باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثارِ حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود
ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہٴ سعادت و نیا د آخرت
ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا
نکلی جمہورِ علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جبکہ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ سب سے اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متفقہ میں میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے: **وَلِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ بَعْدَ مَوْتِهِمْ شَوَاهِدٌ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ** اس میں تقریر ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور **شَفَاءُ السَّامِ** میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے :-

وقد ذكرنا من جماعته من العلماء وشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوة يستدعي جسدًا معها وكذلك الصفات المذكورة في الانبياء لئلا الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقة ان يكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ في المحجوب الكثيف وغير ذلك من الصفات الاجسام التي نتأهدها بل قد يكون لها حكم اخوفليس في العقل ما يمنع من اثبات الحياة الحقيقية بهم (شفاء السام من السبكي)

اس کے بعد شہدار کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فلم یبق الا انها حياة حقيقية الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول
 جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان .
 اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے
 نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہدار امت
 کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے
 اعلیٰ و اقدس ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی
 کے ہے جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند
 کا ہے۔

(۳، ۴) مسند مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی
 کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی
 مستقل مذہب نہیں، اتباع سلف و جمہور اہل سنت و الجماعت کے خلاف
 ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیق عفی عنہ دارالعلوم کراچی ۱

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

⑤ — محدث کبیر فقیہ شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

دامت برکاتہم منفق اعظم دارالعلوم دیوبند

الجواب :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں مجیدہ موجود ہیں اور حیات میں

آپ کے مزار مبارک پاس کھڑے ہو کہ جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہہ سکتیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق مجبکہ و روحہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔
 اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَحْيَاءَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (الحديث) وعن
 ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی من بعدہ اعلتہ رواہ ابی الشیخ وسندہ جید۔ (القول البدیع)
 عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء صلوۃ اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون رواہ ابن عدی والبیہقی وغیرہا۔

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت اس حدیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں مجبکہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳/۵/۵۶ھ

۵۶۳ الف: انجواب۔

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کزان کے اجسام مظہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

ان کا شریک وہیم نہیں ہے۔ اُن کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں :-

قال الشيخ الكبير ابو عبد الله القرشي سافرت الى الشام فلما وصلت الى قريـ
ضريح الخليل عليه وعلى نبينا افضل الصلوة والسلام تلقاني فقلت يا
رسول اجعلني ضيافتى عندك الدعاء لاهل مصر فدعا لهم ففرح الله
عنهم فقال يا فتى نقوله تلقاني الخليل قوله حق لا ينكره الا جاهل بمقتـ
ما يرد عليهم من الاحوال التي يشاهدون فيها ملكوت السموات والارض
وينظرون الانبياء احياء ردت اليهم امر واحمد بعد ما قبضوا واذن
لهم في الخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي
ويمثل صورته الكريمة السهمية صلى الله عليه واله وسلم كانه قائم في
لحده عالم به يسمع كلامه قال صلى الله عليه وسلم من صلى على عند
قبري سمعته

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداء امی وابی اپنے
مزار مبارک میں اپنے جہدِ اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت و الجماعت
کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوة و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے
زید کا خیال صحیح نہیں ہے۔ بکہ کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہل سنت و الجماعت
کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ ہوا میں لدنہ، شرح زندقانی،
انباء الاذکیاء، انصاف الکبریٰ، شرح اللباب، شفاء السقام وغیرہ ذلک
من الکتب

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۵/۵/۲۵ھ

② — راس الاختیار استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حفرة مولانا نصیر الدین غورغشتی

دامت برکاتہم، خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی والی بھجڑوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام اولاد آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت اور انک میت وانهم میتون۔ کل من علیہا فان اعلان خداوندی سے تمام نبی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میرا ایک نوب حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ”قدمونی۔ قدمونی“ مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے ”کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔“ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ”احیاء“، ”حیات میت“ کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سرور انبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسبہ اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسبہ اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

درود شریف جہرا سلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔ میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت و الجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

④۔ بقیۃ السلف، حجة الخلف، مجاہد کیر شیخ اتغیہ حفرة مولانا احمد علی صاحب لاہوری مدبر کاہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنقریب سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت و الجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحب بعیرت اس عقیدہ حیات النبی کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی

باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ان کے نزدیک تو حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روداد
اطہر کی حیات بدیہیات میں ہے۔

استغفر اللہ امام احمد علی عفی عنہ

⑧ — راس التقیار اسوۃ الصالحین شیخ اشرف حقیر مولانا عبدالقادر راسپوری دامت برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ دگ بے کار وقت ضائع
کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کا ندھلوی)

⑨ — دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم

اجواب :

مترجم صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احياء فی قبورہم۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جہود
علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو تعبہا
نور اور دریا چھلے جنت میں۔ حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری
جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے
ہیں ”حیات انبیاء متفق علیہ است۔ بیچ کس رادہ خلاف فی نیست۔ حیات جسمانی
دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست“ اور حضرت
محدث گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے سماں میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی

کہہ سکتے ہیں کیونکہ بالاتفاق سُننے ہیں۔ اس استثناع اور طلب دعا جناب
بادی تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیاتِ انبیاء فی القبر کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع
کا انکار ہے اور سخت بدعتِ اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے غلطی
کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالتِ محضہ واجبِ الاعتناء ہے اور اگر احادیثِ کثیرہ
اور اجماعِ امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے
توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۷ جون ۱۹۵۹ء

حیاتِ انبیاء کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرتؐ پر ورودِ موت کے قائل نہیں۔ اس کے
اذالہ اور حیاتِ بعد الوفات کے اثبات و استمرار پر یہ دسوال بیان لیجئے۔

⑩ — سلطان المناظرین عُمدة المحققین بقیۃ السلف حجة الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

پٹی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک حبِ طہر
سے جدا نہیں ہوئی، کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر
ممنون فرمائیں۔

تحقیق : یہ غلط خیال ہے اور نصوصِ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال
کرنے والوں کو مسئلہ حیاتِ انبیاء کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر ”موت“ کا نفس ورود ایک ناقابلِ انکار بلکہ ناقابلِ شک و شبہ حقیقت ہے۔ قرآن مجید

۵۸ء کی تحریر ہے جب ملکِ قسیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

میں مات نقطوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انک میت وانهم متقون (زمر ۴) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دو چار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں، ازاں جملہ حضرات کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ ان اللہ سکرات (اللہ تعالیٰ کے سرا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ حتی قبض ومالت یدہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ”آپ رفیق اعلیٰ ہیں“ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آگیا۔

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں:-
 قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغسلوا فی
 دفنہ فقال ابو بکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم یقول ما قبض اللہ بنیٰ الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن
 فیہ۔ اذ فوہ فی موضع فراشہ للترمذی۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت محدثین اکثر نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ممتی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہیے

ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیئے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا و اکبر لہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لا کرب علی ابیک بعد الیوم، اذ قد حضر من ابیک خاليس الله تبارک و تعالیٰ۔ الحدیث (میں آج کے بعد تمہارا باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں ہے)۔

اور وفات نبویؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبویؐ کی خبر پہنچی تو آپؐ سیدہ خدیجہؓ کے پاس آئے۔ پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا۔

بابی انت و اُمّی لا یجمع اللہ علیک موتین اما الموتۃ الّتی کتبت علیک فقد متہا۔

ترجمہ۔ آپ پر میرے ماں باپ خدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرتؓ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپؓ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپؓ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپؓ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ”ایسا نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپؓ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپؓ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی“۔

ایک دوسرے مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں۔ پہلی دفعہ اس دنیا میں اُن پر موت وارد ہوتی ہے، پھر قبر میں بحیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپؐ پر وارد ہو گئی، اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپؐ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح اُن پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبویؐ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے واللہ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :-

مَنْ كَانَ يُعْبِدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا أَقْدَمَاتٍ وَمَنْ كَانَ يُعْبِدُ اللَّهَ
فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَقَالَ «فَأَنْتَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ» وَقَالَ
تَعَالَى «وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ
فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ»

ترجمہ :- جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبویؐ کے ثبوت میں) آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپؐ کو بھی (اے رسولؐ!) موت آنی ہے اور آپؐ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بس رسول ہی تو ہیں دو کوئی حجت و قیوم خدا تو ہیں نہیں، تو کیا
اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں گمراہی کی
طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی
نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر
بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے مہرے مجمع میں دیا۔ اور کسی
نے اس کے کسی چیز پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ”ابو بکرؓ کے اس بصیرت
افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔“
گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قانونِ کل
نفس ذائقۃ الموت کے ماتحت موت جاری ہوئی (اور دو موت، نفوس قرآن و حدیث سے
ثابت ہے۔ اور دوسری طرف گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔ لہذا سوال میں کسی کا جو ”خیال“
ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں ”حیات النبی“
کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ”علماء کرام“ جو ”حیات النبی“
کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں
ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدسؐ کو حیات بخش دی گئی
ہے۔ غالباً متقدمین میں امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل

۱۔ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:-

من صلی علی عند قبوری معتمد من علی نائیا ابلغتہ۔

ترجمہ: کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف
پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو درود سے درود شریف پڑھے گا وہ

رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس سند کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

ان الانبياء بعد ما قبضوا ودت اليهم ارواحهم فجمعهم احياء عند ربهم كالشهداء۔ (ذوقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں ٹوٹا دی گئیں ہیں وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

طاعی القاریؒ کی اپنی کتاب الدرة المصیة فی زیارة امیر المومنینؑ میں فرماتے ہیں۔

ومن اعظم فوائد الزيارة ان الزائر اذا صلى وسلم عليه عند قبره سمعه سماعاً حقيقياً ورد عليه من غير واسطة بخلاف من يصلي او يسلم عليه من بعيد فان ذلك لا يبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جيد من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته۔

ترجمہ۔ زیارتہ قبراقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس مسلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا فرماتے ہیں بجز اس شخص کے جو دور سے درود و سلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے جو اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (از تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

طاعی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند بخیر کہل ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود رضا اللہ عنہ

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک علیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ”شفار السقام“ میں ”حیات ابیدہ“ پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ”قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانہم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اتی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا)۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ ان محمدًا قدمات (یعنی حضور اقدسؐ وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا نقطہ بولا جاسکتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں:-

یقال انه موت غیر مستمر وانہ احی بعد الموت۔ (شفار السقام ص ۱۴۲)
ترجمہ جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضورؐ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمادی۔

بہر حال حیات اتینیا۔ کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ”موت“ قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح و سالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے
هذا الجواب ویؤب اللہ علی من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سندِ جدید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبد الرحمن کیمپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی:-
”میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

ہر جگہ ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔ (اد تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادتیں ہیں جو بقیہ حیات ہیں۔ وکفی بہم شرفاً وفضلاً۔ ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور کے سماع حقیقی کی تشریح کی گئی ہے۔ وہو الحق والحق احق ان یتبع۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی (دواں بچہراں) ندوۃ المرقدہ نے سلازالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے بیٹھ کر سنیں اور قریباً۔ مسک دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر سیر کرنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسک برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور محمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلازالی کے مناظرہ کے لیے چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملاقات نہ کروں۔ وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریریں سنیں اور حضرت سے میری ملاقات۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی کا اقرار نہ کرتے اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشفاقہ التوحید والستہ کے سرپرست بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان میں بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک بے عقیدے کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم و دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فرودش از کجاست

صورة مآکبہ اکابر العلماء و جمابذة الفضلاء من تولى لدس الافتاء فى عقيدة حياة الانبياء

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد منسوی کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو روڈ پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور مسکین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاء انبیاء پر آب حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المہند علی المفند بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یمدح السبیل۔

○ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ○ عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خشک

○ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ ○ شمس الحق اعفانی عفا اللہ عنہ

○ محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ ○ (منفی) محمد حسن عفا اللہ عنہ

○ خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ ○ (منفی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور

○ عبد القدیر عفا اللہ عنہ ○ محمد عبداللہ درخشاں عفا اللہ عنہ (خانپور)

پنجاب کی رُبِ صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جاسکا۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اٹھ نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سربرمبھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں۔ مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاقی ہیں اور کچھ مماتی۔ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کوئی آثارِ قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جاسکے اور حقیقت حال معلوم نہ کی جاسکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصیبت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

خود کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الذیج الثانی ۱۲۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسک پر حجم نہیں لکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے تجبٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آزاد رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظہیر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ کے تحت ۱۳۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات البنی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگئی ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو طرے سے لڑھکیں۔ آپ غموس کریں گے کہ یہ فتوے مقام حیات کا ہی ایک دوسرے مختصر پیرایہ ہے، ماتنا اللہ علیٰ هذه العقيدة اصلاً و خرواً مولف عفا اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۸۲

ج

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

① — کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل سنت و اجماعت کا عقیدہ ہے کہ سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں دنیا کی سب سے زیادہ زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

اجواب ۹۲

حامداً و مصلياً

تہیہ — سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر یہ کہہ کر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً ۱۔ آب حیات ۲۔ جمال قاسمی ۳۔ نشر الطیب ۴۔ الشہاب الثاقب ۵۔ المصالح العقلیہ ۶۔ فیض الباری ۷۔ المہند علی المفید ۸۔ تبکین الصدور ۹۔ متفقہ اعلان ۱۰۔ مقام حیات وغیر ذلک — پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرمادیئے — عبارت مجوزہ یہ ہے —

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلاۃ و سلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فی اللجب و یا حسرتاہ۔

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشنّت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت منیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالحی اللہ المشتکی۔

خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
اس مہتد کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں :-

① — جی ہاں —

تمام اہل سنت و الجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوۃ نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حقیقی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت، کتاب و سنت اور اجماع امت سے

ثابت ہے۔ چنانچہ اولۃ ثلثہ پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ، دلالت اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء شکل بھی ہے اور موجب طول بھی۔ اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

① واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اُجعلنا من دون الرحمن الهمة
يعبدون۔ (پ کا الزخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
يستدل به على حيات الانبياء۔

② ولقد اتينا موسى المكتب فلا تكن في مريه من لقائنه۔ (پ الم عبده)

ترجمہ: اور دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے لئے میں شک میں نہ رہنا۔
حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:-
معراج کی وٹ میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہذا اقتضاء النفس سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسلکہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضاء النفس سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت الفردانیت و استدلال میں عبارتۃ النفس کے مثل ہوتا ہے۔

③ ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن تشعون۔

(پ البقرہ آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

④ بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله (پہلے آل عمران آیت ۱۶۹)
ان دونوں آیتوں کے بارے میں ماقظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا:-

واذا ثبتت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون
الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء.

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار
سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام
تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمائیے: ماقظ الدینا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالت النض یعنی
درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

⑤ فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل
منساقته. (پہلے اسبار)

اس آیت سے بھی دلالت النض سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے
کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین حصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھالینا اس سے
کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکڑا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

① حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-
الانبياء احياء في قبورهم يصلون.

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے روایت کی توثیق کرتے ہیں اور

اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں — یہ روایت بدون سند
الخصائص الکبریٰ میں اور سند ابویعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباریؒ
اور فتح الملہم میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اہل الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

وصححه الیہتیؒ امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ووافقه المحافظ فی المجلد السادسؒ

امام بیہقی کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیںؒ

علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ :-

رجال ابی یعلیٰ ثقاتؒ ابویعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں :-

وہو حدیث صحیحؒ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ قاریؒ لکھتے ہیں :-

یصح خبر الایضاحیاء فی قبورہمؒ الاشیاء اجماع فی قبورہم کی حدیث صحیح ہے۔

علامہ الروف مناویؒ لکھتے ہیں :-

ہذا حدیث صحیحؒ یہ حدیث صحیح ہے۔

الخصائص الکبریٰ ص ۲۸۱ ۲۵۲ فتح الباری ص ۳۳۱ فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳۱ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۵۲ فیض الباری جلد ۲
فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۲۹ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۴۱۱ السراج النیر جلد ۲ ص ۱۳۲ مشرقۃ المفاتیح جلد ۲ ص ۱۷۲ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۵۳

شیخ عبدالحی محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

ابویعلیٰ نقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آورده قال قال رسول الله
صلی الله علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یمثلون^۱

امام ابویعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں
میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

انه صلی الله علیہ وسلم حی فی قبره وراحه لا تغلقه لما صح ان الانبیاء
احیاء فی قبورهم^۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے
جسم مبارک سے جدا نہیں ہوئی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء
علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احياء فی قبورهم رواه المنذری
وصححه البیہقی^۳

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں، علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقی رحمہ نے
اس کی تصحیح کی ہے۔
علامہ سمہودی لکھتے ہیں:-

رواه ابویعلیٰ بن جال ثقات ورواه البیہقی وصححه^۴

ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-
اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابو یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

② حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
ما من احد یسلم علی الارۃ اللہ علی روحی حق ارۃ علیہ السلام۔
کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر فرماتا
دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ : وهو اعتماد صحیح۔
(امام ابو داؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے، اور یہ اعتماد صحیح ہے۔
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ : رواۃ ثقات۔
علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ : اسنادہ حسن۔
حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ : صححہ النووی فی المآخذ۔

۱۔ فضائل درود شریف ص ۳ ۲۔ ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۹۹ واللفظ منہ احمد جلد ۲ ص ۵۲۷ ۳۔ ثغوار السقام ص ۱۵
۴۔ فتح الباری ص ۲۶۹ ۵۔ السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۹ ۶۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد الصحيح۔
 حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔۔ وهو حدیث جید۔
 علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد صحيح۔
 نواب صدیق صدیق من خاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔
 قال النووي في الاذکار اسنادہ صحيح وقال ابن حجر رواه ثقات۔
 علامہ سمہ پوریؒ فرماتے ہیں۔۔

وی ابو داؤد بسند صحيح۔
 مولانا الزمخشري صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔۔ رواه ثقات۔
 امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔۔

روى احمد و ابو داؤد والطبرانی والبيهقي باسناد حسن بل صححه
 النووي في كتاب الاذکار وغیره۔

اور علامہ محمد بن محمد الفانجی البوسنیؒ فرماتے ہیں۔۔
 قال النووي في الاذکار ورياض الصالحين اسنادہ صحيح وصححه
 ايضا ابن القيمؒ

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں
 جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحقین اور تصحیح کرتی ہے۔
 ③ حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔

ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة
 وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فيه فان صلواتكم معروضة

۱۔ کتاب الاذکار ص ۱۱۷ ۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۱۳ ۳۔ زرقانی شرح مواہب ص ۳۸ ۴۔ دلیل الطالب ص ۸۴
 ۵۔ مفار الفار ص ۳۲ ۶۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲ ۷۔ فتح المسلمین ص ۲۱۱ ۸۔ القول البلیغ ص ۳۷ ۹۔ حیاۃ الانبیاء البیہقی ص ۱۱۷

علي قال قالوا وكيف تعرض صلواتنا عليك وقل ارممت قال يقولون
 بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء[ؑ]
 بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت
 آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نوحہ
 اولیٰ ہوگا اور اسی میں نوحہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا
 کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ
 ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم
 السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین غظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وصححه ابن خزيمة وغيره[ؒ]

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:-

ومن تامل في هذا الاسناد لعيشك في صحته لثقة رواته وشهادتهم

وقبول الائمة حديثهم[ؒ]

اور یہی الفاظ اس موقع پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں۔

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء[ؑ]

۱۔ البوامی ص ۱۵۱ واللفظ له والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ص ۱۵۴ مستدرک ص ۲۷۸ منہ ۵۲ موارد الطمان ص ۱۳۱ وابن ماجہ ص ۱۹
 ۲۔ منہ ۲۳۹ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۶ ۳۔ فتح الباری ص ۲۴۹ ۴۔ جلاء الافہام ص ۴۴۲ ۵۔ احصاء النکح ص ۵۴ ۶۔ قد تعالیٰ

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبیاءؑ

علامہ منتدیؒ فرماتے ہیں:- انہ حسنؒ

اور علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں:- انہ حسن صحیحؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:- حدیث صحیحؒ

علامہ الورثاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

فانه صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان اللہ عز وجل حرم علی

الارض ان تاكل اجساد الانبیاءؑ

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح (بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے)۔

④ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا:-

فنبی اللہ حی یرزق

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں:- اسنادہ جیدؒ

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:- ورجالہ ثقاتؒ

۱۔ کتاب الروح ۲۔ القول البدیع ص ۱۱۹ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۴ ۴۔ ماریج البیورہ ص ۹۳ ۵۔ خزائن

۶۔ مستدرک حاکم ص ۵۳ ۷۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ ۸۔ ترجمان السنۃ ص ۲۹۴ ۹۔ السراج المنیر جلد ۱ ص ۱۲۹

علامہ منہادیؒ کا ارشاد ہے۔ قال الدمیری رجالہ ثقات۔

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ ابن ماجہ رجالہ ثقات۔

ماہظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ قلت رجالہ ثقات۔

اور علامہ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ۔

رواہ ابن ماجہ باسناد جید۔

طاعلی قاریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرہ۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جید۔

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جید۔

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لله ملئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔

علامہ ہیشمیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح۔

لہ فیض القدیر جلد ۷ ص ۸۰ لہ زرقانی شارح مواہب ص ۳۳۶ لہ تہذیب التہذیب ص ۳۹۸ لہ غلامہ الدفا
ص ۲۸ لہ مرقاۃ ص ۱۱۳ لہ نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۶ لہ عون المعبود ص ۴۵ لہ نسائی ص ۱۲۳ لہ مسند احمد
ص ۴۴ المصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۱۶ دارمی ص ۳۱۰ موارد النعمان ص ۵۱۲ مشکوٰۃ ص ۸۶ البدایہ والنہایہ ص ۵۳۲ البیہقی ص ۱۵۳
ص ۹۲ خصائص الکبریٰ ص ۲۸۰ لہ السراج المنیر ص ۵۱۸ لہ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۲

امام حاکمؒ اور علامہ قسیمیؒ فرماتے ہیں۔ صحیحؒ

امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیہقی والحنذلی وابن حبان والحاکم
فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودیؒ اور علامہ ابن عبد الہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔
یہاں تک شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔
ومتواتر سیدہ ایں معنی۔

⑤ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعیدا علقته۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے
مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

ماظاہر حجازؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔
بسنجد جید۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ وبسنجد جید۔
حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ بسنجد جید۔

۱۔ مستدرک حاکم ص ۲۶۲ ۲۔ القول البدیع ص ۱۱۳ ۳۔ وفار الوفاء ص ۲۴ ۴۔ الصارم المنکی ص ۱۶۸ ۵۔ فتاویٰ
عزیزی ص ۱۶۸ ۶۔ جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹ ۷۔ فتح الباری ص ۲۴۲ ۸۔ القول البدیع ص ۱۱۳ ۹۔ مرقاۃ ص ۱۱۳

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں۔ اسنادہ جیدہ
اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جیدہ فرماتے ہیں۔

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے
واضح ہو گیا کہ یہ روایت جیدہ اور صحیح ہے۔ ان دونوں نقطوں (جیدہ اور صحیح) میں کوئی خاص فرق
نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

ان ابن الصلاح يرى التسوية بين الجيد والصحيح.

چونکہ حضرات اہل علم اسلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ
صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے پھر احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے)
اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو مسائر الانبياء معلومة عندنا
علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة في ذلك وتواترت به الاخبار والدالة
على ذلك.

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم
علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

۱۔ دلیل الطالب ص ۸۴۲ سے فتح الملہم ص ۲۳۲ سے تدریب الراوی ص ۱۸۱ سے ابناء الاذکیاء ص ۲۴۵ سے فتاویٰ امام سیوطی ص ۱۳۶
۲۔ انظم المتناثر من الحدیث المتواتر کنذا فی شرح البوسنی ص ۱۷ المنحة العبدیہ ص ۱۷

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علماء امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک مدت تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مجددہ موجود اور حیات میں۔ اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ متکلمین اور ۴۔ فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر امت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب مابقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستقر حیاً و
الانبیاء احياء فی قبورهمؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں:-

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احياء۔
 ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں
 مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:-

ان الله جل شأه رء الانبياء ارواحهم فہم احياء عند ربہم كالشہداء۔
 بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا
 دیتے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔
 حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

المعتقد المعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبياء
 فی قبورہم وہم احياء عند ربہم وان الارواحہم تعلقا بالعالَم
 العلوی والسفلی کما کافوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشون
 وباعتبار القالب فرشیون۔

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس
 طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں
 اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا
 میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔
 اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔
 علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:-

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبياء علیہم
 السلام احياء فی قبورہم حیاة اکل من حیاة الشہداء التي احسنوا للہ

بہا فی کتابہ العزیزؑ

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔
دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وَمَا أَدَلَّةَ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ فَمَقْتَضَاهَا حَيَاةُ الْأَبْدَانِ كَعَالَةِ الدُّنْيَا مَعَ
الِاسْتِغْنَاءِ مِنَ الْغِذَاءِؑ

بہر کیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض بوزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادیہ خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حتیٰ اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حتیٰ و اجساد ایشان نیز ثابت یا شدند و بسیدہ نگرددند۔ و اس حیات بچو حیات دُنیا باشد، با وجود استغناء از غذا۔ؑ

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقول نعمتار و مقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از اقامت موت زندہ اند بحیات دنیوی بلکہ

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

کفیت بھی متین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دینی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دینی حیات میں ان کو ادراکِ علم اور شعور حاصل ہے۔ اس طرح اس حیاتِ برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دینی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون فاذا اثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم حيا فالحي لابد اما ان يكون عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم جاهلا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نوندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ ظالم ہو یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حي يحس ويعلم وتعرض عليه اعمال الامة ويبلغ الصلوة والسلام

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے جس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

علامہ ابو الوفا علی بن محمد بن عقیل اصفہانی کا ارشاد ہے۔

وہو حیات فی قبرہ یصلیٰ بہ

حضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
امام بدر الدین بعلی اصفہانی جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بہا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تہذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لیے پابندی لازم نہیں۔ قد يصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قدمضارع پر داخل ہو کر اکثر تعقیل کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ غزینیؒ حدیث مامن احادیث علی الارواح علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الارواح اللہ علی روحی، احرار علی نطق لانہ حی دائمًا وروحہ لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم۔

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

الروضة البهية ص ۱۲۷ مختصر الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۷۸ رضی جلد ۲ ص ۲۸۵ ، متن متین ص ۲۸۷

المرآۃ السیمر جلد ۲ ص ۲۷۵

فالجواب ان الانبياء احياء في قبورهم

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفی "حدیث شریف سے سلسلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حي حياة مستمرة.

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دوائی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکی "متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وعندهم محمد صلواة الله عليه تحت في قبره

اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے امام ابو الحسن الاشعری کے

نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر طہر میں زندہ ہیں۔ — یہاں یہ اصل بھی

پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی مکتبہ فکر اشعری

اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں۔ اب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے دونوں طبقے اشعری

اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں — چنانچہ امام ابوحنیفہ
طاہر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں :-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم
حي بعد وفاته يسر بطاعات امته ۛ

ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات
کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مردہ یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کا مسلک
اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور سلسلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشربلائیؒ لکھتے ہیں :-

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع
بجميع الملائذ والعبادات غير انه حجب عن الابصار القاصر من من
شریف المقامات ۛ

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔
آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان
نگاہوں سے اوچھل میں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق
و عبادات سے منتفع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں
کا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث.

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔
علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد السکال ہیں کس طرح مراحت کے ساتھ
حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت و اجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں
عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام منقرضہ
مبارک کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علماء دیوبند جو خالص اہل سنت و اجماعت
ہیں اور اس صدی میں اطمینت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر
کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے
نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر
حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے
محمیٰ یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔
ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاریؒ فرماتے ہیں :-

والاحسن ان يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم لا يتعقبها موت بل يستمر

حیا والانبیاء احياء فی قبورهم^۱

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ دومی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کما ان الانبیاء احياء فی قبورهم^۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارکہ کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:-

فدلت النصوص الصحیحہ علی حیاة الانبیاء^۳

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔
ایک دوسرے مقام پر بھی علامہؒ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة^۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان و اقامت سے نماز

پڑھنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد ادریش کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ان كثير من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمیؒ کی روایت میں اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذیؒ کی روایت میں۔

غور کیجئے! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبویؐ کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ بنصرِ حدیث زندہ ہیں۔

حضرت اقدس مولانا ابو الحسین عبد الہادی محمد صدیق صاحب بنجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:-

انهم اتفقوا على حيوته صلى الله عليه وسلم بل حيا له الانبياء عليهم السلام متفق عليهما الا خلافا لاحد فيه۔

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام

انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمائیے! حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث مامن احدی سلم

علی الارضا اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

علاوة ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔

آگے فرماتے ہیں:-

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ حی یرزق

سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب تو ہے

حضرت مولانا محمد منظر نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث ان اللہ ملئ کتھ سیاحین فی الارض

یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:-

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی

درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک

کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو

آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی

عنایت فرماتے ہیں۔ بلکہ

مُسکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی

کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:-

عندنا و عند مشائخنا حیاة حضرة الرمالہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ

لہ معارف الحدیث ص ۳۶۸ ۳۶۹ ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶۸ ۳۶۹ نشر الطیب ص ۱۸۸ لہ معارف الحدیث ص ۳۶۸

من غیر تکلیف وہی مختصہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وجميع الانبياء صلوات
 اللہ علیہم والشہداء لابرز خیرۃ کما ہی لساائر المؤمنین بل لجميع الناس کما
 نص علیہ العلامة السیوطی فی رسالۃ انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء
 حیث قال: قال الشیخ تقی الدین سبکی حیوۃ الانبیاء والشہداء فی القبر
 کحیوۃ ہم فی الدنیا ویشهد لہ صلوۃ موسی علیہ السلام فی قبرہ فان
 الصلوۃ تستدعی جسدًا حیًا (الی آخر ما قال) فثبت بہذا ان حیوۃ دنیویۃ
 برزخیۃ لکنہما فی عالم البرزخ بلہ

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک
 میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات
 مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے
 ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ
 علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتقریح لکھا ہے خطاتے
 ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں
 حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا
 اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اگرچہ اس سے ثابت ہوا کہ
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ
 میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زاد ہما اللہ
 شرفاً کے ان پھیسٹس اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے
 کہلاتے ہیں جسے شریل علماء محدث کبیر حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیں^{۱۳} بزرگوں دجن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود اکمن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر محمد حسن صاحب اسوہی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا صیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں، کی تصدیقات لکھو کہ علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ لحد یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور سرکاری جواب کے بعد مزید کچھ لکھنا یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نالوتویؒ فرماتے ہیں:-

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ستر ہے رافع حیات اور دافع حیات نہیں بلکہ

واضح رہے کہ حضرت نالوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ

حضرت فرماتے ہیں:-

ہیں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

بحسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت و انھم یمیتون۔ تمام

انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت

کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی

یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بنیوں

کی نظر سے مستور ہے۔ بمثل امت کے ان کی موت میں روال نہیں ہے بلکہ

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

- ① اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیر ارضیٰ سے بالکل محفوظ رہنا۔
- ② اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔
- ③ اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سب سے بڑی امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ازواج طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔
 شیخ الاسلام مولانا امجد حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مہلک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے۔ بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نالوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے :-
 انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں :-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حجت میں ذق ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا دندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور سبقت اس کی طویل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود اور حیات ہیں۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحابِ طواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ سبخر قاضی شوکانیؒ اور ثواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام محبت کے لیے ہم اس مقام پر اصحابِ طواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعوے بھی صاف ہو جائے۔
قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي

بعد وفاته والله ليس بطاعات امته وان الانبياء لا يسلون مع ان مطلق

الاحد انك كالعلم والسمع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) ورد النص في

كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يزقون وان الحيوة فيهم متعلقة

۱۔ نظر الطیب من ۲۔ فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل جلد ۴ ص ۴۳۳ فتاویٰ دارالعلوم غیر مطبوعہ

بالجهد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء
احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقي في صحيح مسلم عن
النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى جب عند
الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي ۛ

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں
اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے
علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں
اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء
اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی
ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت
کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات نُرُخ رنگ کے ٹیپے کے پاس
موسے علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی تسلیم کرتے ہیں
اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ
حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبياء

احیاء فی قبورہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں۔

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاته ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في قبورهم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم منهم

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔
شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حتی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التزیل اذ هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیہ

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے مستف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبادت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کبلی اعتماد کرتے ہیں:-

اما الكلام على حياة النبي صلى الله عليه وسلم فاعتقادنا في ذلك اعتقاد
سلف الامة واثمتنا وهم الامم.

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں۔

متاخرین اصحاب طوائف حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں:-
اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

اور مولانا ستمس اسحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں:-
ان الانبياء احياء في قبورهم.

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحاب طوائف بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور بزرخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس سلسلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اُجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و فیر

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر انماض و اعراض نہیں کیا جاسکتا۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

”علماء امت اور حیات الانبیاء“ کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند مرتبہ حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔
امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ:-

مَنْ تَوَثَّقَ بِوَصْفِ بَنِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رِزْقٍ فِي قَبْرِهِ وَأَنْ
جَسَدَهُ الشَّرِيفُ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلَى هَذَا۔

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں
کھا سکتی اور اس پر اجماع منفقہ ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ
کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث
سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک مدنی دلیل ہے۔
علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں:-

أَمَّا هُمْ فَيُحْيَاهُمْ لَا شَكَّ فِيهِمَا وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي ذَلِكَ (إِلَى أَنْ
قَالَ) مِنْهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ۔

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماع سکوئی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

حیات متفق علیہ است: پیچ کس را دروے خلاف نیست۔

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں

خلافت نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔

نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بدل کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت انبیاء علیہم

السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دینی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں:-

والحاصل ان حیاة الانبیاء ثابتة بالاجماع۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالعزیز عبد الہادی صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں:-

انہم اتفقوا علی حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاة الانبیاء علیہم السلام

متفق علیہما الاختلاف لاحد فیہ ۛ

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے، اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے ۛ

اصحابِ طواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سنیؒ لکھتے ہیں :-
اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحابِ ثلاثے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں (آگے فرماتے ہیں) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں، صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۛ

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں :-

واذا ثبت انہم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر

ۛ حیات النبیؐ ص ۲۷

ۛ الذی اراد المحمود شرح البوداء و جلد ۱ ص ۱۷۱ ۛ حیات نبوی

كون الشهداء احياء بنص القرآن والانباء افضل من الشهداء۔

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمائیے۔ جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لا محالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۲۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بعلامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:-
ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔
اس کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار و وضعہ اطہر کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی شریڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے ان پر کفر کا فتوے لگا دیا۔

اسی طرح فرقہ متکشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۳: حیات النبیؐ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؐ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبیؐ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حنفیؒ فرماتے ہیں:-

(ونکیرہ املامۃ) مبتدع ای صاحب بدعة۔^۱

قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:-

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔^۲

سوال ۴: حجاج کرام کا سر دار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی۔ تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کر سکے۔ مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارتِ روضہ اطہر احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 من زار قبری وجبت له شفاعتیؑ

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔
 ایک دوسری روایت میں ہے :-

من زار بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتیؑ
 جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی
 میں زیارت کر لی۔

غور فرمائیے: کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ وعد
 کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
 من حج البیت ولم یزدح ففقد جفائیؑ

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے
 ساتھ زیادتی کی۔

انہی وعد و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت
 گو اعتقادی اعتبار سے سنت ہے، تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی
 الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں :-

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبہ وقریۃ من الواجب قطعاً
 الى هذا النزاع وهو الحق عندی فان الاف الاولف من السلف كانوا

لہ صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی بیہقی یا سناد حسن بحوالہ آثار السنن ص ۱۳۱ لہ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۱۴۷ لہ
 فصل فی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن عدی بسند حسن مرقاۃ المفاتیح)

يشدون رحالهم لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم ويزعمون بها من
اعظم القربات بـ

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-
انما قربة من الوجوب لمن له سعة بـ
مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

تقریح کردہ است در بعض کتب الوجوب اس بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم من حج ولعیز فی فقد جفائی رواہ ابن عدی بسند جید حسن. و نیز
مردی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت
لہ شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصحہ عبد الحق.
و نیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کم من زارنی فی
حیاتی رواہ ابو سعید بن منصور والدارقطنی. و وارد شدہ اند در فضل
زیارت اعمادیت و آثار بسیار کہ اکتفاء کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار
طلباً للاختصار بـ

اجماع امت اور زیارت روضہ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں اعمادیت کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے
وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ
مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

یاد نکہ اجماع کردہ اند مسلماناں بر آنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات
و افضل طاعات و اکد سنن و مندوبات است بـ

بجوالہ مذکورہ بالا ۱ فیض الباری جلد ۲ ص ۴۳۳ ۲ شامی جلد ۱ ص ۲۹۸ ۳ حیات القلوب ص ۲۹۸ ایضاً

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں :-

اعلم ان زیارة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر
عبرة بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات و افضل الطاعات فنج المسأ
لنیل الدرجات قریبة من درجة الواجبات بل قیل انہما من الواجبات
لمن له سعة وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة وفيہ اشارۃ الی
حدیث استدل بہ علی زیارة وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم
یزر فی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکۃ بان المشی
الی المدینۃ افضل من الکعبۃ و بیت المقدس ۛ

اس عبارت میں جہاں یہ تقریح ہے کہ دیارت نبویؐ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں
یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تقین کے ساتھ
ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا
کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ بنانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے۔ ہمارے
فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے (بعد میں
زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد
میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے :-

قالوا ان کان الحج فرضاً قدمہ علیہا والا تخیر ۛ

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی

نیت کرے :-

والاولی فی زیارة مجرید النیۃ لزیارة قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ۛ

الحاصل — مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر رد و محابہ سے لے کر

لہ نذل المجہد جلد ۳ ص ۲۷۲ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۳۴ ایضاً

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالک والشافعی وابوحنیفہ واحمد علی ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ

وسلم من افضل المندوبات۔

لہذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے — روحہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا — جن میں سماع البنی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے — انکار ہے اور اجماع امت سے انحراف جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے — اعاذنا اللہ منہ — وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے چنانچہ بذل المجہود کی عبارت گزر چکی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں :-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ

و شنائعی قبیحہ۔

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبر و قائلین حیات الانبیاء فی القبر کو دجال و کذاب و مشرک کہتے ہیں، آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبر دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟
جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو

اہل سنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں — اس باب

(حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو

شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت و اجماعت سے خارج ہے۔

اس فترے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ اہل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الایمان) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو کافر مشرک اور دجال کہیں، یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

ناطقہ سر بگیاں ہے اسے کیا کہیے

سوال ۱۱: منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہلسنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برندخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کس شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظریہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معافی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہو تا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں سچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلوة خلف من ينكر شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم وينكر الكرام

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ينکر الرویة لانه کافر^۱

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر اور رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق عاقل ابن الہمام محمد بن عبد الواحد کھنقی السیرائی فرماتے ہیں :-
ولا تجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم^۲
شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کرام الکاتبین کے افکار کرنے والے کی اقتدار میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔^۳

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں :-
فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعيمہ حق کما صرح بہ الاجلاد^۴
الصحيحة ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلائق واسماهم من الجن والانس عن روية عذاب القبر ونعيمہ لحكمة الميئة ومن مثك في ذلك فهو ملحد^۵

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹ فتح القدیر مصری جلد ۲ ص ۲۴۳۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۲ طبع مصری
۲۔ مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشحرانی ص ۲۲ طبع مصری۔

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ
صحیح اعمادِ شریعت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مکلف
مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و
راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص
اس کا انکار کرے تو وہ ٹکڑ ہے۔

علامہ عبد الشکور السالمیؒ فرماتے ہیں:-

فأما عذاب القبر للمؤمنين حق للكافرين من الواجبات والله تعالى
يقول التاريخ ضون عليهما عذرا وعشيا يعني فرعون وقومه دل الله
كان صحيحا في اى موضع وعلى اى حال ومن انكر هذا يصير كافرا
والله اعلم به

عذاب قبر مومنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان
ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد
دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو
اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبد العلی بھرا العلوم اسٹیفی لکھتے ہیں:-

منكر الشفاعة لاهل الكيثر والزوية وعذاب القبر وكرام
الكاشين كافر به

ترجمہ: اہل کبار کی شفاعت کا منکر روایتِ باری تعالیٰ کا منکر عذابِ قبر کا منکر اور
کرام کا تبین کا منکر سب کافر ہیں۔

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۷ شعبان ۱۴۰۵ھ

دستخط حضرات مفتیانِ کرام